UNIVERSAL LIBRARY
OU_224158
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—881—5-8-74—15,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 891.4305 Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرز (شعبہ اشاعت انجمن اسلام) ممبئی ۸

۸۹۱۵
نوائے ادب

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:- چھ روپے
فی پرچہ:- ڈیڑھ روپیہ
(مع محصول ڈاک)

ایڈیٹر: عبدالرزاق قریشی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر
انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۹۲. دادابھائی نوروجی روڈ
بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-
ادبی پبلشرز
۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

نوائے ادب بمبئی

تاریخ اشاعت ۱۵ جنوری ۱۹۷۰

جلد ۲۱ جنوری ۱۹۷۰ شمارہ ۱

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	گیان سروپ	نورالسعید اختر	۱
۲	ملا وجہی پر سرقہ کا ..... بے بنیاد ہے	جاوید شششٹ	۲۶
۳	حسرت موہانی بحیثیت تذکرہ نگار	احمر لاری	۳۹
۴	میر قمر الدین منت	افسری افتخار بیگم	۵۵
۵	اردو رسم خط کا تہذیب سے رشتہ	ظہیر احمد صدیقی	۷۳
۶	تبصرے	قاضی اطہر مبارکپوری، آدم شیخ	۷۸

* نور السعید اختر

گیان سروپ

از

شاہ تراب چشتی

شاہ تراب ترنامل، علاقۂ مدراس کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار بارہویں صدی ہجری کے صوفی شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ پیر پادشاہ حسینی بیجاپوری کے مرید تھے جن کا سلسلۂ خلافت شاہ میراں جی شمس العشاق سے ملتا ہے۔ شاہ تراب کی متعدد منظوم تصانیف ہیں جن میں سے صرف ایک «من سمجھاون» شائع ہوئی ہے ان کی ایک اور تصنیف «گیان سروپ» نوائے ادب کے ذریعے اہل علم و ادب کے سامنے پیش کی جاتی ہے

گیان سروپ کے مخطوطے :—

مضمون نگار کو گیان سروپ کے صرف دو مخطوطوں کا علم ہے جن میں سے ایک مکمل ہے اور دوسرا ناقص الآخر۔ مکمل نسخہ انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ کے کتب خانے میں ہے اور ناقص الآخر مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد کا مملوکہ ہے۔ ثانی الذکر مخطوطہ چونکہ قدیم تر ہے اس لئے اسی کو بنیادی نسخہ قرار دیا گیا ہے۔ آئندہ سطروں میں اسے «ا» کے نام سے اور انجمن کے نسخے کو «ب» کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ نیچے دونوں مخطوطوں کا اجمالی تعارف کرایا جاتا ہے۔

نسخۂ ا:

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرتبِ فہرست مخطوطات ادارہ مذکور نے اس کے بندوں کی تعداد ۵۸ بتائی ہے اور پھر لکھا ہے کہ

> «اس کے بعد کے حصے اس مخطوطے میں موجود نہیں ہیں۔ اگر اس کا آخری بند رہتا تو ممکن ہے کہ تاریخ تصنیف کا بھی علم ہوجاتا۔ یہ نظم جس اہتمام اور جس خوبی سے لکھی گئی ہے اس کی بنا پر قیاس غالب ہے کہ اس کے آخری بند میں تاریخ تصنیف ضرور ہوگی»۔[1]

---

۱ - تذکرہ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو، جلد چہارم، ص ۱۱۸

---

* ڈاکٹر نورالسعید اختر، ام۔ اے؛ پی اچ۔ ڈی؛ مرتب تاج الحقائق از ملا وجہی

اس مخطوطے میں کل آٹھ ورق ہیں اور ہر صفحے پر ۱۵ سطریں ہیں ۔ اس کا سائز ۲/۱ ۶ × ۴ ہے ۔ اکثر بند کرم خوردہ ہیں ۔ بد خطی کے باعث متن کی صحیح قرات میں بہت مشکل پیش آتی ہے ۔

نسخــــۂ ب :

انجمن ترقی اردو کے کتب خانے کی فہرست میں اس کا نمبر شمار ۳۱۷ اور کتاب کا نمبر ۹۳ / ۲۹۷ء۷ ہے ۔ اس کے ساتھ شاہ تراب کی « من سمجھاون »، چند غزلیں اور ان کے پیر و مرشد پیر پادشاہ حسینی کا مختصر دیوان بھی مجلد ہے ۔

یہ مخطوطہ انسٹھ بندوں پر مشتمل ہے ۔ ہر بند میں چار شعر ہیں اور اس طرح اشعار کی تعداد دو سو چھتیس ہے ۔ ڈاکٹر سیّدہ جعفر نے اشعار کی تعداد ۲۲۰ اور بندوں کی تعداد ۵۸ بتائی ہے[1] ۔ اگر ان اشعار میں سے ٹیپ کے اشعار کی تعداد گھٹادی جائے تو مجموعی طور پر ان کی تعداد ایک سو ستہتر (۱۷۷) رہ جاتی ہے ۔ اس میں ترقیمہ موجود ہے ، لیکن کاتب نے اپنا نام اور سن کتابت نہیں لکھا ۔ ترقیمے کے الفاظ یہ ہیں :

« تمت بالخیر من تصنیف گنج الاسرار ارشاد مآب حضرت شاہ تراب »

اس مخطوطے کے کاتب نے ادق ہندی اصطلاحوں کے نیچے سرخ روشنائی سے ان کے معنی اور فارسی و عربی مترادفات لکھ دئے ہیں جس سے قاری کو متن کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے ۔ یہ مخطوطہ کرم خوردگی سے محفوظ ہے ۔

گیان سروپ ترجیع بند کی شکل میں ہے ۔ ڈاکٹر زور اور ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اس کو ترکیب بند بتایا ہے جو درست نہیں ہے ، کیونکہ ہر بند کا ٹیپ کا شعر ایک ہی ہے ۔ اس نظم کے دوسوچھتیس اشعار میں سے دو شعر ایسے رہ گئے ہیں جن کی مضمون نگار سے صحیح طور پر قرأت نہ ہو سکی ۔

گیان سروپ کا موضوع :

ہندی زبان کی تصوفانہ شاعری کو دو حصوں پر منقسم کیا گیا ہے ۔ پہلا حصہ « نرگن دھارا » اور دوسرا « سگن دھارا » کہلاتا ہے ۔ « نرگن دھارا » طبقے کے شعراء خدا کو واحد مانتے ہیں ۔ وہ اللہ کی تجسیم کے بھی قائل نہیں دوسرے طبقے یعنی « سگن دھــــارا » کی دو شکلیں ہیں ۔ پہلی شکل « گیــان مارگ » اور دوسری

---

۱ من سمجھاون از شاہ تراب ، مرتبہ ڈاکٹر سیدہ جعفر ، ص ۷۸

«پریم مارگ» پر مبنی ہے۔ شاہ تراب مسلمان صوفیاء کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جس کی شاعری میں «گیان مارگ»، «پریم مارگ» اور اسلامی تصوف کے گنگا جمنی دھارے ملتے ہیں۔ پرانوں، ویدوں اور اپنشدوں میں تصوفانہ عقائد کا ذکر خاص طور پر موجود ہے۔ ہندومت کے مطابق آواگون یعنی تناسُخ کی زحمت سے چھٹکارا حاصل کرنے کو انسان کا پہلا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد انسان فنا فی اللہ (मोक्ष) ہو جاتا ہے۔ موکش کے حصول کے لئے اپنی ذات کو فنا کرکے ذات حقیقی میں ضم کر دینا ضروری ہے۔ نفیء ذات کے لئے یوگ کا طریقۂ عمل بتایا گیا ہے۔ اپنشد میں ذات واحد کی اہمیت پر کافی بحث کی گئی ہے اور «پریم مارگی» صوفی کے لئے جہادِ نفس، خلوت نشینی، ترک لذات اور استغراق ضروری قرار دئے گئے ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں روح یعنی آتما (ब्रह्म) پر کافی زور دیا گیا ہے۔ ان کے یہاں یہی سب سے افضل ہے۔ یہ لوگ آتما کو نہ صرف ذات حقیقی تصور کرتے ہیں بلکہ اسے سارے فلسفے کی روح بھی سمجھتے ہیں۔ شاہ تراب نے نہایت فنکارانہ طور پر ان تمام باتوں کو گیان سروپ میں اسلامی تصوف کی چاشنی کے ساتھ گھلا ملا دیا ہے۔

تنقیدی نظر :

صوفیائے کرام میں غالباً شاہ علی جیو گام دھنی گجراتی (م۔ ۹۷۳ھ / ۱۵۶۵ء) نے اپنے دیوان جواہر اسرار اللہ میں پہلی بار ہندی مصطلحات کو نئے اندازِ فکر کے ساتھ ایک اچھوتے اسلوب میں پیش کرنے کی جسارت کی۔ ان اصطلاحات کے باعث صوفیانہ مسائل نہ صرف عام فہم بن گئے بلکہ ان کے استعمال سے صوفیانہ وارداتوں کا فکری سرمایہ بھی نکھر گیا۔ صوبۂ مدراس کے ایک صوفی شاعر قاضی محمود بحری (م۔ ۱۱۳۰ھ۔ ۱۷۱۷ء) اپنی مثنوی «من لگن» کے باعث کافی مقبول ہوئے۔ اس مثنوی میں بھی مذکورہ بالا انداز پایا جاتا ہے اور ویسے ہی ہندی مصطلحات استعمال ہوئے ہیں۔ شاہ تراب نے اگرچہ بحری کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے لیکن دونوں مثنویوں کا تحقیقی مطالعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انہوں نے بحری کے خرمن تخیل سے خوشہ چینی کی ہے۔

قاضی محمود بحری کے والد ماجد شاہ برہان الدین جانم کے مریدوں میں سے تھے۔ وہ خود کہتے ہیں :

جس فی المثل اُن سے اول پان دیوی تو سری سو شــاہ برہان
تھا باپ میرا مُرید اس گھر کا اس گھر سوں کیا اپس کوں گوہر[۱]

شاہ تراب بھی اسی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے ۔ گیان سروپ میں وہ فرماتے ہیں :

اس تن میں اوہی جان سمج شــہ میراں ، شاہ برہان سمج
(بند نمبر ۳)

غرض یہ کہ بحری اور شاہ تراب کا سلسلۂ بیعت ایک تھا ۔ اس لئے دونوں کا مشن بھی ایک تھا ۔ دونوں نے جہاں تک ہو سکا اسلامی عقائد اور تصورات کو ہندوستانیت کے لباس میں پیش کرنے کی کوشش کی ۔ تصوف کی ہمہ گیری اور وسعت لامحدود ہے ۔ لہذا صوفی کے دل میں ہر عقیدے اور ہر مذہب کا احترام پایا جاتا ہے ۔ وہ فرقہ پرستی اور طبقاتی اونچ نیچ کا قائل نہیں ہوتا ۔ شاہ تراب چشتی کی تصانیف کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف النوع بھی ہے ۔ کسی میں خالص پران اور ویدک فلسفے کو موضوع بنایا گیا ہے تو کسی میں اسلامی تصوف کی چنگاریاں مضمر ہیں ۔

شاہ تراب نے « رام » اور « رحیم »کو ایک سمجھا اور بتایا ہے ۔ کہیں کہیں « رام اور رحیم » کی جگہ صرف « رام » نے لے‌لی ہے ۔ اسی طرح انھوں نے عزرائیل، میکائیل ، اسرافیل اور جبرئیل کے لئے جو ویدک مترادفات استعمـال کئے ہیں ، وہ غورطلب ہیں :

ارے اوہی برمہا جبرئیل ارے اوہی وشنو میکائیل
کوئی مہیش کہیں کوئی اسرافیل تر مورت ویتو عزرائیـــل
ہور مول کنیا بڑا وکیل میں میرا بوجیا اسے کفیل
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے
(بند نمبر ۱۰)

شاہ تراب کی طرح سے شاید ہی کسی اور صوفی نے ایسا جرأت مندانہ قدم اٹھایا ہو ۔ ان کی اس خصوصیت پر پروفیسر مسعود حسین خـاں کی رائے قابل غور ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ «رام اور رحیم کبیر کی اصطلاح میں ایک ہی ذات کے دو نام ہیں ۔ لیکن صوفیانہ واردات میں دونوں کے فرق کو مٹاکر صرف « رام» کے نام سے یاد کرنا متصوفانہ تصورات کی دنیا میں محض ایک قدم آگے کا معاملہ نہیں بلکہ

---

۱ من لگن از بحری ، مرتبہ سخاوت مرزا ، ص ۱۲۸

ایک زبردست جست و جسارت ہے ۔ »[۱]

شاہ تراب نے مثنوی ظہورِ کلی « اصطلاح ہندی و مسلمانی » میں اپنے فرزند ارجمند کی فرمایش پر تصنیف کی تھی ان کے فرزند کی یہ فرمایش محض رسمی نہ تھی وہ اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ شاہ تراب میں « اصطلاح ہندی و مسلمانی » میں تصوفانہ باتوں کے نظم کرنے کا نہ صرف ملکہ ہے بلکہ اُن کا تخاطب بھی عالمگیر ہے ۔ خود شاہ تراب فرماتے ہیں :

اصطلاح ہندی و مسلمانی ملا
چشمِ باطن کے دیو سب کے جلا[۲]

گیان سروپ کے ہر بند میں ایک والہانہ جذبہ ، مخصوص آہنگ اور سحرطرازی کا عنصر کارفرما ہے ۔ روحانیت کے اعلیٰ اقدار کی درس و تدریس کے لئے جس متین ، پُروقار اور شیریں لہجے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس نظم میں بدرجۂ اتم موجود ہے ۔

زبان و بیان :

شاہ تراب ایک جہاں گرد صوفی تھے ۔ معرفت کی تلاش میں انھوں نے اہل ہنود کی متبرک کتابوں کا بھی مطالعہ کیا تھا ۔ وہ اسلامی تصوف اور بھکتی کے الگ الگ راستوں کو ایک کردینا چاہتے تھے ۔ اسی بنا پر ان کی تصانیف میں زبان و بیان کی بوقلمونی پیدا ہوگئی ہے ۔

(۱) ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے گیان سروپ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا کہ

« اس نظم میں ہندی الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے ہیں اور جگہ جگہ ہندو دیوتاؤں اور دیویوں اور تیرتھ گاہوں کی تلمیحوں کے ذریعے اسلامی عقائد کی وضاحت کی گئی ہے اور اس لحاظ سے یہ نظم بہت ہی اہم اور قابل قدر ہے ۔ اگر اس کو دیوناگری رسم الخط میں منتقل کیا جائے تو یہ ٹھیٹ ہندی نظم سمجھی جائے گی ۔ »[۳]

مضمون نگار ڈاکٹر زور کی رائے سے متفق ہے اور اس نظم کا ہندی ایڈیشن تیار کر رہا ہے ۔ دراصل ڈاکٹر زور کی اسی عبارت نے مضمون نگار کی توجہ اس طرف منعطف کی ۔

---

۱ من سمجھاون ، از شاہ تراب چشتی ، مرتبہ ڈاکٹر سیدہ جعفر ، مقدمہ از ڈاکٹر مسعود حسین خاں ، ص ۱۱۸
۲ ایضاً ، ص ۱۶۱
۳ تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو ، جلد چہارم ، ص ۱۱۸

(۲) گیان سروپ میں قدیم اردو کے ابتدائی شعراء کی طرح سے عربی اور فارسی الفاظ کے مقابلے میں سنسکرت الفاظ کا زیادہ استعمال ہوا ہے ۔ انہیں قدیم اردوکے مزاج کے مطابق بنانے کے لئے بعض اوقات ان کی صوتی شکل میں تصرف بھی کیا گیا ہے ۔ مثلاً

سریر	शरीर	(بند نمبر ۲)
برمہا	ब्रह्मा	(« « ۱۰)
اسبہرن	अस्तुवहरग	(« « ۱۲)
نکسی	नक्सय नक्षत्र	(« « ۴۲)

(۲) نظم کا موضوع چونکہ تصوف اور ویدانت ہے اس لئے اس میں اکثر عربی اور سنسکرت اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں ۔ جیسے

من بد ۔	عقلِ کل و نفسِ کل	(بند نمبر ۷)
کنک کانتا ۔	سونا اور عورت	(« « ۱۳)
نقطۂ کالا ۔	دنیوی لذتیں	(« « ۵۳)
موکشو توم ۔	मोक्षत्वम فنافی اللہ	(« « ۵۲)
پرتھم بُد کی شراب ۔	مئے الست	(« « ۵۸)

(۴) تشبیہات ، استعارات اور دیگر صنائع بدائع کا بڑی خوبی سے استعمال کیا گیا ہے تشبیہات زیادہ تر ہندی کی ہیں ۔ نیچے مختلف صنائع کی چند مثالیں دی جاتی ہیں :

(۱) صنعت مراعات النظیر :

اے ہوا اکاس ، وایو باؤ : تیج آتش ہے جل پانی پاؤ

(۲) صنعت تضاد :

جب نقطہ آخر پاویں گے : تب نقطہ اوّل پاوینگے

(۳) تجنیسِ تام :

ارے طالب حق میں حق ہونا : سب خودی خدا میں مل کھونا

(۴) تلمیح :

جب چک ہور پک یک دور کرو : تب اناالحق کا شور کرو

(۵) تشبیہ :

من با را ، بد جوالاجے : چت چنچل جل ، نروالاجے

(۵) شاہ تراب نے چند نئے ہندی محاورے استعمال کئے ہیں۔ مثلاً

(۱) من کا منگل ہونا

(۲) شور کرنا (رٹ لگانا)

(۳) کیلی کھلنا (راز پالینا)

(٦) گیان سروپ میں بے شمار خالص سنسکرت الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس سے ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ «اپبھرنش کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں سنسکرت کے خالص الفاظ کو دخل نہ تھا لیکن جوں جوں شاعری کی زبان پراکرت اور اپبھرنش کی روایات سے آزاد ہوتی گئی لوگوں کو سنسکرت کے خالص الفاظ کے استعمال سے پرہیز نہ رہا۔»[۱]

نیچے چند خالص سنسکرت الفاظ جو اس نظم میں استعمال ہوئے دئے جاتے ہیں:

جیئو ، گیانی ، چرن ، بالک ، اندری ، استھول ، اتیت

سروپ ، جل ، چتر ، گن ، پران ، اپان ، ویان ،کارن ،

مہارکارن ، نروالا ، ساتک ، راجس ، بُد

(۷) جدید لسانیات کے اصولوں پر بھی اس نظم کو پرکھا جاسکتا ہے اور یہ تین سطحوں پر ممکن ہے۔ صوتی سطح پر یعنی اس نظم میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اُن کی صوتی اہمیت کیا ہے۔ صرفی سطح پر یعنی اس نظم میں استعمال ہونے والے الفاظ قواعد کی رو سے کن کن زمروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ساخت کی سطح پر یعنی اس نظم میں آنے والے فقروں یا جملوں کی ساخت کیا ہے۔ جدید لسانیات کے ماہرین نے اٹھارہویں صدی عیسوی کی قدیم اردو کا لسانی تجزیہ کر کے جن خصوصیات کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے وہ تقریباً تمام گیان سروپ میں موجود ہیں۔

(۸) شاہ تراب کا اندازِ بیان عموماً آسان اور سلیس ہے۔ اُن کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہندی اصطلاحوں کے اردو یا فارسی مترادفات بھی دیدیتے ہیں تاکہ قاری کو تصوّف کی باریکیوں کو سمجھنے میں الجھن نہ ہو انہوں نے قصداً سیدھا سادہ پیرایۂ بیان اختیار کیا اور مشکل مسائل کو سریع الفہم بنا کر عوام کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا کہ ان کے پیش

---

۱ مقدمۂ تاریخ زبان اردو ، ص ۱۲۴

کئے ہوئے صوفیانہ حقائق کو معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکے۔

شاہ تراب نے گیان سروپ میں فارسی اور عربی کی ادق ترکیبوں سے بڑی خوبی سے اپنا دامن بچایا ہے۔ اس کے برخلاف انہوں نے غیر مانوس خالص سنسکرت الفاظ کا عمدگی سے استعمال کیا ہے اور یہ ان کے ایک ذو لسانی شاعر ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ گیان سروپ میں مجموعی حیثیت سے ایک پر کشش صوتی آہنگ پایا جاتا ہے۔

گیان سروپ کی ادق اصطلاحیں :-

گیان سروپ میں سنسکرت ، مراٹھی اور یوگ کی ادق اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں۔ کم سواد کاتبوں نے سنسکرت کی بعض اصطلاحوں کو غلط قرأت کے ساتھ نقل کیا ہے۔ راقم مضمون نے متن میں صحیح قرأت دینے کی کوشش کی ہے۔ اور اصل کی حاشیئے میں نشاندہی کر دی ہے۔ ان غلط اور مشکل اصطلاحوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں مضمون نگار کو جناب دیوی سنگھ وینکٹ سنگھ چوہان سے بہت مدد ملی ہے۔ قارئین کی سہولت کے لئے مشکل لفاظ اور اصطلاحوں کے معنی نیچے دئے جاتے ہیں :

(۱) پنچ بہوت ۔ عناصر خمسہ

(۲) استہول سریر ۔ جسم عنصری

(۳) گند ، رس ، روپ ، اسپرش ، شبد ۔ حواس خمسہ

(۴) کنٹھی ۔ حلق

(۵) پنچ پران ۔ پران : نفس امارہ ۔ آپان : نفس لوامہ ۔ ویان : ظاہر و باطن سمان : نفس مطمئنہ ۔ اودان : نفس ملہمہ

(۶) انسندھان ۔ بیقراری

(۷) تسکر ۔ چور

(۸) موکشوتوم ۔ فنا فی اللہ

(۹) ویکھری واچہ ۔ قوت گویائی یا بحث

(۱۰) ترمورت ۔ برمہا ، وشنو اور مہیش [وید کے مطابق]

(۱۱) مولا دھاری ۔ نشستگاہ [یوگ کے مطابق]

(۱۲) انہکار ۔ انا

(۱۳) مہبل ۔ مہابل ۔ طاقتور ۔ آسمان

(۱۴) کارن ۔ عارف الوجود

(۱۵) مہا کارن ۔ ممتنع الوجود

(۱٦) اینگلا پنگلا ۔ شہ رگ۔ یوگ کے مطابق ناف کے پاس والی دو رگیں

(۱۷) سپت پتال ۔ سات پاتال ۔ زمین کے نچلے ساتوں طبق

(۱۸) کنک کانتا ۔ سونا اور عورت

(۱۹) سوسپتی ۔ گہری نیند

(۲۰) دھن ۔ محبوب

(۲۱) ششی ۔ چاند

(۲۲) دیواکر ۔ سورج

(۲۳) نکشتر ۔ ستارے

(۲۴) اسپر ۔ مس

(۲۵) چک ۔ چکشو : آنکھیں

(۲٦) پک ۔ پکشم : پلکیں

(۲۷) اتیت ۔ بیراگی سنیاسی

(۲۸) سنکلپ ۔ قصد

(۲۹) ویکلپ ۔ شبہ

(۳۰) اوتپتی ۔ جائے پیدائش

(۳۱) پرتھم بد ۔ عقل اول یعنی خدا

(۳۲) تراوک ۔ سورگ ، بھومی اور پاتال

(۳۳) ستگر ۔ ستگرو ۔ مرشد کامل

(۳۴) نسنگ ۔ بے تعلقی

(۳۵) یکسنگ ۔ اکیلا پن

(۳٦) دنکر ۔ سورج

(۳۷) دشٹ کھلا ۔ برا دشمن

(۳۸) تریا اوستھا ۔ بچپن ، جوانی اور بڑھاپا مراد ہے
ہشیاری ، بیقراری ، بیداری

(۳۹) من بد ـ عقل کل و نفس کل

(۴۰) دس ایندری ـ پانچ کرم ایندری ، پانچ گیان ایندری ، پانچ حواس ظاہری ، عقل کل و نفس کل

گیان سروپ کی بحر :

گیان سروپ کی تقطیع اردو اور ہندی عروض کے مطابق ہو سکتی ہے۔

(۱) اردو عروض کے لحاظ سے اس نظم کی بحر بحر متدارک مثمن مخدوف (فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلان) ہے۔

(۲) ہندی عروض کے مطابق یہ نظم چوپائی کی ایک شکل ہے جس میں ۱۶ تا ۸ ماترائیں ہوتی ہیں۔

گیان سروپ

هوالعلی العظیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

اے پنچ بھوت کا بستارا ہے   آب ، آتش ، خاک ہور بارا ہے
چت من بد آہنکارا ہے   سب سروپ کوں سنگارا ہے
پیو سب میں سب سوں نیارا ہے   جیوں روشن جگ مگ نارا ہے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۲)

من بارا بد جیوالا جے[1]   چت چنچل جل[2] نروالا جے
خاک آہنکار کا جالا جے   جس جال میں روح ڈالا جے
استھول سریر کا مالا جے   منج کیتا او متوالا جے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳)

جیو ، پران ، اپان ، ہور ویان سمج   ہی اودان ، سمان ، دھر گیان سمج
توک ، چکشو[3] ہور گربان سمج   جیب رسنا سروتر کان سمج
اس تن میں اوہی جان[4] سمج   شہ میراں ، شاہ برھان سمج
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ب : من بارا ھور بد جوالا جے
۲ ا : جال
۳ ا : چشکو
۴ ب : گیان

(۴)

ارے پردے میـــانی پران بسے پھر مولا دھـــاری اپان بسے
ارے دونو میں تو سمان بسے ارے کنٹھـــی ترے اودان بسے
ارے سگل سریر میں ویان بسے ارے چت میں انسندھـــان بسے

جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

(۵)

گند، رس، روپ، اسپرش ہور شبد اس پانچو تن سوں بنیـــا وجد
کس کہنا نیک ہور کسکوں بد اون پانچو میں نیں کبر حســـد
مہا کارن، کارن، جاوے جد ست گرو کے چرنو پاوے بد

جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

(۶)

ہے انت کرن سوں نقطـــہ سن ہور ساتک، راجس، تامس، گن
ہے قـائـم اونسوں انجد دہن[۱] ہے جسکے کارن پاپ[۲] ہور پن
اے سپت پتال ہور چـــار رکن گن ستوا جو کیے بولا[۳] چن

جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

(۷)

دس ایندری، من بد، پنچ پران سب ستوا ملکر جیو پچھـــان
ہور رجگن کا ہے سواد شٹھـان ہے ستگن نا بھی کا رستھـان
بھی تمگن چت کا انسندھـــان سد ستگن ایچھـــا رکھو ندہان

جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

---

۱ ا : ب : قرأت صحیح نہ ہوسکی
۲ ب : پاپ
۳ ب : بولیا

(۸)

گند ، رس ، روپ ، شبد ہور اسپرش گن پانچ پران کے ہوئے سرس
سب وشے کلاویں رسنـــارس بن گرو نا پاسی ســـو برس
کیا بوجیگا او نجس مگس ارے ایہی ایچھا منجے ہے بس
جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

(۹)

کیں برمہا ہوئے ہور کیں مہیش کیں مولا دھـــاری بسے گنیش
اے بوجے لگ مت بڑاؤ کیس مت جھوٹا لے کر پھرو جی بھیس
سٹ ایچھا بچھـــا کا سندیس اب ایہی دھن[1] ہے رات ہور دیس
جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

(۱۰)

ارے او ہے برمہـا جبرئیـــل اور او ہے وشنـو میکائیـــل
کوئی مہیش کہیں کوئی اسرافیل[2] تـر مـورت ویتـو عـزرائیـــل
ہـور مـول کنیـــا بڑا وکیـــل میں میرا بوجیا اوسے کفیـــل
جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

(۱۱)

ارے ہـوا آکاش ہـور وایـو باؤ تیج آتش ہے جل پانی پاؤ
ارے خاک ہے پرتھوی تن کا بھاؤ ہور جرا مرن سد بد کا داؤ
ارے بولی پر مت نظـر چلاؤ پن[3] سیدی ہے مارگ کہیں سو آؤ
جو پیر حسینی پیـــارا ہے
اے تراب اوس بلہـــارا ہے

---

۱ ا : دسن
۲ ا کوئی کہ مہیش کئے کوئی اسرافیل
۳ ب : پن سیدی مارگ کہیں سوں آؤ

(۱۲)

ارے سو سبتی جاگرت ہور سُپن ہور تریا اوستھا اسبھرن
ارے ایھی سارا اواگون مل چاروں مانتر[1] بہیا ہے تن
جب لنگ سریر کا ستیا برن تب بولا[2] او سب جرا مرن
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۱۳)

ارے تن میں تسکر غفلت جان ارے اہار نندرا علت جان
ارے دشٹ کھلا بد خصلت جان ارے بہشت نرک سو دولت جان
ارے کنک کانتا ذلت جان ارے اوہی مذہب ملت جان
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۱۴)

جس انکھیانکوں گیان نہیں ہے باندر او انسان نہیں
بل سبھا میں اوس کا مان نہیں جب مان نہیں تب پان نہیں
ہور گیان نہیں تو دھیان نہیں کوئی ایسا صاحب عرفان نہیں
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۱۵)

من کالے بن کا رہواسی تن مہیش کنول کا سُکھواسی
جیوں گنگا جمنا ہور کاسی مل سرستی[4] کے ہیں باسی
مجے بتلا صفتاں وسواسی گرو راکھیا اپنا سنیاسی
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ا: منتر
۲ ب: بولیا
۳ ب: ہنس
۴ ا: تروبتی

(۱۶)

من روشن تارا تن میں ہے　　پن نقطہ کالا[۱] من میں ہے
جیوں بھنورا گھومے[۲] بن میں ہے　　یوں من کا منگل تن میں ہے[۳]
مل ششی دیواکر گہن میں ہے　　من تن میں تن اوس دھن میں ہے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۱۷)

جب میں توں کا بستار نہ تھا　　تب کثرت کچھ اظہار نہ تھا
تھا عاشق پن دلدار نہ تھا　　میں میرے سوں ہشیار نہ تھا
بل ساقی دل کا یار نہ تھا　　کوئی ایسا بھی چونسار نہ تھا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۱۸)

پیئو میرے تن کوں ٹھاؤں کیا　　ناؤں میرا اپنا گاؤں کیا
جب حد سوں لنبے پاؤں کیا　　تب کثرت اوس کا ناؤں کیا
میں اوس پر بلبل جاؤں کیا　　سر میرے چتر[۴] او چھاؤں کیا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۱۹)

جیو خاطر پیدا تن ہوا　　پیو خاطر پیدا من ہوا
سنگ دونوں کا یک فن ہوا　　بد خطرے کا رہزن ہوا
بل جس کے کارن کہن ہوا　　او ہادی میرا دھن ہوا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ا، کلا
۲ ا، گھومیں
۳ ب، یوں نقطہ من کے فن میں ہے
۴ ب، چھتر

(۲۰)

میں عاشق اوس پر نیں تھا جب　تھا پیتم پیارا آپی تب
میں عاشق ہو کر آیا اب　او دستا نیں سو کیا سبب
میں کہتا ہوں سو بات عجب　اے کھیل اوسی کے دستے سب
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلھارا ہے

(۲۱)

او وجود اول حقانی ہے　اے دوجا تعیں[۱] و ثانی ہے
جو ثانی ہے سو فانی ہے　او فانی اس کی بانی ہے
بات دیکھن میں دیوانی ہے　پن اوس کے آگے سیانی ہے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلھارا ہے

(۲۲)

جب نقطہ اول[۲] پاویں گے　تب نقطہ آخر[۳] جاویں گے
پیو درسن واں[۴] دکھلاویں گے　تج مارگ سیدی لاویں گے
ہو عاشق جو کوئی آویں گے　سو پیو کے آگے گاویں گے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلھارا ہے

(۲۳)

جیوں درپن میانے موں دسے　یوں دھن او میرے من میں بسے
پن دیکھن میں نہ آنے کسے　او سب کے کھیلاں دیکھ ہنسے
سب مشکل ہووے حل[۵] اوسے　بھر نظروں دیکھا اونے جسے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلھارا ہے

---

۱ ب ، تعین ثانی
۲ ب ، اول
۳ ب ، آخر
۴ ا ، او
۵ ا ، حال

(۲۴)

جب پایا اپنی آپ خبر　تب آپ اپس کوں گیا بسر
جاں کالا بھنورا رہا گھمر[1]　بن عاشق کس کا نہیں گذر[2]
ہے کہوں کدھر نیں کہوں کدہر　او دستا مجہ کوں جدہر تدہر
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۲۵)

باگ بکری کوں مل باندے ہیں　مل بچّہو کھنگڑا ناندے ہیں
جو عاشق اون کوں راندے ہیں　او منزل ناسوت پھاندے ہیں
نیں پھاندے سو او ماندے ہیں　ہیں ماندے سو دم ساندے ہیں
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۲۶)

جب منزل ناسوت جاوے گا　تب ملکوت کا بھید پاوے گا
جو جبروت چل کر آوے گا　سو لاہوت سوں من لاوے گا
جب آپس کوں بسر آوے گا　تب درسن او دکھلاوے گا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۲۷)

ارے طالب حق میں حق ہونا　سب خودی خدا میں مل کھونا
اس خاکی تن کوں یو دہونا　جیوں اسپر[3] کرتا ہے سونا
بن دارو درمن ہور ٹونا　او پیتم کے مل سنگ سونا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ا: گمر
۲ ا: گذہر
۳ ب: اکسیر

(۲۸)

ارے میں توں کا جھگڑا چھوڑو رے جگ دھندے سوں مکھ موڑو رے
سٹ خودی خدا کوں لوڑو رے نفس امارے کوں توڑو رے
بجہ بات سنو ٹک بوڑو رے من اوسکے چرنوں[1] جوڑو رے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۲۹)

جب تن سوں من کوں کام پڑا مل دونوں کا سنگرام پڑا
تب عاشق معشوق نام پڑا کل بدنامی کا دام پڑا
جو بوجیانیں سو خام بڑا اے شہرت[2] خاص و عام پڑا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۰)

ہے تن میں پیو کا ڈیرا جے کل شیے[3] میں جس کا پھیرا جے
ہو محیط سب کوں گھیرا جے پھل میں توں کے پیرا جے
سٹ جھگڑا میرا تیرا جے ہے نیارا پھر شہ میرا جے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۱)

کر من کوں توں بھول نکو جیوں بالک جھولا جھول نکو
جا سو آیا تو پھول نکو[4] کہا ہرگز پھتر دھول نکو
پڑ غفلت میانے پھول نکو او ساقی اپنا بھول نکو
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ب ' چرون
۲ شاہ
۳ ا ' گلشن
۴ جاسو لیکا ہو پھول نکو

(۳۲)

اجی مرنے اگل مرنا جے　　اجی مرنے سے نا ڈرنا جے
اجی وعدے کے دن بھرنا جے　　چت مایا میں نا دھرنا جے
نا جھوٹے سمرن کرنا جے　　ہور تراب گئے لگ چرنا جے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۳)

پیشو من کا من میں ٹھانہ تن[1]　　بن گرو ہے مشکل پانا تن
پیشو پیشو صاحب خانا تن　　سب کھلاتا ہے بیگانا تن
جیوں دیپک ہور پروانا تن　　اوس ہادی سوں پچانا تن
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۴)

ارے تن سوں پایا صفتاں سات　　ارے من سوں پایا رب کی ذات
ارے نا واں دیس ہے نہ رات　　ارے نا واں خشکی نا برسات
ارے نا واں سننا دیکھنا بات　　ارے واں بھی میرے ہے سنگات
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۵)

ارے برمانڈ پنڈ انڈ تھول سریر　　جو بوجا سوھے پیر فقیر[2]
او سات[3] سمندر آیا تیر　　بل جاویں اوس پر میر امیر
او حاضر ناظر سمیع بصیر　　سب بھید بتا کر کیا وزیر
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ب، پیشو من میں من کا ٹھانہ تن
۲ ب، جو بوجیا ہے سو پیر فقیر
۳ ب سپت

(۳۶)

ارے میم سوں احمد احد ہوا   پن عین سوں میم کا عدد ہوا
مل دونوں ساتی جد ہوا   سب ہوا حرص حسد ہوا
کیں ازل ہوا کیں ابد ہوا   دے درس منجکوں مدد ہوا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۷)

ارے چھوڑو ذکر خفی جلی   ارے ایک ہی ہے نبی علی
ارے تب تم ستگر بڑے ولی   ارے نیں تو بے شک پیسپوش بھلی
ارے مارگ چلنا بھلی بھلی   ارے میں تو بھنورا او ہے کلی
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۸)

ارے زاہد ایسا کرو ذکر   جل جاوے جس سوں خیال زر
ارے کیوں چھپ[1] پھرتے ایدھر اودھر   ٹک رازق[2] اوپر رکھو نظر
ارے بوجو اپنا فقر فخر   ارے ایچّھا دھر کر بند و کمر
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۳۹)

ارے دوزخ کاں ہور بہشت کہاں   پیو دستا مجکوں جہاں تہاں
اب یہاں کہوں یا کہوں وہاں   ہے روشن جس سوں زمیں زماں
اب کاں لگ اوس کا کروں بیاں   او پرگھٹ ہو کر دسے نہاں
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ب: چپ
۲ ا: رزاق

(۴۰)

میں آخر نقطه او اوّل میں کالا بھنورا او[۱] کنول
میں عاشق صادق او نول میں نقطه نقلی او اصل
میں آواز ہوں ہور او دہل میں ہوں پیاسا او سو جل
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۴۱)

جب ہوا حرص سوں کہاکر بھنگ مت بیٹھو یارو ہو کر دنگ
اس تن کی گھاٹی جاؤ اولنگ پن چک کا باندو دور نسنگ
سب میں پن سٹ کر رہو یکنگ او روشن دیپک میں ہوں پتنگ[۲]
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۴۲)

جوں دنکر نکشتر مہبل میں یوں پیتم بستا مجھ دل میں
کئی کھیل کھلاوے تل پل میں سب واصل کامل جاہل میں
آگ ، بارا ، پانی ، ہوا ، گل میں ہے محیط او سب محفل میں
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۴۳)

جب چک ہور پک یک دور کرو تب اناالحق کا شور کرو
چڑ سولی ہاتوں گرو کرو مت آشا دہر من گور[۴] کرو
دور خاکی تن کا چور کرو اے کرپا تم فی‌الفور کرو
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ا ، دیا
۲ ب ، او روشن دیپک میں پتنگ
۳ ا ، جو ڈونگر نکسی مہبل میں
۴ ا ، کہور

(۴۴)

ہے مارگ تن کی بہوت بیکٹ   دہر پگ واں تب نکورے ہٹ
بل چت کوں سنبھال گھٹ   ہے پنڈ انڈ برمانڈ میانے تٹ
جا تٹ او توڑ کر گرو کر مت   او درسن دے گا آؤ چاکھٹ[1]
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۴۵)

ارے جھوٹی موٹے بہٹے اتیت   سنگرو کی کچھ نہیں سیکھے ریت
ارے ایسے ہیں او جیسے بھیت[2]   پن من میں مایا بھرتے چیت[3]
ارے گیان سروپ سوں لاؤ میت   پھر گیانی ہو کر گاؤ گیت
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۴۶)

من گیان سروپ سوں لاؤ رے   تن مں کا مطلب پاؤ رے
پں سانچہ[4] گرو کں جاؤ رے   سب بھید ابھید سں آؤ رے
کہو کام دغا مت کھاؤ رے   میں تسکر ہوں او ساؤ رے
جژ پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۴۷)

پیر پادشاہ صاحب کئے نہال   سب بخشے اپنا منجے کمال
میں پایا دہں کا سہج وصال   ہوں اپنا عاشق آپے اتال
سب میں توں کا جھگڑا دیا نکال   ہو تراب رہنا اس چرنو پال[5]
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ب، گھنگٹ (گھونگٹ)
۲ ا، ارے اس میں اوچھ ہیںہیں یہ بھیت
۳ پن من میں مایا پر یہ چیت
۴ ب، ساچر
۵ ب، نال

(۴۸)

پیر پادشاہ صاحب بڑے ولی ہے دادا جن کے[1] امیں علی
جیوں خوشبو پھول کولی کھلی[2] یوں مشہور ہے او گلی گلی
سب تن کی کیلی وہاں کھلی اب بھی ذکر ہے خفی جلی
جو پیر چسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۴۹)

پیر بادشا صاحب اولیا میں اوس نے حال اور قال لیا
او حادی اپنا کرم کیا من بھایا میرے وہی پیا
میں درشن کا جو سرا[3] پیا تن من کا جھگڑا چوکا دیا
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۰)

جو غفلت میں دن کھوتا جے پھل ہاتھ بدی کے بوتا جے
نیں مایا سوں چت دھوتا جے پڑ سبتی میں کیوں سوتا جے
میں جس کے کارن روتا جے او امیں علی کا پوتا جے
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۱)

میں سپنے میں تھا تمام رات پی پادشاہ صاحب پکڑ کے ہات
کر ہشیار منجکوں کہے اے بات جو سمسکرت کی بنا نکات
سب عارف پاویں ذات صفات او قائم دائم میرے سات
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ب۰ کا
۲ ا۰ کلی کلی
۳ ب۰ شراب

(۵۲)

ارے پیستم بخشے پیالا رے ہوں پیالے سوں متوالا رے
غل[1] گیان سروپ کا ڈالا رے پیئو دیکھت میرا چالا رے
آ بتلا نقطہ کالا رے او صاحب سب سوں اعلا[2] رے

جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۳)

ارے سنکلپ ویکلپ بتلائے ہور اینگلا پنگلا دیکھلائے
ہور اوتپتی[3] سب سمجھائے او موکشو توم کی رہ پائے
ناک کرما کر کر سکلائے دیو دت دھنچہ بسرائے[4]

جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۴)

پڑ گیان سروپ ہور گیان پکڑ سٹ کارن دئے عرفان پکڑ
ٹک انسانی کا نشان پکڑ ہے گیانی تو کچھ دھیان پکڑ
مت مولا دھاری استھان پکڑ دھر ایچھا[5] من میں آن پکڑ

جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۵)

اے گیان سروپ جو بولا ہوں سب موتی اس میں رولا ہوں
جیوں چاول کنکر ڈھولا ہوں ہور بھید آ بھید سب کھولا ہوں
پر بالک بالا بھولا ہوں گن سترا جیؤ کے تولا ہوں

جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ا و ب، گل
۲ ب۰ حالا
۳ ا، اوڈ پتی
۴ اس شعر کی صحیح قراءت نہ ہو سکی
۵ ا و ب۰ بیچھا

(۵۶)

اب یارو طرفہ سنو نقل ہے کرناٹک میں ترنا مل
بل مشہور جس کا ہے دیول او دیول کا دیو ارناچل
اوس ارناچل کوں مار کھندل او بخشیا واں کا منجے عمل
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۷)

ہے ترنامل میں میرا مقام او ارناچل ہے کٹھون غلام
سب دیوتا[1] میں ہے بڑا ہو رام ترمورت منجہ آ کریں سلام
سُت ویکھری واچہ اپس تمام رکھہ دھیان گرو کا ہی مدام
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۸)

گن تن ہور من کا کہیا تراب ہے ہندی بھاکا سبھی کتاب
کیوں پانا گرو بن اسے شتاب ہے ایہی پردہ بڑا حجاب[2]
او پرتھم بُد کی پلا شراب پھر درشن دیتا اوچا نقاب[3]
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

(۵۹)

اے گیان سروپ سب ہوا تمام بل گیان سروپ اوس راکھا نام[4]
ستگرو سوں دیکھو اسے مدام ترلوک کا سارا کہا مقام
میں عینِ علی کا صحیح غلام منج رات ہور دن سب ایہی کام
جو پیر حسینی پیارا ہے
اے تراب اوس بلہارا ہے

---

۱ ب ، دیوان
۲ نسخہ الف میں یہ شعر نہیں ہے
۳ نسخہ الف میں یہ شعر نہیں ہے
۴ نسخہ الف میں یہ بند نہیں ہے

جاوید ششٹ

مُلا وجہی پر سرقہ کا الزام غلط اور بے بنیاد ہے

بابائے اُردو مولوی عبدالحق سے لے کر ڈاکٹر نورالسعید اختر تک سبھی نے ملا اسداللہ وجہی پر یہ الزام لگایا ہے کہ « سب رس » (۱۰۴۵ھ) کا قصہ انہوں نے فتاحی کے قصہ « حسن و دل » سے اڑایا ہے۔ مثلاً بابائے اردو مرحوم رقم طراز ہیں:

« وجہی نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا کہ یہ قصہ اسے کہاں سے ملا۔ دیباچہ پڑھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اسی کی ایجاد ہے اور اس کے دماغ کی اُپج ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ یہ پرلطف داستان سب سے پہلے محمد یحیٰی ابن سیبک فتاحی نیشا پوری نے لکھی۔ ۔ ۔ ۔

گو ملا وجہی نے قصے کی اصل کی طرف کہیں اشارہ نہیں کیا مگر دونوں کتابوں کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وجہی نے قصے کی واردات حرف بہ حروف فتاحی سے لی ہے۔ اپنی طرف سے کوئی اضافہ کیا ہے تو یہ کہ جا بجا، موقع بے موقع، پند و موعظت کا دفتر کھول دیا ہے، جس کا اصل کتاب میں نام و نشان نہیں۔ ۔ ۔ ۔

اس نے سارا قصہ شروع سے آخر تک فتاحی سے لیا اور کہیں اس کا اقرار نہیں کیا اور یہ نہیں بلکہ تحریر کا اسلوب بھی اسی سے اڑایا ہے۔ یہ مانا کہ وہ فارسی میں ہے اور یہ دکنی میں۔ ایسی حالت میں اخلاقی فرض اور انصاف جس کی تلقین وجہی نے اس طمطراق سے کی ہے کہاں باقی رہا۔ وہ کس منہ سے توقع کرسکتا ہے کہ آئندہ اس راستے پر چلنے والے اسے موجد مانیں گے، اس کی تقلید کرنے والے اسے استاد سمجھیں گے۔ یہ تو وہی مثل ہوگئی کہ دیگران را نصیحت خود را فضیحت »

[مقدمۂ سب رس ص ۶ ، ص ۱۰ ، ص ۳۶]

جناب جاوید وششٹ صاحب، صدر شعبہ اردو، دلی کالج، دہلی؛ رکن نصابی کمیٹی، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی، مرتب قصۂ حسن و دل

ڈاکٹر نور السعید اختر نے بھی کم و بیش اسی خیال کا اعادہ کیا ہے۔ مثلاً

> وجہی نے سب رس کے قصے کے ماخذ پر کہیں بھی روشنی نہیں ڈالی ، گو کہ یہ چیز وجہی کی علمی و ادبی استطاعت کے پیش نظر معیوب نظر آتی ہے۔ لیکن وجہی کی اس پردہ داری کو ادبی سیاست کے ہتھکنڈوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ملا وجہی کو دربار کے حریفوں سے سامنا کرنا تھا ۔ غواصی[1] جیسے نوجوان اور ابھرتے ہوئے شاعر

۱۔ عبد اللہ قطب شاہ کے عہد میں جب ملا وجہی نے سب رس تصنیف کی تو ملا غواصی ایک نوجوان ابھرتا ہوا شاعر نہیں تھا بلکہ وجہی کی طرح بزرگ اور پختہ کار شاعر تھا ۔ قصیدہ در مدح عبد اللہ قطب شاہ ۳ میں خود غواصی رقمطراز ہے :

> اس ضعیفی ہور پیری وقت پر اے دستگیر، مہرباں ہو کچ ہمن دونوں کی جمعیت کے باب

(کلیات غواصی مرتبہ پروفیسر محمد بن عمر، ص ۴۱)

غواصی عہد محمدقلی میں اپنے عنفوان شباب میں تھا اور اس کی شاعرانہ ترنگوں اور کمال فن کی اُٹھان کے باعث وجہی باوجود اپنی بزرگی اور شاہی سرپرستی کے اس سے رشک و حسد کرنے لگا تھا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ۱۰۱۸ھ - ۱۶۰۹ع میں اس پر قطب مشتری میں بہت چوٹیں کی ہیں ۔ اس کے علاوہ شاہی دربار سے بھی اس کو دور رکھنے کی کوشش کی ہوگی ۔ کوئی تعجب نہیں کہ محمد قلی قطب شاہ کو اس سے بدظن کرا دیا گیا ہو ۔ اس لئے کہ غواصی کے دیوان میں کئی غزلیں ایسی ملتی ہیں جو محمد قلی کی غزلوں کی ہم طرح ہیں اور ایک غزل میں تو مصرعہ کے مصرعہ لڑگئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غواصی نے بادشاہ کی غزل کے جواب میں غزلیں لکھنے کی جرات کی تھی اور یہ ہمت اسی وقت پیدا ہوسکتی تھی جبکہ شاہی قدردانی سے ناامیدی ہوگئی ہو اور بادشاہ کی حضوری سے محرومی کا یقین ہو۔

« چنانچہ سیف الملوک و بدیع الجمال اس دور (محمد قطب شاہ) میں لکھی گئی اور اس کے بعض نسخوں میں سنہ تالیف ۱۰۲۵ھ - ۱۶۱۶ع یا ۱۰۲۷ھ - ۱۶۱۸ع درج ہے وہ غلط نہیں ہے ۔ اس میں بادشاہ وقت کی مدح میں جو شعر ہیں ان میں سلطان محمد قطب شاہ ہی کا نام درج ہے۔ چنانچہ ایک مخطوطۂ سالارجنگ میں یہ شعر موجود ہے :

> سو سلطان محمد قطب شاہ گنبھیر   جگ آدھار ہے ہور جگ دستگیر

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدح محض تکمیل ضابطہ کے لئے لکھی گئی تھی اور سلطان محمد قطب شاہ کی افتاد طبع کے پیش نظر غواصی نے یہ کتاب اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

کے سامنے انھیں ایک لاثانی شاہکار پیش کرنا تھا۔ اس راز داری کے پس پردہ کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی سعی ناکام کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے جو وجہی کو محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں حاصل تھا۔ وجہی نے بہت کم رد و بدل کے ساتھ محمد یحیٰی سیبک فتاحی کی دستور عشاق کو پیش نظر رکھ کر دکھنی اردو (نثر) میں سب رس ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اردو کے نثری قصۂ حسن و دل پر مبنی سب رس پہلی اور آخری تخلیق شمار کی جا سکتی ہے۔»

[«قصۂ حسن و دل مختلف زبانوں میں» شیرازہ، سری نگر، جلد ۸، شمارہ ۲، ص ۴۶]

اس «اعتراض مسلسل» کی روایت کا جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ دکنی ادب کی تاریخ کے اس عظیم ادبی معرکے کا تجزیہ کیا جائے جو «معرکۂ ملا وجہی و غواصی» کے نام سے مشہور ہے اور جس کا آغاز عہد محمد قلی میں ہوا

کی خدمت میں پیش ہی نہیں کی۔ مگر اس بادشاہ کی یکایک وفات اور جوان مرگی کے باعث اس کو موقع مل گیا تھا کہ مدح کے اشعار بدل دے اور محمد قطب شاہ کی جگہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کا نام داخل کردے۔ چنانچہ تبدیل کردہ شعر یہ ہیں:

جو سلطان عبد اللہ آفاق گیر — سو لکھن شہنشاہ گردوں سریر
چندا چودواں خسروی بُرج کا — امولک رتن حُسن کے درج کا
سکل بادشاہاں میں اس کا ہے ناؤں — اس قطب کا قطب تارا ہے چھاؤں

«مثنوی سیف الملوک کے عہد سلطان محمد شاہ میں لکھے جانے کا ثبوت برٹش میوزیم کے نسخہ کی اس بیت سے بھی ملتا ہے جس میں تاریخ تصنیف اس طرح لکھی ہے:

برس یک ہزار ہور پنج بیاس میں — کیا ختم یہ نظم دن تیس میں

اس میں قافیہ بھی ٹھیک بیٹھتا ہے اور ایک نسخے میں سنہ تالیف اس طرح چھپا ہے:

برس یک ہزار ہور ستاویس میں — کیا ختم یو نظم دن تیس میں

ان تمام اختلافات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیف الملوک و بدیع الجمال در اصل عہد سلطان محمد میں لکھی گئی مگر سلطان عبد اللہ کی تخت نشینی کے بعد ابیات میں رد و بدل کرکے دربار میں پیش اور مقبول ہوئی۔»

(علی گڑھ۔ تاریخ ادب اردو جلد اول، ص ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷)

مندرجہ بالا اقتباسات سے بھی ڈاکٹر نورالسعید اختر کے خیال کی تردید ہوتی ہے۔

تمام اس کیا دیس بارا منے — سنہ ایک ہزار ہور اٹھارا بنے
۱۲ — ۱۰۱۸

اور عبداللہ قطب شاہ کے زمانے تک جاری رہا ۔ اس معرکہ کا « شری گنیش » محمد قلی کی وفات سے دو سال قبل ۱۶۰۹ء میں ہوا جب ملا وجہی نے دکنی اردو کی پہلی طبع زاد مثنوی (قطب مشتری) صرف بارہ دن[1] میں لکھ ڈالی ۔ اس مثنوی میں وجہی نے تعلی کے دریا بہا دئیے اور غواصی پر چوٹیں بھی کیں ۔ مثلاً

اگر غوطے لک برس غواص کھانے — تو یک گوہر اس دھات امولک نہ پائے
یو موتی نہیں وو جو غواص پائیں — یو موتی نہیں وو جو کسر ہات آئیں
غواصاں کتے غوطے کھا کھائے کر — مُوئے ہیں سو اس سمد میں آئے کر

تعلی کا رنگ بھی ملاحظہ کیجئے :

نہ پنچے نہ پنچیا ہے گن گیان میں — سو طوطی منج ایسا ہندوستان میں
جتے شاعراں شاعر ہو آئیں گے — سو منج تے طرز شعر کا پائیں گے
دکھن میں جو دکھنی مٹھی بات کا — ادا نیں کیا کوئی اس دھات کا
یو بولیا ہوں سب گنج نا رنج ہے — اجھوں میرے دل میں بہوت گنج ہے
جو لک برس کوئی سرلیوے رنج کوں — نہ پاویں کدھیں اس چھپے گنج کوں
ہوا جیئو جب شعر یو بولنے — خزینے لگیا غیب کے کھولنے
رتن یو اتھے دل کیرے کھان میں — وہاں تے لے آیا ہوں دکان میں
گہر یو مرے یوں لگے جھمکنے — کہ پانی ہونے موتی سیپاں منے

. . . .

وجیہی ترا ذہن جیوں برق ہے — تجے ہور بعضیاں میں اتی فرق ہے
ترا شعر سن دل پگلتا ہے یوں — کہ پانی تے اہلوج گلتا ہے جیوں

توں وجہی کھیا شعر کی دھات کا
ہوا زیاست تج تے مزا بات کا[2]

ملا غواصی نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا :

مرا گیان عجب شکرستان ہے — جو اس تھے مٹھا سب ہندوستان ہے
جتے ہیں جو طوطی ہندوستان کے — بھکاری ہیں منج شکرستان کے
شکر کھا مرے شکرستان تھے — مٹھے بول اوٹھے اپس گیان تھے[3]

---

۱ تمام اس کیا دیس بارا منے — سنہ ایک ہزار ہور اٹھارا منے
(بارا = ۱۲ ، ایک ہزار ہور اٹھارا = ۱۰۱۸ ھ)

۲ قطب مشتری : در شرح شعر گوید ص ۱۵ تا ۱۸

۳ سیف الملوک و بدیع الجمال (۱۰۳۵ ھ) مرتبہ میر سعادت علی رضوی ص ۱۳، ۱۵ تا ۱۷

ملا غواصی نے بھی تعلی کا جواب تعلی سے دیا۔

تعریف سخن:

بچن کے سمند کا ہوں غواص میں　　دھرنہار ہوں موتیاں خاص میں

در حسب حال خود گوید:

مرا دل خزینہ جوں معمور ہے　　بچن کے جواہر سے بھرپور ہے

. . . .

اُچایا طرز ایک تازا مٹھا　　جگت بیچ پاڑیا آواز مٹھا
دیا تازگی شعر کی دھات کوں　　سحر کر دکھایا ہر یک بات کوں
لطافت منے میں سخن سنج ہوں　　دھرنہار لک غیب کے گنج ہوں
جو میں ہم سوں طبع آزمائی کروں　　تو ساریاں اوپر پیشوائی کروں
کہوں تازے مضمون یک تل منے　　کہ بے حد اُبلتے ہیں مجھ دل منے
ہنر کی گوی کا سو میں باگ ہوں　　بچن کے اُتم گنج کا ناگ ہوں
سکے کون ملنے میرے طور میں　　کہ رستم ہوں میں آج کے دور میں
عطارد سو ہے کلک مجھ ہات کا　　دوات ہے سو میرا چندر رات کا
گگن ساتو دفتر مرے شعر کے
ستارے سو جوہر مرے شعر کے

در مدح اشعار خود گوید:

عزیزاں کنے جم یو مقبول ہیں،　　حسوداں کی انکھیاں منے دھول ہیں

. . . .

کوئی اس بات کوں لاف جانو نکو　　بُرے ہور بُرا دل میں مانو نکو!
کہ جس کے صدف میں رتن صاف ہے　　کرے لاف اگر ان تو انصاف ہے
سخن پروراں یک تے یک ہیں زیاد　　ولے اور ہے منج زباں کا سواد
یو افسانہ جو عیب تھے دور ہے
سلاست کے اسمان کا سور ہے[۱]

غرض تعلی کی یہ لے اتنی تیز ہوگئی کہ اس نے «رجزخوانی» کا سا رنگ و آہنگ اختیار کر لیا۔

۱　طوطی نامہ (۱۰۴۹ھ) مرتبہ سعادت علی رضوی ص ۲۸۵ - ۲۸۴

محمد قلی قطب شاہ کی وفات (۱۶۱۱ء) کے ساتھ ہی ملا وجہی کا زوال شروع ہوگیا ، یہاں تک کہ دور محمد قطب شاہ میں وہ بالکل گوشہ نشین ہو کر رہ گیا . مفلسی کی وجہ سے شوق « شاہد بازی »[1] اور ذوق « شراب نوشی »[2] سے بھی محروم رہا اور پندرہ برس تک گوشۂ گمنامی میں پڑا رہا . لیکن غواصی جو دور محمد قلی میں وجہی سے زک اٹھا چکا تھا ، زیادہ چوکس اور چوکنا ہوگیا تھا . اس نے مثنوی « سیف الملوک و بدیع الجمال » کو مکمل کیا اور محمد قطب شاہ کی وفات کے فوراً بعد جب عبداللہ قطب شاہ بارہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا تو اس نے تھوڑے سے رد و بدل کے بعد اسی مثنوی کو سلطان عبداللہ کے حضور میں پیش کر دیا اور اسی روز وہ ملک الشعراء بھی بن گیا . لیکن جب اس نے عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں قصیدہ کہا تو اس میں ملا وجہی کا بھی ذکر کیا جو بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غواصی وجہی کی عظمت کا اعتراف کر رہا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس نے ملاوجہی پر بڑا تیکھا وار کیا ہے کیونکہ اسے اپنے عروج اور وجہی کے زوال کا شدید احساس تھا . اس لئے کہتا ہے :

اس دکھن کے شاعراں میں تج شہنشاہ کے نزیک
ہے غواصی ہور وجیہی شاعر حاضر جواب

. . .

گرچہ بے سامان ہیں ہور مفلس یک بہتیک ولے
ہے بچن پر اک ہمارا بے بدل دُر خوشاب
اس ضعیفی ہور پیری وقت پر اے دستگیر
مہرباں ہو کچ ہمن دونوں کی جمعیت کے باب
رات دن تیری دعا میں ہور ثنا میں ہیں مدام
پر دعا تھے ہے دعا اول ہمارا مستجاب
جس وضا سوں توں رکھیا ہے اس وضا رہتے ہیں خوش
ہیں ترے ذرے ہمیں توں سو ہمارا آفتاب[3]

---

۱ پادشاہ جہاں مفلسیم خاک ہم نیست در خزانۂ ما
شرمندۂ بتانم ازین بی زری وجیہ کس حال من بہ شاہ دکن گفت یا نگفت؟
۲ زخوف شاہ درین شہر بادہ پیدا نیست بہ بنگ میل کنم یا بہ کوکنار، کدام؟
۳ قصیدہ در مدح عبداللہ قطب شاہ نمبر۳، کلیات غواصی مرتبہ پروفیسر محمد بن عمر ص ۴۱ - ۴۰

لیکن اس کے باوجود کلیات غواصی میں جابجا اس قسم کے اشعار بھی ملتے ہیں :

طوطیاں سب ہند کی رغبت کریں تیوں آج خوش
شکرستاں ہو غواصی شکر افشانی کیا[1]

زمانے آج کے کہتا خلق غواصی کوں
یوں بے بدل ہے بچن موتیاں پرونے میں[2]

قصیدہ ہور غزل کہنے کے فن میں دیکھتا ہوں تو
غواصی میں ظہیر فاریابی کی نشانی ہے

غرض گولکنڈہ کے عظیم شاعر و نثرنگار ملا اسداللہ وجہی کو غواصی کے مقابلے میں «درباری محاذ» پر شکست فاش ہوئی ، مگر «ادبی محاذ» پر وہ ناقابل تسخیر ہی رہا . غواصی نے ملک الشعراء بننے کے لئے کیا کیا نہ جتن کئے ہوں گے ، یہاں تک کہ وہ شاہی سفارت[4] کی خدمات بھی انجام دینے لگا . میں اسے غواصی کے «درباری یا سیاسی محاذ» کی ہی کامیابی سمجھتا ہوں . اور ملا نظام الدین احمد کا «حدیقة السلاطین»[5] میں غواصی کا ذکر تعریف و توصیف کے ساتھ کرنا اور وجہی کو صرف «شاعر دکنی» لکھنا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ملا غواصی شاہ وقت کے مزاج میں کس قدر دخیل تھا جبکہ ملا وجہی دربار سے دورافتادہ تھا . ملا غواصی کے درباری اقتدار سے قطب شاہی مؤرخ بخوبی واقف تھا .

اس درباری شکست کا شدید رد عمل یہ ہوا کہ ملا وجہی کی «مجروح انانیت» بڑی شدت سے ابھری لیکن اس نے بڑی چابکدستی سے تعلی کے ذریعہ اسے آسودہ کرلیا . اس طرح وجہی نے قدیم اردو نثر میں تعلی کا ایک نیا ریکارڈ قائم کردیا . مثلاً

«در زینت سخن و در نام کتاب گوید

یو قدرت اللہ ہے ، یو اسرار اللہ ہے ، یو ہاتف اللہ ہے . لا الہ الا اللہ ،

یو عجب کتاب ہے سبحان اللہ ! اس کتاب کا ناؤں سب رس ، سب کو

---

۱ کلیات غواصی (غزلیات) ص ۱۰۹

۲ کلیات غواصی ص ۱۳۴

۳ کلیات غواصی ص ۱۵۹

۴ «جس زمانے میں وجہی کو یہ حکم دیا گیا اس وقت یعنی ۱۰۴۵ ھ / ۱۶۳۶ ع میں ملا غواصی بیجاپور بحیثیت سفیر گیا ہوا تھا» . (علی گڑھ تاریخ ادب اردو، ص ۲۸۸)

۵ «ملا غواصی کہ در شعر دکھنی از امثال خود ممتاز است این کلمہ را مادۂ تاریخی ساخت : محفوظ باد (سنہ ۱۰۴۱ ہجری ، ۱۶۳۲ ع) » «تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است : آفتاب از آفتاب آمد پدید»

پڑھنے آوے ہوس ۰ ۰ ۰ بہوتیچ لذیذ، عاشقاں کے گلے کا تعویذ ۰ ۰ ۰
یو کتاب عاشقاں کا جیو صاحب، معشوقاں کا یار مصاحب۔ کیا واسطہ
کہ یو کتاب نہیں، یو تمام وحی ہے الہام ہے ... یو کتاب گنج العرش،
بحر المعانی ہے ... اس کتاب کوں وو سمجیگا جو کوئی صاحب راز
ہے۔ یو کتاب تمام اعجاز ہے ... جیتے چو ساراں جیتے فہم داراں جیتے
گُن کاراں ہوئے سن آج لگن کوئی اس جہان میں، ہندوستان میں،
ہندی زبان سوں، اس لطافت اس چھنداں سوں نظم ہور نثر ملاکر،
گلاکر یوں نیں بولیا ... غرض بہوت نادر نادر باتاں بولیا ہوں، دریا
ہوکر موتیاں رولیا ہوں۔ موتیاں کی موجاں کا میں دریا ہوں تمام
موتیاں سوں بھریا ہوں ... فرہاد ہوکر، دونوں جہاں تے آزاد ہوکر،
دانش کے تیشے سوں پہاڑاں الٹایا ہوں تو یو شیریں پایا ہوں ۰ ۰ ۰
جکوئی اُچایا بنیاد، اول آخر وہی استاد۔ یو عجب نظم ہور نثر ہے،
جانو بہشت میں کا قصر ہے۔ سطر سطر پر برستا ہے نور، ہر یک
بول ہے یک حور۔»[1]

اس طرح «ادبی محاذ» پر ایک غیرفانی نثری شاہکار پیش کرکے ناقابل تسخیر وجہی نے اپنے حریف سے اپنا لوہا منوا لیا۔

غرض اس معرکے کے پس‌منظر میں سرقہ کی یہ روایت خاصی کمزور معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ جہاں مثلاً غواصی سے کم و بیش تیس برس تک معرکے رہے ہوں وہاں وجہی[2] کو سرقہ کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ حریف فوراً گرفت کرسکتا تھا۔ اس کے علاوہ وجہی بڑی شد و مد سے اپنی استادی کا دعویٰ کرتا ہے۔ چور یہ جسارت نہیں کرسکتا بلکہ وجہی کو «سب رس» کی نوک پلک سنوارتے وقت بھی اپنے حریف کی موجودگی کا برابر احساس رہتا ہے۔ وجہی کہتا ہے:

«اس دریا میں غوطہ کھائیں گے تو جاگا جاگا کے غواصاں موتیاں پائیں گے۔»

بابائے اردو مرحوم کی تحقیق کے مطابق قصۂ حسن و دل کا مصنف فتاحی نیشاپوری تھا۔ لیکن جدید تحقیق نے یہ انکشاف کیا ہے کہ قصۂ حسن و دل سنسکرت

---

۱ دیباچۂ سب رس از ملا وجہی، ص ۹ تا ۱۴

۲ قصۂ حسن و دل مرتبہ جاوید وششٹ ص ۱۵

الاصل ہے۔[1] اس کا خالق گیارہویں صدی عیسوی کا ایک ہندوستانی برہمن کرشن مشر ہے۔ کرشن مشر مگدھ (بہار) کے راجہ کیرتی ورما کے مصاحبوں میں سے تھا۔ چیدی (بندیل کھنڈ) کے راجہ کرن دیو نے کیرتی ورما پر حملہ کیا اور اسے شکست دی۔ کیرتی ورما جان بچاکر اپنے ایک نمک خوار گوپال کے پاس چلا گیا۔ گوپال کی مدد سے کرن دیو پر کیرتی ورما نے سنہ ۱۰۶۵ع میں چڑھائی کی اور اپنے علاقے پر دوبارہ قابض ہوگیا۔ کرشن مشر، کیرتی ورما کا ہمعصر تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں بلا تأمل کہا جا سکتا ہے کہ کرشن مشر نے اپنا بےمثال ڈرامہ «پربودھ چندرودے» ۶۵-۱۰۵۰ع کے آس پاس قلم بند کیا۔ سنسکرت کے قدیم ادب میں کرشن مشر کی پربودھ چندرودے کو اہم مقام حاصل ہے۔ سنہ ۱۹۳۶ع تک یہ ڈرامہ کئی بار شائع ہوا۔ کرشن مشر کی تصنیف کو بےحد مقبولیت حاصل ہوئی۔ مختلف ادب کے ادیبوں اور شاعروں نے اس قصے کا ترجمہ کرنا شروع کیا اور بقول دیوی سنگھ چوہان:

> «پربودھ چندرودے ناٹک کا اثر ہندوستان، ایشیا میں ایران و ترکستان ملکوں اور انگلینڈ پر بھی پڑا۔ گجراتی ادب پر پربودھ چندرودے کے اثرات قدیم ترین نظر آتے ہیں»

مختلف زبانوں میں قصۂ حسن و دل کی طویل فہرست ہے، میں یہاں صرف ایک مختصر سا خاکہ پیش کرتا ہوں، کرشن مشر سے ملا وجہی تک ملاحظہ کیجئے:

زبان	سن تصنیف	زمانے کا فرق	نام مصنف	نام کتاب
سنسکرت	۱۰۵۱ تقریباً	اصل قصہ	کرشن مشر	پربودھ چندرودے
گجراتی	۱۳۵۸ع	اصل قصے کے تقریباً ۳۵۸سال بعد	جن پربھاچاریہ	بھویہ چرت
فارسی (ایران)	۱۴۳۶ع	« « ۴۳۶؟ « «	فتاحی	۱۔ مثنوی دستور عشاق ۲۔ حسن و دل (نثر) ۱۴۳۹ع ۳۔ شبستان خیال (نثر)
ترکی	۱۵۱۷ع	« « ۵۱۷ « «	والی	حسن و دل
فارسی (ہند)	۱۵۵۸ع	« « ۵۸۵ « «	مولانا صلاح الدین حرفی	مثنوی حسن و دل
دکھنی اردو	۱۶۳۵ع	« « ۶۳۵ « «	مُلا وجہی	سب رس[2]

[1] «پربودھ چندرودے اور دستور عاشق» از دیوی سنگھ چوہان، مراٹھی ساہتیہ پتریکا، اپریل ۱۹۶۹ع بحوالۂ «قصۂ حسن و دل مختلف زبانوں میں» از ڈاکٹر نورالسعید اختر، شیرازہ، ص۵۳

[2] ماخوذ از شیرازہ، ص ۵۷-۵۶

مزے کی بات یہ ہے کہ ملا وجہی کی طرح فتاحی نے بھی اپنی تینوں تصانیف میں جو قصۂ حسن و دل پر مبنی ہیں، کہیں بھی قصہ کے ماخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ فتاحی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اس نے اس تمثیلی پیرایۂ بیان کی خوشہ چینی کس ادب سے کی ہے۔ البتہ فتاحی نے حقیقت کی طرف عارفانہ پردہ داری کے ساتھ خفیف سا اشارہ کردیا ہے۔ دستور عشاق میں فتاحی کا اشارہ اپنے «پیرِ والا» کی طرف اس طرح ہے:

به مشرق ره نمودش پیر والا — ز پستی دست قدرش ساخت بالا
نظر از خاک مشرق شد طربناک — که هست اشراق نورعزت از خاک

ان اشعار سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا «پیرِ والا» مشرق کا باشندہ ہے لیکن واضح طور پر اس کا نام کہیں نہیں ملتا۔ فتاحی کا یہ اشارہ بلاشبہ کرشن مشر کی طرف ہے جو اس قصے کا خالق ہے اور فتاحی نے دستور عشاق کی تکمیل میں اس کی تصنیف پربودھ چندرودے سے استفادہ کیا ہے۔[۱]

اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا فتاحی نے بھی سرقہ کیا تھا؟ اگر آج بابائے اردو مرحوم حیات ہوتے تو یقیناً فتاحی سے سخت ناراض ہوتے اور ممکن ہے ملا وجہی کو معاف کردیتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرقہ کا الزام نہ فتاحی پر عائد ہوتا ہے اور نہ ملا وجہی پر اور نہ ہی مختلف زبانوں کے دوسرے ادباء وشعراء پر جنھوں نے قصۂ حسن و دل کو اپنے اپنے انداز سے پیش کیا ہے، کیونکہ قصۂ حسن و دل اس طویل مدت میں ایک لوک کتھا کی حیثیت اختیار کرچکا تھا، اور مختلف ادبیات اور مختلف ممالک میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ رائج ہوچکا تھا جسے فتاحی نے کرشن مشر سے تقریباً ۴۲۶ سال بعد فارسی میں اور ملا وجہی نے ۶۲۵ برس بعد دکھنی اردو میں پیش کیا تھا

ملا وجہی سے سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی فرمایش میں بھی کہ

«انسان کے وجودیچہ میں کچھ عشق کا بیان کرنا، اپنا ناؤں عیاں کرنا، کچھ نشان دھرنا۔»[۲]

اسی لوک کتھا کی طرف ایک مبہم سا اشارہ ملتا ہے۔ دیباچۂ سب رس میں ملا وجہی کے مندرجۂ ذیل جملے بھی بڑے معنی خیز ہیں:

---

۱ شیرازہ، ص ۵۳-۵۲
۲ قصۂ حسن و دل، ص ۱۰۹

« اِتا نوی باٹ پاڑیا ، گاڑیا سو گنج کاڑیا . کچھ نیں تھا سو لیایا ، باٹ دکھلایا . »[۱]

« گاڑیا سو گنج کاڑیا » سے صاف ظاہر ہے کہ قصۂ حسن و دل کا وجود تو تھا مگر ایک دفینے کی صورت میں تھا جسے وجہی نے کھود کر نکالا . « کچھ نیں تھا » بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ قصۂ حسن و دل کی کوئی ادبی حیثیت (دکنی ادب میں) نہیں تھی ، صرف ایک لوک کتھا تھی وجہی نے اسے ایک ادبی شاہکار کا درجہ بخشا . اور یہی وجہ ہے کہ وجہی[۲] نے قصۂ حسن و دل کو لوک کتھا کا ہی لب و لہجہ اور روپ دیا ہے . یہ لب و لہجہ ملاحظہ کیجیے :

«ایسے میں یوں ہوا خدا کا فرمان ، حسن کے تن میں بھوتیچ تلملنے لگیا پران »

یا «القصہ کہ جس وقت توبہ غمزے کے لشکر تی شکست کھایا ، سو بدن کے شہر کے ادھر روانہ ہوکر عقل کنے آیا . »

یا « بلند عقل دل کا اُجالا ، بھوتیچ خوب بھوتیچ آلا . یو بات سمجایا ، یہی قصہ کتے تھے سو آیا . »

غرض حمد ہی سے سب رس کا انداز بیان کچھ ایسا ہوتا ہے جیسے ملا وجہی قطب شاہی دربار سے نکل کر کسی چوراہے پر بیٹھا عام لوگوں کو ان ہی کے لب و لہجہ میں ایک عشقیہ داستان سنا رہا ہو . اس عوامی چوراہے کی دو مانگیں ہیں ، ایک « پند و نصیحت » اور دوسری « جنس » . دونوں متضاد تقاضوں کا سنگم ہے . سب رس اور ملا وجہی ان دونوں تقاضوں کو کما حقہ پورا کرتے ہیں .

وجہی کی فن کارانہ حسن کاری میں ایک لطیف جنسی جذبہ کی آمیزش ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں ایک کھنکتا ہوا سنگیت ہے ، ترنم ہے . زبان و بیان کا یہ ترنم بھی سب رس کو لوک کتھا کے بہت قریب لے جاتا ہے . قصۂ حسن و دل میں وجہی کی دو غزلوں کے علاوہ ہندی دوہرے ، فارسی اور اردو اشعار کی تعداد (۲۴۶) ہے . یہ اشعار بھی نوٹنکی کے طرز کے ہیں .[۳] خان رشید صاحب ان اشعار سے متعلق رقمطراز ہیں :

« سب رس میں جتنے اشعار استعمال کئے گئے ہیں ان میں سے ایک بھی

---

۱ قصۂ حسن و دل ، ص ۱۱۵
۲ ایضاً ، ص ۱۵
۳ ایضاً ، ص ۱۸

قطب مشتری سے متعلق نہیں حالانکہ موضوع کی مناسبت سے خیالات کی
توضیح کے لیے جہاں جہاں اشعار پیش کئے گئے وہاں مثنوی قطب مشتری
کے متعلقہ اشعار کہیں زیادہ موزوں اور برمحل ہوتے "[1]

مگر خان رشید نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ قطب مشتری کے ادبی اشعار سب رس کی عوامی فضا میں اتنے نہیں کھپ سکتے تھے جتنے موجودہ سیدھے سادے اور صاف اشعار۔ وجہی کی دو غزلیں جو سب رس میں موجود ہیں وہ ان جملہ اشعار سے زیادہ حسین ہیں۔ لیکن وجہی قصہ کے دوران موقع و محل کے مطابق داستان کی فضا کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے عوامی لب و لہجہ میں فی البدیہہ شعر کہتا ہے۔ مثلاً حمد میں ہی ایک شعر ہے:

دھنی جو دھرتی دھریا اور بھی دھرے سو ہوئے
کسی کے کرنے تے کیا ہوئے خدا کرے سو ہوئے

اب اس شعر کی جگہ قطب مشتری کا کوئی شعر رکھئے تو سب رس کے مزاج اور ماحول میں اَن مل اور بے جوڑ ہوکر رہ جائے گا۔ سب رس کو اس کی زبان و بیان، اس کی موسیقی، عوامی لب و لہجہ اور تُک بندی نے لوک کتھا اور نوٹنکی کا سا رنگ و آہنگ دے دیا ہے۔ اس کے بعض اشعار ملاحظہ کیجیے:

سب کسی کوں خدا مراد دیوے — اس کی محنت کی اس کوں داد دیوے
پرائے شہر میں ہرگز خدا کسے نہ لے جائے — اگر ہزار بولاہے ہی تو اس کوں کون پتیائے

اگر کوئی مرد ہے یا استری ہے — دنیا میں سب دغا بازی بھری ہے
عجب چالے بھری ہیں عورتاں یو — نہ جانو کاں تی سکھیاں حکمتاں یو
ہر ایک کام اول اعتبار کر کرنا — جو کام کرتے اسے ٹک بچار کر کرنا
دل کوں اپنے اُچاٹ خوب نہیں — گھر میں دائم کچاٹ خوب نہیں

غرض ان اشعار میں سیدھی سادی تُک بندی ہے، شاعرانہ فن کاری نہیں ہے۔ وجہی نے عمداً سب رس کو لوک کتھا کے رنگ میں پیش کیا ہے اس لیے میری رائے میں سب رس لوک کتھا اور نوٹنکی کے زیادہ قریب ہے۔ اسے ایک ادبی لوک کتھا کہا جاسکتا ہے۔

---

۱ اردو کی تین مثنویاں از خان رشید، ص ۱۴۲

ان حقائق کی روشنی میں، میں بلاخوف تردید سرقہ کی اس روایت کو غلط اور بے بنیاد قرار دیتا ہوں اور ملا اسد اللہ وجہی کو حق بجانب سمجھتا ہوں جب وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ

«.... دانش کے باغ میں آیا، بہار ہوکر پھولاں کھلایا. اگر کوئی کوڑ ہور جہالت سوں، بداصالت سوں، رزالت سوں، بات کرے نا سمج یو مایا، تو خدا بی اس جاگا حضرت جیسے کوں کہتا ہے کہ کوڑاں ہیں مجہول، نامعقول مردود نا قبول سُن یا رسول. اول کے پیغمبراں کوں بی یے آیت اُتری تھی اس وصول کہ وَ إذَا خَاطَبَہُمُ الجاہلونَ قالوا سَلاماً یعنی اگر کوڑاں کا یو فام ہے تو کوڑاں کو ہمارا سلام ہے.»[1]

---

۱ قصۂ حسن و دل، ص ۱۱۳ - ۱۱۲

*احمر لاری

حسرت موہانی بحیثیت تذکرہ نگار

(دوسری قسط)

— ۲ —

تذکروں میں نمونۂ کلام کے علاوہ تین اجزا ہوتے ہیں: (۱) شاعر کی زندگی (۲) شاعر کی شخصیت (۳) شاعر کے کلام پر تنقید۔ حسرت کی تذکرہ نگاری کے فنی جائزہ کے لیے انھیں اجزا کو بنیاد بنانا ہوگا۔

حسرت نے قدیم شعرا کے حالات زندگی میں عموماً ایجاز و اختصار کو پیش نظر رکھا ہے، مگر اساتذہ اور مشہور شعرا کے حالات زندگی نسبتہً تفصیل سے لکھے ہیں۔ انھوں نے سنہ پیدایش اور سنہ وفات کے تعیّن کی طرف خاص توجہ کی ہے، اور اکثر و بیشتر اہم واقعات کے سنین بھی دئیے ہیں۔ جہاں وہ کسی وجہ سے سنین نہیں دے سکے ہیں وہاں ایسے واقعات کا ذکر ضرور کردیا ہے جن سے سنین کے تعیّن میں آسانی ہو۔ حسرت نے شعرا کے ذکر میں ان کے معاصرین کا بھی ذکر کیا ہے، اور رشتۂ استادی و شاگردی پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے نمونہ کے طور پر چند شعرا کے حالات ذیل میں درج ہیں:

«آبرو: ـ میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک، متوطن گوالیار، نبیرۂ حضرت محمد غوث گوالیاری۔ ابتدائے عمر میں گوالیار سے دہلی چلے آئے تھے۔ بقول مصحفی کچھ دنوں نارنول میں بھی رہے تھے۔ محمد شاہ رنگیلے کی حکومت کا زمانہ اور سراج الدین علی خاں آرزو کی شاعری کا دور دورہ تھا۔ آبرو بھی انھیں کے شاگرد ہوئے، اور بجائے خود استاد کامل قرار پائے۔

---

* ڈاکٹر نور العین احمر لاری، ام۔ اے؛ پی اچ ڈی؛ استاد شعبۂ اردو، گورکھپور یونیورسٹی، گورکھپور (یوپی)

ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی ۔»[1]

«حاتم :۔ . . . اس باکمال کے فیض سخن سے مرزا رفیع السودا، محمد امان نثار، بقاءاللہ خاں بقا، سعادت یار خاں رنگین، میر محمدی بیدار، مکند لال فارغ اور ان کے علاوہ اور بہت سے طالبان فن مستفیض ہو کر خود ارباب کمال بن گئے۔ دیوان زادہ میں ایسے ۴۵ شاگردوں کی فہرست موجود ہے۔ معاصرین شاہ حاتم میں شاہ مبارک آبرو، میر شرف الدین مضمون۔ مرزا مظہر جان جاناں، شیخ احسن اللہ احسن، میر شاکر ناجی، غلام مصطفے یکرنگ اور بہت سے اساتذۂ سخن موجود تھے۔ لیکن ان کا شوق سخن گوئی صرف تقاضائے طبیعت کی بنا پر تھا ۔ اب ظہور الدین شاہ حاتم کا حال سنیے کہ ۱۱۱۱ ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۲۹ میں شاعری شروع کی۔ ولی کے انداز پر کلیات اردو جمع کیا۔ لیکن ۱۱۶۹ھ میں محض اصلاح زبان کی غرض سے اپنے اس مجموعۂ عزیز سے دیوان زادہ انتخاب کر کے دیوان حاتم کو بالکل فراموش کردیا . . . .»[2]

حسرت نے خاندان مومن و نسیم دہلوی کے شعرا نیز اپنے معاصر شعرا کے حالات زندگی زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ چند ایسے شعرا کے حالات زندگی بھی ملاحظہ کیجیے :

« گستاخ رامپوری : (۱۸۶۶ تا ۱۹۱۴ع) کرامت اللہ خاں نام، گستاخ تخلص، خلف عبداللہ خاں مرحوم۔ رامپور کے ایک مشہور اور با اثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جنرل عظیم الدین خاں کے واقعۂ قتل میں آپ کے والد کی نسبت بھی سازش کا شبہ کیا گیا جس کا نتیجہ خود ان کی اور ان کے کل خاندان کی بربادی کی صورت میں نمودار ہوا۔ مگر حسن اتفاق کا کرشمہ دیکھیے، صرف یہی نہیں ہوا کہ اس وقت کرامت اللہ خاں مرحوم حکومت کی داروگیر سے بچے رہے بلکہ بعد میں بدگمانیوں کے رفع ہونے پر والیء رامپور کی نوازشِ خاص سے بھی بہرہ اندوز ہوئے۔

« اردو، فارسی کی رسمی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے ملازمت کو ذریعۂ معاش بنایا سلسلۂ ملازمت کی ابتدا رامپور سے ہوئی۔ مگر بعد میں

---

۱ اردوے معلی، فروری تا جون ۱۹۳۱ ع، ص ۳
۲ ایضاً، اکتوبر ۱۹۰۳ ع، ص ۱

حکومت انگریزی کے محکمۂ جیل میں جگہ مل گئی، جہاں آخر وقت تک داروغگی جیل کی خدمت ادا کرتے رہے۔ چنانچہ راقم حروف کو پہلے پہل جب آپ سے ۱۹۰۲ ع میں نیاز حاصل ہوا تو آپ علیگڑھ جیل کے داروغہ تھے۔ علی گڑھ کے بعد ایٹہ، اناؤ، سلطان پور وغیرہ مختلف اضلاع میں بڑی کامیابی اور نیک نامی کے ساتھ جیلری کی۔ ارادہ یہ تھا کہ وطن میں قیام کرکے باقی حصۂ عمر نواب صاحب بہادر رامپور کے خسروانہ مراحم و الطاف کی بدولت بآسانی و آرام بسر کریں گے، مگر افسوس ہے کہ عمر نے وفا نہ کی اور بہ مرض استسقا ۵۰ سال کی عمر میں بمقام دہلی انتقال کیا۔ . . . »

« گستاخ کی تصنیف سے ان کی غزلوں اور چند قصیدوں کے سوا اور کچھ دستیاب نہیں ہوا۔ غزلیں بھی نہایت ابتر اور بے ترتیب حالت میں ملیں۔ . . . شاعری میں گستاخ مرحوم منشی امیر احمد مینائی کے شاگرد تھے۔ . . . . »[1]

«اشرف: ۔ شیخ اشرف علی نام، اشرف تخلص، مرزا نسیم مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ . . . توابع لکھنؤ سے مصطفےٰ آباد عرف کسمنڈی ایک چھوٹا سا مقام ہے، ایسا کہ قصبے کا بھی اطلاق اس پر بہ مشکل ہوسکتا ہے۔ . . . اشرف کے والد شیخ مظہر علی یہیں کے باشندے تھے، لیکن بہ استثنائے طفلی، اشرف کا زیادہ حصۂ عمر لکھنو میں بسر ہوا اور وہیں ۱۹۰۳ ع میں انتقال فرمایا۔ . . دائرۂ علم ان کا وسیع نہ تھا، لیکن اردو شاعری کی ضرورتوں کے لیے کافی تھا۔ اول درجے کے خوشنویس تھے۔ چنانچہ اس بنا پر ۴ برس تک آپ کو منشی نولکشور کے مطبع سے تعلق رہا . . . اشرف کے دو دیوان مکمل و مرتب مدت سے موجود تھے، لیکن اپنے خلقی انکسار کی بنا پر انہوں نے کبھی ان کی اشاعت کی اجازت نہ دی۔ . . . . »[2]

حسرت نے قدیم شعرا کی شخصیت نگاری میں بھی اختصار سے کام لیا ہے، مگر اختصار کے باوجود چند لفظوں میں ہی انہوں نے ان شعرا کے جیتے جاگتے

---

۱ اردوئے معلی، اپریل ۱۹۲۵ ع۔ ص ۱ تا ۳

۲ حسرت موہانی، انتخاب دیوان اشرف، مقدمہ، ص ۲ و ۴

مرقع پیش کردئیے ہیں خاندان مومن و نسیم دہلوی کے شعرا و نیز معاصر شعرا کی شخصیت نگاری میں حسرت نے طویل تذکروں کا انداز اپنایا ہے اور ان کی شخصیت کے ہر پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ شخصیت نگاری کے چند مرقع دیکھیے :

جرأت : « جرأت حریف ، ظریف ، خوش طبع ، عاشق مزاج تھے ۔ لطیفہ مزاجی اور خوش طبعی کی بدولت ان کا یہ حال تھا کہ گھر میں رہنے نہ پاتے تھے آج ایک امیر کے ہاں ہیں ، دوسرے دن دوسرے امیر آئے ، سوار کیا اور ساتھ لے گئے ۔ اس ضمن میں ایک بیگم صاحبہ نے از راہ قدردانی انہیں مہمان کیا اور رفتہ رفتہ یہاں تک بےتکلفی بڑھی کہ پردہ تک اُٹھا دیا ۔ جرأت کے کلام میں حسن و عشق کے جن معاملات کا طلسم باندھا گیا ہے ، اس کو اسی قسم کی پُرلطف صحبتوں کا نتیجہ سمجھنا چاہیے ۔ ان کی بےبصری کے باب میں بھی یہی مشہور ہے کہ نظارۂ حسن کی غرض سے آنکھوں کی معذوری کا بہانہ کیا تھا ۔ دراصل ایسے نہ تھے ۔ واللہ اعلم »[1]

تسلیم : « استقلال مزاج اور پابندیء وضع میں مرحوم یکتائے روزگار تھے خلیق اس درجہ کہ آپ سے جو شخص ایک بار بھی ملا وہ ہمیشہ کے لئے آپ کے حسن خلق اور خوش مزاجی کا گرویدہ ہو گیا ۔ کبر اور اہل کبر دونوں سے نفرت تھی اسلام کی پابندیوں میں مثل کوہ قائم و ثابت ۔ بعد نماز صبح و ظہر بلاناغہ دو مرتبہ تلاوت قرآن و کثرت درود شریف لازمی ۔ دوران علالت میں بھی نماز اور وظیفہ کبھی ترک نہیں کیا ۔ یہاں تک کہ شدت مرض اور عالم بےہوشی میں بھی زبان پر آیات قرآنی جاری رہتی تھیں ۔ اور آخر حصۂ عمر میں تو آٹھ پہر درود شریف اور وظائف کا شغل رہتا تھا ۔ مروت مزاج میں اس قدر تھی کہ اپنے اوپر ہر قسم کی تکلیف گوارا کر لیتے تھے ، مگر کسی شاگرد یا دوست کی دل شکنی منظور نہ فرماتے تھے ۔ ... مرجوم اپنے شاگردوں کو بھی بر بنائے کمال خلق و کسر نفسی اپنا دوست سمجھا کرتے تھے ۔ راقم حروف کے ساتھ جب بھی حاضری کا اتفاق ہوا ، آپ نے خلوص و محبت کا ایسا برتاؤ کیا جس کی یاد دل

۱　حسرت موہانی ، انتخاب دیوان جرأت ، مقدمہ ، ص ۴

سے کبھی محو نہ ہوگی۔ اپنے ہاتھ سے چائے بناکر پلانا اور جب تک میں خود رخصت ہوکر نہ چلا آؤں برابر مخاطب رہ کر گفتگوئے شعر و سخن میں مصروف رہنا، آپ کے حسن اخلاق کی ادنیٰ مثالیں ہیں . . طبیعت آپ کی یہاں تک مرنجان مرنج واقع ہوئی تھی کہ مدۃ العمر میں آپ سے کسی ہمعصر شاعر سے کبھی کسی قسم کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ وضع کے اس درجہ پابند تھے کہ جس سے جس قسم کا برتاؤ تھا آخر تک ویسا ہی قائم رہا۔ . . . انکسار آپ کے مزاج میں یہاں تک غالب تھا کہ باوجود کمال ہمیشہ اپنے آپ کو ہیچمداں سمجھا . . . »[1]

— ۸ —

حسرت کے تذکرے کا سب سے اہم حصہ اس کی تنقید ہے۔ اکثر شعرا کے حالات زندگی میں حسرت نے بیجا اختصار سے کام لیا ہے۔ بعض شعرا کی شخصیت کی تصویرکشی بھی نہیں کی ہے۔ مگر ہر شاعر کے کلام پر تنقیدی رائے کا اظہار ضرور کیا ہے شاعر کی زندگی اور شخصیت سے زیادہ انھوں نے شاعر کے کلام پر توجہ کی ہے۔ اس باب میں وہ میر کے ہمنوا ہیں۔

حسرت کی تنقید کا انداز قدیم تذکروں کی طرح مشرقی ہے۔ مشرقی طرز تنقید میں زبان اور اسلوب بیان کو اہمیت حاصل ہے یہ بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے کہ حسرت سے قبل حالی «مقدمۂ شعر و شاعری» کے ذریعہ مغربی طرز تنقید کو اردو میں روشناس کرا چکے تھے۔ خود حسرت نے بی اے تک تعلیم پائی تھی اور انگریزی زبان و ادب کے توسط سے مغربی طرز تنقید تک ان کی رسائی تھی اس کے باوجود انھوں نے اپنے تذکرے میں مشرقی طرز تنقید کو اپنایا اور شعرا کے کلام پر اپنی رایوں کے اظہار میں زیادہ تر زبان اور اسلوب بیان ہی کو پیش نظر رکھا۔ مندرجۂ ذیل اقتباسات سے حسرت کی تنقید کی ماہیت واضح ہو جائے گی:

قائم :۔ «قائم حالانکہ سودا کے شاگرد ہیں لیکن بعض موقعوں پر زبان کے اعتبار سے ان کا زمانہ سودا کے زمانے سے بھی قدیم معلوم ہوتا ہے . . . . یہ غزلیں بیان کے مقابلے میں زبان کی جانب سے بے پروائی کا ثبوت دیتی ہیں اور وہ شاہ حاتم کے ہم عصر معلوم ہوتے ہیں . . . عام طور

1 اردوے معلیٰ، جولائی ۱۹۱۱ع، ص ۸ تا ۱۰

پر قائم کا کلام سادہ ہے اور پُراثر؛ صاف ہے اور بے تکلف؛ اور بحیثیت مجموعی میر کی چھوٹی بحر کی غزلوں سے بہت کچھ مشابہ ہے۔۔۔۔[1]

نسیم دہلوی :۔ «دلفریبیء خیال اور رنگینیء بیان شاعری کے دو خاص جوہر نسیم کو مومن خاں سے بحیثیت میراث استاد حاصل ہوئے تھے، جن کو انھوں نے بہ اضافۂ تجدید زبان خوب سے خوب تر بنا کر دنیائے شاعری میں اس آن بان کے ساتھ پیش کیا کہ لکھنو کے لفظ پرستوں نے بھی داد دی اور اظہار پسندیدگی سے باز نہ رہ سکے۔ لکھنو کی زبان اور دہلی کے بیان کی پسندیدہ اور معتدل ترکیب کا جلوہ جیسا مرزا نسیم کی شاعری میں نظر آتا ہے اس کی مثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتی، اور یہیں سے ہے کہ ہم نسیم کی منتخب غزلوں کو اردو شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہیں۔»[2]

وفا رامپوری :۔ الفاظ کی رنگینی، تراکیب کی خوبی، مضمون کی نزاکت اور معنی کی دشواری کو کلام وفا کی خصوصیات میں سمجھنا چاہیے۔ ان کی شاعری سوقیانہ مذاق اور عامیانہ مضامین سے بالکل پاک ہے، اور متانت مضمون اور بلندیء خیال کے لحاظ سے بھی ہر آئینہ ستائش کی مستحق ہے۔۔۔۔ صرف دشوار پسندی کا ایک عیب البتہ ایسا ہے جس سے کبھی کبھی ان کے شعر کی کل اور خوبیاں بیکار ہوجاتی ہیں۔۔۔۔۔»[3]

حسرت کی تنقیدی رائیں بڑی جنچی تلی ہوتی ہیں۔ اس بات کی وضاحت کے بعد کہ شاعر کو کس صنف سخن پر قدرت حاصل ہے، وہ شاعر کے کلام کی ان خصوصیات کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو اسے دوسرے شعرا سے ممیز کرتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی نظر زبان و بیان کی خصوصیات پر ہی زیادہ پڑتی ہے، مگر وہ معنوی خصوصیات کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ الفاظ کے حسن و قبح سے گذرکر ان کی نظر معنوی خوبیوں اور خامیوں تک بھی جاتی ہے۔ جرأت کی کی شاعری کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

---

۱ اردوئے معلی، جنوری ۱۹۰۴ع، ص ۲ اور ۳
۲ ایضاً، جنوری ۱۹۰۷ع، ص ۵
۳ ایضاً، مارچ ۱۹۲۵ع، ص ۶۰۵

« جرأت کا کلام سادگیء زبان کے ساتھ حسن و عشق کے معاملات سے لبریز ہے ۔ مگر کیسا عشق ؟ جس کو ہوس پرستی کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا ۔ تاہم اس سے ان کے کمال سخن میں کوئی نقص نہیں پیدا ہوسکتا ۔ . . . جن جذبات کی تصویر جرأت نے کھینچی ہے ان کے حیوانی اور نفسانی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ، لیکن چونکہ تصویر بالکل صحیح کھینچی گئی ہے اس لیے اہل نظر اس کے حسن کی ستایش پر مجبور ہوجاتے ہیں »[۱]

حسرت نے اپنی تنقیدوں میں استادی اور شاگردی کے رشتے کو بڑی اہمیت دی ہے ۔ خاندانِ مومن و نسیم دہلوی کے شعرا کے ذکر میں خاص طور سے انہوں نے شاگرد کے کلام میں استاد کے رنگِ سخن کی نشاندہی کی ہے اور ان اثرات کو واضح کیا ہے جو رشتۂ تلمذ کے سبب ان کے کلام پر مرتب ہوئے ۔ دوسرے شعرا کے باب میں بھی انہوں نے اکثر و بیشتر اس اصول کو برتا ہے چند مثالیں میرے اس قول کی تائید کریں گی :

قائم :۔ « دیکھنا کہ ان اشعار میں قائم کے قدیمی رنگ درد کی موجودگی کے علاوہ شوکت الفاظ کی کیفیت بھی نمودار ہے اور یہ سودا کی شاعری کا اثر ہے »[۲]

شگفتہ :۔ « نسیم کا شاگرد ، مومن کے سلسلۂ شاعری سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس لیے دیکھ لیجیے کہ انہیں دونوں کا رنگ شگفتہ کے تمام اشعار میں نمودار ہے ۔ « ناز باہم » ۔ « شب تمنا » خاندان مومن کی ترکیبیں ہیں »[۳]

اشرف :۔ « جوش کرم » اور « کاہش پیہم » خاص خاندان مومن کی ترکیبیں ہیں ، اور یہ وہی خصوصیت ہے جس کا ذکر کئی بار کیا جاچکا ہے کہ جن شاعروں کو مومن کے سلسلۂ شاعری سے تعلق ہوتا ہے وہ اپنے خاندانی طرز سخن کی پیروی کو اپنے لیے موجب افتخار سمجھتے ہیں اور اس کا اعلانیہ اظہار کرتے ہیں »[۴]

---

۱ حسرت موہانی انتخاب دیوان جرأت ، مقدمہ ، ص ۴

۲ اردوے معلی ، جنوری ۱۹۰۴ ع ، ص ۷ و ۸

۳ ایضاً ، اگست ۱۹۰۴ ع ، ص ۲

۴ حسرت موہانی ، انتخاب دیوان اشرف ، مقدمہ ، ص ۵

— ۹ —

حسرت کے تذکرے میں شاعر کے حالات زندگی ، شخصیت اور تنقید کے علاوہ بھی بہت کچھ ملتا ہے ۔ اکثر شعرا کے ذکر میں انھوں نے ایسے واقعات بھی قلمبند کیے ہیں جن سے اس دور کے سیاسی ، سماجی اور ادبی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ قدیم تذکرہ نگاروں کے یہاں بھی یہ روایت ملتی ہے ۔ حسرت نے اس روایت کو پروان چڑھایا ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے :

شگفتہ :۔ « مقطع اس خلوص پاک کی یادگار ہے جو کسی زمانے میں اہل ہنود و اہل اسلام کے جملہ تعلقات میں بدرجۂ اتم موجود تھا ۔ آہ! وہ بھی کیا زمانہ تھا جبکہ اول اول جعفر علی حسرت سرب سنگھ دیوانہ کے سامنے زانوے ادب تہ کرتے تھے ۔ یا جبکہ آخر آخر خیراتی لال شگفتہ مرزا نسیم مرحوم کی غزل کی تخمیس کا عنوان اس طور پر قائم کرتے تھے : «تخمیس بر غزل جناب قبلہ و کعبہ ، پیر و مرشد برحق نواب مرزا اصغرعلی خاں نسیم دہلوی ، استاد بندہ ۔ »[۱]

اشرف :۔ « اس موقع پر منشی نولکشور کی قدردانیء اہل کمال کا ذکر نہ کرنا ظلم صریح ہوگا ، یعنی اس لئے کہ سلطنت اودھ کے آخر وقت میں اور اس کے بعد بھی مروت اور شرافت کا جیسا برتاؤ خصوصاً بعض شعراے وقت کے ساتھ آپ سے ظاہر ہوا اس کی بہت کم مثالیں ملیں گی ۔ مالی اعانت کرنا اور پھر اس طور پر کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو ، یہاں تک کہ جس کی مدد کی جائے اسے بھی اظہار احسان مندی کی ضرورت نہ محسوس ہو ، آسان کام نہیں ۔ لیکن منشی نولکشور نے ایسا ہی کیا »[۲]

تسلیم :۔ « ۱۲۳۵ ھ میں فرنگیوں کی جانب سے شاہان دہلی کا وقار گھٹانے کے لئے نواب غازی الدین حیدر کو بادشاہ اودھ کا خطاب دیا گیا »[۳]

حسرت نے انتخاب کلام میں بھی تنقیدی شعور کا ثبوت دیا ہے ۔ انھوں نے شعرا کے محض اچھے اشعار کا انتخاب نہیں کیا بلکہ جہاں کہیں انھوں نے شاعر کی

۱　اردوے معلی ، اگست ۱۹۰۴ع ، ص ۴
۲　حسرت موہانی ، انتخاب دیوان اشرف ، مقدمہ ، ص ۳ اور ۴
۳　اردوے معلی ، جولائی ۱۹۱۱ ع ، ص ۳

کسی خامی کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں مثال کے طور پر اس قسم کے اشعار بھی دئے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر و بیشتر انھوں نے خصوصیات کلام کے لحاظ سے مختلف عنوانات قائم کرکے کلام کا انتخاب پیش کیا ہے۔ مثلاً گستاخ رامپوری کے کلام کا انتخاب انھوں نے تین عنوانات یعنی (۱) شوخیِ کلام (۲) تازگیِ مضمون و ندرت بیان اور (۳) سادگیِ بیان و صفائیِ محاورہ کے تحت کیا ہے۔[1] اس طرح قاری کو شاعر کی خصوصیات کلام کو سمجھنے اور حسرت کی تنقیدی رایوں کو پرکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

— ۱۰ —

حسرت نے اپنے تذکرے میں جو اسلوب تحریر اپنایا ہے وہ علمی تخلیقات کے لئے نہایت موزوں ہے۔ وہ محمد حسین آزاد کی طرح الفاظ کے «طوطا مینا» نہیں اڑاتے اور نہ عبارت آرائی کو اپنا مطمح نظر قرار دیتے ہیں آزاد حسین اور رنگین الفاظ کے حسن میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ اصل مقصد سے دور جاپڑتے ہیں۔ حسرت اس کے برعکس صاف، سلیس اور رواں عبارت میں ادائگی مضمون کے قائل ہیں۔ ابوالکلام آزاد کی نثر پر گرویدہ ہونے کے باوجود وہ رنگینیٔ عبارت، تشبیہات و استعارات اور شوکت الفاظ پر مضمون کو قربان نہیں کرتے۔ اس کے باوجود حسرت کی طرز تحریر خشک اور بےجان نہیں۔ اس میں سلاست کے ساتھ ادبیت بھی ہے اور شگفتگی بھی۔ لیکن یہ شگفتگی محض الفاظ کی مرہون منت نہیں بلکہ لفظ و معنی کے حسین امتزاج سے وجود میں آتی ہے۔ حسرت کی تحریر کے بہت سے نمونے اوپر درج ہو چکے ہیں، پھر بھی یہاں ایک اقتباس اور پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

> «لیکن شاہ حاتم کے دعوۓ اصلاح کی ہم تو اس قدر سختی کے ساتھ تنقید جائز نہیں۔ اس زمانہ کو خیال کرو کہ اردو شاعری کی ابتدا تھی۔ کوئی حد مقرر نہ تھی کوئی قاعدہ معین نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو اس کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کون کرتا۔ یہ سب باتیں تو اس وقت کی ہیں جب کہ اردو شاعری تکمیل کو پہنچ گئی ہے اور اس کا اہل صاحب فنِ لطیف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اُن دنوں یہ رتبہ فارسی کو حاصل تھا۔ ... انصاف کی بات یہ ہے کہ اردو کے اس زمانۂ کم وقعتی میں اس کی جانب شاہ حاتم کی اتنی توجہ بھی دلدادگانِ سخن کی جانب سے ہزاروں سپاس گزاریوں کی مستحق ہے۔ نام مقصد نہ تھا، کیونکہ ناموری ممکن نہ تھی، یعنی اس لئے کہ اردو شاعری اس وقت فنونِ لطیفہ کے

---

۱ ایضاً، اپریل ۱۹۲۵ع، ص ۴ اور ۵

زمرہ میں داخل نہیں ہوئی تھی. نظر بریں حالات اصلاحِ زبانِ اردو کے معاملے میں شاہ حاتم کا میلانِ خاطر ہی ان کے فضل و تقدم کے لئے کافی تھا. پھر یہاں تو حقیقتِ حال ان کی عملی کوششوں کا بھی ثبوت دیتی ہے.»[1]

— ۱۱ —

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے تذکروں کی موجودگی میں حسرت کے تذکرہ کی (اگر اسے مرتب کرکے شائع کردیا جائے) کیا اہمیت ہے؟ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حسرت اپنے تذکرے کو قاموس کی شکل میں مرتب کرنا چاہتے تھے. اس لئے انہوں نے تقریباً تمام دستیاب تذکروں سے مدد لی، حتیٰ کہ انہوں نے اشعار کے انتخاب تک میں پرانے تذکروں سے مدد لی. مثلاً شاہ مبارک آبرو کے اشعار تذکرۂ میر تقی میر، تذکرۂ قائم، تذکرۂ شاہ کمال، تذکرۂ میر حسن، گلشن ہند اور طبقات شعرائے ہند سے لئے ہیں.[2] اس طرح حسرت کا تذکرہ اس ضرورت کو ایک حد تک پورا کرتا ہے جس کی طرف ڈاکٹر سید عبد اللہ نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے: «اگر اردو شعرا کی ایک عمدہ بیاگرافیکل سائیکلوپیڈیا تیار کرلی جائے جس میں ان سب تذکروں کا لب لباب ہو تو یقیناً ایک بہت بڑی خدمت ہوگی.»[3]

دوسرے یہ کہ حسرت نے اپنے تذکرے میں کماحقہ تحقیق کا حق ادا کیا ہے. انہوں نے تقریباً تمام دستیاب مواد سے استفادہ کیا ہے خود ان کے ذاتی کتب خانے میں شعرا کے تذکرے اور دواوین کے بڑے نادر نسخے تھے.[4] اس کے علاوہ انہوں نے علی گڑھ، رامپور، اعظم گڑھ، الہ آباد اور دوسری جگہ کی لائبریریوں کو بھی کھنگالا تھا اس طرح انہوں نے شعرا کے حالات بڑی چھان بین اور تحقیق و تلاش کے بعد لکھے ہیں.

تیسرے یہ کہ حسرت کا تذکرہ خاندان مومن و نسیم کے شعرا نیز حسرت کے معاصر شعراء کے سلسلے میں ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے.

چوتھے یہ کہ یہ تذکرہ ایک اعلیٰ شاعر اور اچھے نقاد کی کاوش کا نتیجہ ہے. حسرت بیک وقت اعلی شاعر بھی تھے اور اچھے نقاد بھی. ان کی تالیف «نکات سخن» ان کی تنقیدی صلاحیتوں کی مظہر ہے. اس لئے شعرا کے کلام پر ان کی

---

۱ اردوئے معلی، اکتوبر ۱۹۰۳ع، ص ۲
۲ ایضاً، فروری تا جون ۱۹۳۱ع، ص ۳
۳ ڈاکٹر سید عبد اللہ، شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، ص ۱۰۹
۴ مولانا سید سلیمان ندوی، مقالہ حسرت کی سیاسی زندگی، «نگار» لکھنؤ، جنوری، فروری ۱۹۵۲ع، (حسرت نمبر)، ص ۱۱۲

تنقیدی رائیں محض قدیم تذکروں کی رایوں کا اعادہ نہیں بلکہ ان کی اپنی سوچی سمجھی رائیں ہیں جن سے ان کی تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے ۔

ان باتوں کو اگر ذہن میں رکھاجائے تو حسرت کے تذکرے کی اہمیت واضح ہوجائے گی ۔ اردو تذکروں کے آسمان پر اسے مہ کامل کا درجہ نہ حاصل ہو، لیکن ایک روشن ستارے کا درجہ ضرور حاصل ہوگا ۔

ضمیمہ الف

ان شعرا کی فہرست جن کا تذکرہ حسرت نے خود لکھا ہے :

۱ ۔ عیشی ، طالب علی خاں، مخزن ، لاہور ، جنوری ۱۹۰۱ ع (نیز اردوے معلیٰ ، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۰۶)
۲ ۔ منیر شکوہ آبادی ، محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین، علی گڑھ، جنوری ۱۹۰۲ع
۳ ۔ سالک دہلوی ، " " " " " اپریل "
۴ ۔ حاتم ، شاہ ، اردوے معلیٰ ، علی گڑھ اکتوبر ۱۹۰۳ ع
۵ ۔ سودا ، " " نومبر "
۶ ۔ بیدار ، میر محمدی " " دسمبر "
۷ ۔ قائم ، " " جنوری ۱۹۰۴ ع
۸ ۔ رنگین ، سعادت یارخاں " " فروری "
۹ ۔ شگفتہ ، خیراتی لال " " اگست "
۱۰ ۔ اشرف کسمنڈوی ، " " ستمبر "

(نیز مقدمۂ انتخاب دیوان اشرف مرتبہ حسرت موہانی [۱۹۱۳ ع] و اردوے معلیٰ ، کانپور، مئی و جون ۱۹۲۳ ع)

۱۱ ۔ شیفتہ ، اردوے معلیٰ ، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۰۴ ع (نیز مقدمۂ « دیوان شیفتہ کامل » مرتبہ حسرت موہانی [۱۹۰۶ع] و اردوے معلیٰ ، کانپور، جنوری ۱۹۳۳ ع)
۱۲ ۔ رند ، سید محمد خاں ، اردوے معلیٰ ، علی گڑھ ، نومبر ۱۹۰۴ ع
۱۳ ۔ حسرت دہلوی ، مقدمۂ « انتخاب دیوان حسرت » مرتبہ حسرت موہانی ، ۱۹۰۴ ع
۱۴ ۔ مومن ، اردوے معلیٰ ، علی گڑھ ، مئی ۱۹۰۵ ع
۱۵ ۔ مجروح ، میر مہدی ، " " اگست و ستمبر "
۱۶ ۔ غالب ، " " اکتوبر "

(نیز مقدمۂ « دیوان غالب مع شرح » مرتبہ حسرت موہانی [۱۹۰۵ ع] و تذکرۃ الشعرا ، حصۂ دوم ، جزو اول [جنوری ۱۹۱۶ع])

۱۷ ۔ سوز، میر، مقدمۂ « انتخاب دیوان سوز » مرتبہ حسرت موہانی (۱۹۰۵ ع)

۱۸ - قلق، آفتاب الدولہ،	اردوے معلی،	علی گڑھ،	جنوری	۱۹۰۶ ع
۱۹ - مصحفی،	«	«	جون	«
۲۰ - تنہا، محمد عیسیٰ (شاگرد مصحفی)،	«	«	جولائی	«
۲۱ - منظر « «	«	«	اگست	«
۲۲ - ازل لکھنوی،	«	«	نومبر	«
۲۳ - نسیم دہلوی،	«	«	جنوری	۱۹۰۷ ع
۲۴ - مظہر، جان جاناں،				
۲۵ - حزیں، میر محمد باقر				
۲۶ - شاعر، خواجہ کمال الدین،	شاگردان مظہر	«	فروری و مارچ	«
۲۷ - حسرت، میر محمد حیات،				
۲۸ - یقین، انعام اللہ خان،				
۲۹ - حسن، میر،	اردوے معلی،	علی گڑھ،	اپریل	۱۹۰۷ ع

(نیز مقدمۂ «انتخاب دیوان میر حسن» مرتبہ حسرت موہانی)

۳۰ - راسخ، عظیم آبادی،	اردوے معلی،	علی گڑھ،	مئی	۱۹۰۷ ع
۳۱ - شہیدی، کرامت علی،	«	«	جولائی	«
۳۲ - صبا، میر وزیر علی،	«	«	اگست	«
۳۳ - سحر لکھنوی،	«	«	ستمبر	«
۳۴ - ماہر، فخر الدین،	«	«	دسمبر	«
۳۵ - حبیب کنتوری،	«	«	جنوری	۱۹۰۸ ع
۳۶ - کیف لکھنوی،	«	«	اپریل	«
۳۷ - نصیر دہلوی، شاہ،	«	«	دسمبر	۱۹۰۹ ع
۳۸ - ظفر دہلوی،	«	«	جنوری	۱۹۱۰ ع
۳۹ - ذوق دہلوی،	«	«	فروری	«
۴۰ - مذاق بدایونی،	«	«	مارچ	«
۴۱ - نوا بدایونی،	«	«	اپریل	«
۴۲ - انور دہلوی،	«	«	مئی	«
۴۳ - تنویر دہلوی،	«	«	جون	؟

۴۴ - معروف دہلوی، « « جولائی «

۴۵ - لطف، مرزا علی، « « اگست «

۴۶ - مہر لکھنوی، عبد اللہ خاں، اردوے معلیٰ علی گڑھ، ستمبر و اکتوبر ۱۹۱۰ ع

۴۷ - عاشق لکھنوی، مرزا پچھو بیگ، « « نومبر «

(نیز مقدمۂ « مثنوی نیرنگ خیال » مرتبہ حسرت موہانی، اردوے معلیٰ، کانپور، اپریل تا نومبر ۱۹۳۲ ع

۴۸ - ناباں، عبد الحی، اردوے معلیٰ، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۱۰ ع

۴۹ - قلق دہلوی، حکیم غلام مولا، « « جنوری ۱۹۱۱ ع

۵۰ - نوح ناروی، « « فروری «

۵۱ - مذنب،
۵۲ - ناصر، سعادت خاں،
۵۳ - حسن دہلوی،
۵۴ - احسن، مرزا حسن علی،
۵۵ - رنگین لکھنوی،
۵۶ - اسد دہلوی، میر امانی،
۵۷ - مجذوب دہلوی،
۵۸ - نثار دہلوی، منشی سداسکھ،
۵۹ - راقم دہلوی،
۶۰ - معین بدایونی،

} شاگردان سودا « مارچ ۱۹۱۱ ع

۶۱ - مائل میر مہدی،
۶۲ - شوق، قدرت اللہ،
۶۳ - آشفتہ رامپوری،
۶۴ - کمال مانکپوری،
۶۵ - امیر، نواب محمد یارخاں،

} شاگردان قائم، اردوے معلیٰ، علی گڑھ، اپریل ۱۹۱۱ ع

۶۶ - آشفتہ دہلوی (شاگرد مائل)،

۶۷ - کرم رامپوری،
۶۸ - غفلت رامپوری،
۶۹ - طالب رامپوری،

} شاگردان شوق « « مئی ۱۹۱۱ ع

۷۰۔ ظہیر دہلوی،	اردوے معلی،	علی گڑھ،	جون	»
۷۱۔ تسلیم لکھنوی،	»	»	جولائی تا ستمبر	»
۷۲۔ شوق نیموی،	»	»	اکتوبر	»
۷۳۔ خیال، فخر الدین،	»	»	نومبر	»
۷۴۔ عرش گیاوی،	»	»	دسمبر	»
۷۵۔ حاذق رامپوری،	»	»	جنوری	۱۹۱۲ ع
۷۶۔ احسن مارہروی،	»	»	فروری، مارچ	»
۷۷۔ بیخود بدایونی،	»	»	اپریل	»
۷۸۔ نسیم بھرتپوری،	»	»	مئی	»
۷۹۔ حسن بریلوی،	»	»	جون	»
۸۰۔ صنعت مرادآبادی،	»	»	جولائی و اگست	»
۸۱۔ شعلہ، بنواری لال،	»	»	ستمبر	»
۸۲۔ بیباک شاہجہانپوری،	»	»	اکتوبر	»
۸۳۔ رونق ٹونکی،	»	»	نومبر	»
۸۴۔ رضی، قاضی محمد حسین،	»	»	دسمبر	»
۸۵۔ جرأت، مقدمۂ «انتخاب دیوان جرأت» مرتبہ حسرت موہانی				»
۸۶۔ تسکین، میر حسین،	اردوے معلی،	علی گڑھ،	جنوری	۱۹۱۳ ع
۸۷۔ ثاقب بدایونی، تذکرۃ الشعرا،	حصۂ اول،	جزو اول،	جولائی	۱۹۱۴ ع
۸۸۔ رسا، حیات بخش، «	»	»	»	»
۸۹۔ نثاردہلوی، محمد امان، «	»	جزو دوم	اکتوبر	»
۹۰۔ بقا، بقاء اللہ خاں، «	»	»	»	»
۹۱۔ مائل دہلوی، مرزامحمدتقی بیگ،	»	»	»	»
(نیز اردوے معلی، کانپور)،			ستمبر	۱۹۳۱ ع
۹۲۔ شبلی نعمانی،	تذکرۃ الشعراء،	حصۂ اول،	جزو چہارم۔ اپریل	۱۹۱۵ ع
۹۳۔ حالی،	»	»	جزو پنجم جولائی	»
۹۴۔ ثاقب اکبرآبادی،	»	»	» »	»

۹۵ ۔ مست بنارسی، « « « «

۹۶ ۔ گستاخ رامپوری، حصۂ دوم جزو دوم وسوم جولائی واگست ۱۹۱۹ ع

نیز اردوے معلی، کانپور، اپریل ۱۹۲۵ ع

۹۷ ۔ وفا رامپوری، « « مارچ «

۹۸ ۔ چکبست لکھنوی، « « اپریل، مئی، جون ۱۹۲۶ ع

۹۹ ۔ آباد عظیم آبادی، « « جنوری ۱۹۳۱ ع

۱۰۰ ۔ امجدی دکنی. « « « «

۱۰۱ ۔ ابر لکھنوی، پنڈت بشن نرائن در، « « ؟ ؟

۱۰۲ ۔ آبرو، شاہ مبارک، « « فروری تا جون «

۱۰۳ ۔ اثر عظیم آبادی، « « جولائی، اگست «

۱۰۴ ۔ نظم طباطبائی، « ؟ مئی و جون ۱۹۳۳ ع

ضمیمہ ب

ان شعرا کی فہرست جن کا تذکرہ حسرت نے دوسروں سے لکھوایا ہے:

۱ ۔ منشا، مرزا احمد
از سید علی سجاد عظیم آبادی، اردوے معلیٰ، علی گڑھ، جنوری ۱۹۰۵ع

۲ ۔ منیر شکوہ آبادی از مادھو
رام تاثیر اٹاوی « « فروری «

۳ ۔ عیش، شیخ فدا علی از مولوی
فدا حسین لکھنوی « « مارچ «

۴ ۔ بیان، احسن اللہ خان از مولوی
عبدالحق، بی. اے (بابائے اردو) « « دسمبر «

۵ ۔ حمد لکھنوی از وصل بلگرامی، « « مئی ۱۹۰۶ع

۶ ۔ حیرت، مولانا محمد سعید
از سید علی بیتاب عظیم آبادی، « « ستمبر «

۷ ۔ قدر بلگرامی از وصل بلگرامی، « « اکتوبر «

۸ ۔ کاہش جونپوری از ارادۃ الحق، « « جون ۱۹۰۷ ع

۹ ـ	نساخ، عبد الغفور خاں				
	از رضا علی وحشت کلکتوی ،	»	»	اکتوبر و نومبر	»
۱۰ ـ	شاکر، مولوی سید عبدالرزاق				
	از یکے از نامہ نگاران اردوے معلی،	»	»	دسمبر	۱۹۱۲ ع
۱۱ ـ	دلبر مارہروی از احسن مارہروی ،	»	»	فروری و مارچ	۱۹۱۳ ع
۱۲ ـ	طپش » » »	»	»	اپریل	»
۱۳ ـ	ہجر شاہجہانپوری از حضرت رسا ،	»	»	مئی و جون	»
۱۴ ـ	ذبیح چھپراموی از ذبیح (خودنوشت)	»	کانپور	مارچ	۱۹۲۶ ع
۱۵ ـ	شرف مجددی از شرف »	»	»	مئی و جون	۱۹۲۷ ع

(ختم)

*افسری افتخار بیگم

میر قمرالدین منّت

سلسلۂ نسب:

میر قمرالدین منت کا سلسلۂ نسب ددھیال کی طرف سے سید عبد اللہ مشہدی معروف بہ امام ناصرالدین سونی‌پتی تک پہنچتا ہے۔ ان کا شمار سونی‌پت کے بزرگوں میں ہوتا تھا۔ مزار بھی سونی‌پت ہی میں ہے۔ مصحفی اپنے تذکرہ عقـــد ثریا میں تحریر کرتے ہیں:

«اولاد سید عبد اللہ مشہدی کہ بہ امـام ناصر الدین سونی‌پتی شہرت دارد و در قصبۂ مذکور آسودہ است۔»[۱]

یہ خاندان مشہد سے تعلق رکھتا تھا۔ سونی‌پت میں اس کا کیسے آنا ہوا، اس پر تذکروں سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ امام ناصر الدین منت کے ددھیالی بزرگوں میں سے تھے۔ ممنون (منت کے لڑکے) کے کلیـات میں ان کے لئے قصیدہ موجود ہے۔ منت کا ننھیالی شجرہ سید جلال الدین بخاری بن سید عضد یزدی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ مبتلا تحریر کرتے ہیں کہ

« سلسلۂ نسب او از جانب اجداد مادری بہ سید جلال‌الدین بخاری رسد۔»[۲]

تـذکرۂ عشقی سے منت کے اس خاندان سے منسلک ہونے کے سلسلے میں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ سید جلال‌الدین بخاری کا تعلق نہ صرف شاہ عنایت اللہ رضوی کے خاندان سے تھا بلکہ شاہ ولی اللہ کے گھرانے سے بھی تھا جو ایک معنی میں ان کے ننھیالی عزیز بھی تھے۔

« واز جانب اجداد مادری بہ شاہ عنایت اللہ رضوی و سید جلال الدین بخاری و شاہ عبد العزیز چشتی می پیوندد۔»

نشتر عشق کے مصنف کے بیان سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ منت

---

۱ عقد ثریا، ص ۵۴
۲ گلشن سخن، ص ۲۳۰
۳ دو تذکرے، ص ۲۳۷
* افسری افتخار بیگم، ام۔اے؛ پی‌اچ ڈی

کا سلسلۂ نسب چودہ واسطوں سے سید جلال الدین بخاری تک پہنچتا ہے ۔

« نسب شریفش بہ چہاردہ واسطہ بہ سید جلال بن سید عضد یزدی رحمۃ اللہ علیہ میرسد » ۔[1]

ان بیانات کی تائید مزید صاحب فخر الطالبین کے اس بیان سے ہوتی ہے :

« امام ناصر الدین جن کا سونی پت میں مزار ہے ، یہ ان کی اولاد میں ہیں ۔ ان کی اولاد سید اسی قصبہ کی رہنے والی ہے ، اور ان کے مادری دادا شاہ عنایت اللہ قادری ہیں جو شاہ جہان آباد کے مشہور مرشدان میں ہیں اور جو شاہ ولی اللہ سے بھی قرابت قریبہ رکھتے ہیں ۔ »[2]

منت کے آبائی و مادری اجداد ان دونوں بزرگوں کے خاندان سے تھے ۔ حسب و نسب منت کے اعتبار سے تذکرہ نگاروں نے کہیں ان کو « سید عالی نسب » کہا ہے اور کہیں « سید صحیح النسب » ، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سادات کے خاندان عالی سے تھے ۔

تاریخ پیدایش :

منت کی تاریخ پیدایش یا زمانۂ ولادت کیا ہے اس کی طرف کسی تذکرہ میں کوئی واضح اشارہ نہیں ملتا ۔ کلب علی خاں فائق نے اپنے ایک مضمون (منت ، حیات اور شاعری) میں لکھا ہے کہ منت کی تاریخ ولادت بقول علی ابراہیم خاں سنہ ۱۱۵۶ ھجری ہے ۔ انہوں نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ۔ علی ابراہیم خاں کے تذکرہ میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی ۔

بعض دوسرے تذکروں کے مطالعہ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ منت کا انتقال سنہ ۱۲۰۸ ھجری میں انچاس سال کی عمر میں بہ مقام کلکتہ ہوا ۔

« در عمر چہل و نہ سالگی بہ تقریبات بعض امور وارد کلکتہ بود کہ در سنہ ۱۲۰۸ ھجری پیک اجل در رسید و در کربلاے آن جا مدفون گشت ۔ »[3]

شیفتہ کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے :

« بہ عمر چہل و نہ سال در کلکتہ بہ تقریبی گذارش افتادہ بود ۔ داعیٔ

---

۱ نشتر عشق ، حاشیۂ دستور الفصاحت ، ص ۹۰

۲ فخر الطالبین ، ص ۶۸ و ۶۹

۳ حاشیۂ دستور الفصاحت ، نشتر عشق ، ص ۶۵۹ الف ۔

اجل را لبیک اجابت گفت . وکان ذالک فی سنة ثمان ومائتین بعد الألف »[1]

مصحفی نے ان تذکروں کے مقابلہ میں ان کی تاریخ وفات سنہ ۱۲۰۷ ھجری درج کی ہے جو اس مصرع سے نکلتی ہے :

منت کجا و زمزمۂ شاعریء او[2]

مصنف گلشن ہند نے منت کے انتقال کے ضمن میں اس سفر کلکتہ کا ذکر کیا ہے جو مرزا حسن رضا خاں اور مہاراجہ ٹیکٹ رائے کو سنہ ۱۲۰۶ ھجری[3] میں پیش آیا تھا جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک منت کا انتقال سنہ ۱۲۰۶ ھجری یا اس کے کچھ بعد ہوا . لیکن یہ صحیح نہیں . واقعہ یہ ہے کہ وہ سفارت جس کا ذکر صاحب گلشن ہند نے کیا ہے بقول مصنف (تاریخ اودھ) ناکام ہوگئی تھی . اس سلسلہ میں دوبارہ سفر سنہ ۱۲۰۷ ھجری میں پیش آیا[4] جس میں منت بھی ان حضرات کے ساتھ تھے اور اسی سفر کے دوران سنہ ۱۲۰۸ ھجری کے اوائل میں انہوں نے داعیء اجل کو لبیک کہا .

اس بارۂ خاص میں ممنون کی روایت جو ان کے قطعۂ تاریخ وفات میں ملتی ہے ، خصوصاً اہم ہے . اس سے اگر ایک طرف اس کی تائید ہوتی ہے کہ ان کا سال انتقال سنہ ۱۲۰۸ ھجری ہے تو دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ وفات کے وقت ان کی عمر انچاس کی بجائے پچاس برس کی تھی :

ولادت کو خورشید والا سے دیکھ
کواکب سن عمر رحلت غروب[5]

(خورشید والا) سے سنہ ۱۱۵۸ ھ اور (غروب) سے سنہ ۱۲۰۸ ھ نکلتے ہیں . سنین ھجری کے اعتبار سے یہی اعداد ان کے زمانۂ ولادت اور سال وفات کو ظاہر کرتے ہیں .

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ممنون کے اس بیان کو دوسروں کی روایت کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ منت کے لڑکے تھے .

---

۱ گلشن بے خار ، ص ۱۹۳
۲ تذکرۂ ہندی ، ص ۲۳۰
۳ اس کا حوالہ آگے منت کے سفر میں دیا گیا ہے .
۴ اس کا حوالہ آگے منت کے سفر میں دیا گیا ہے
۵ کلیات ممنون

وطن :

منت کے آبا و اجداد کا وطن مشہد مقدس تھا۔ عاشقی نے ان کو «سید مشہدی نژاد»[1] لکھا ہے اور شیفتہ نے «گوہر اصلش از مشہد مقدس»[2] کہہ کر ان کا تعارف کرایا ہے۔ گلستان بےخزاں اور کئی دوسرے تذکرے بھی عاشقی اور شیفتہ کے بیان کی تائید کرتے ہیں

کسی وجہ سے ان کے بزرگ ترک وطن کر کے وارد ہندوستان ہوئے اور دہلی کے قریب قصبۂ سونی پت میں توطن اختیار کیا۔ یہیں منت کی پیدایش ہوئی۔

« سید عالی نسب از قصبۂ سونی پت خودش به دار الخلافه شاه جهان آباد نشو و نما یافته۔»

جن جن تذکرہ نگاروں کے یہاں ان کے وطن کا ذکر آیا ہے وہ سب اس پر متفق الرائے ہیں۔ لیکن مصحفی نے خود منت کے اپنے بیان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

« میر قمر الدین منت که بقولش مولدش شاه جهان آباد است »[4]۔

مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ خود مصحفی کو اس کی صحت میں شبہہ ہے اس لیے «بقولش» کہہ کر اس کا اظہار کیا ہے۔ منت نے غالباً بر بنائے مصلحت اپنی ولادت کو اپنے وطن سونی پت کے بجائے شاہ جہاں آباد دہلی سے منسوب کیا ہے اس لئے کہ اہل دہلی اس وقت مضافات کے رہنے والوں کی زبان کو سند نہیں مانتے تھے جس کا اندازہ آزاد کی اس روایت سے ہوگا جو انہوں نے میر کے سلسلے میں قلمبند کی ہے :

« میر صاحب نے وطن پوچھا۔ انہوں نے سونی پت، علاقہ پانی پت بتلایا۔
آپ نے فرمایا کہ سید صاحب، اردوے معلیٰ خاص دلی کی زبان ہے۔
آپ اس میں تکلیف نہ کیجیے۔ اپنی فارسی وارسی کہہ لیا کیجیے۔»[5]

---

۱ نشتر عشق، حاشیۂ دستور الفصاحت ص ۹۰

۲ گلشن بےخار، ص ۱۹۲

۳ عمدۂ منتخبہ، ص ۵۸۵

۴ عقد ثریا، ص ۵۷

نوٹ : مولوی واصف صاف طور پر لکھتے ہیں :
« در شاہجہاں آباد متولد شد۔» ص ۱۶۲
اسی طرح کا بیان مصنف نتائج الأفکار کا بھی ہے :
« شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے۔» ص ۴۹

۵ آب حیات، ص ۲۱۵

مگر منت بدوِ شعور ہی میں دہلی آگئے ہوں گے اس لئے کہ ان کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی۔ صاحب نشتر عشق تحریر کرتے ہیں:

«مولدش قصبۂ سونی‌پت بوده و در خطۂ پاک نشو و نما یافته.»[1]

شیفتہ رقمطراز ہیں:

«به قصبۂ سونی‌پت از عدم بوجود آمده میان جهان آباد دهلی نشو و نما یافته.»[2]

عاشقی اور شیفتہ کے اس بیان کی تائید «گلشن ہمیشہ بہار»، گلستان بےخزاں» «سخن شعرا»، «طور کلیم»، «جلوۂ خضر» اور «محبوب الزمن» سے بھی ہوتی ہے۔

منت کے جد مادری شاہ عنایت اللہ دہلی کے ممتاز بزرگوں میں سے تھے اور خاندان ولی اللہ سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ ممکن ہے یہی قرابت قریبہ ان کے سونی‌پت سے دہلی آنے کا باعث بنی ہو۔

منت کی تعلیم و تربیت:

منت ایک صاحب علم و فضل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آبا و اجداد میں بہت سے علما اور فقہا گذرے تھے۔ ماں کی طرف سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان ذی‌شان سے ان کا تعلق تھا اور جیسا کہ اس سے پیشتر اشارہ کیا جاچکا ہے وہیں ان کی ابتدائی تربیت بھی ہوئی۔ صاحب گلشن ہند کا بیان ہے:

«قرابتوں کی تقریب اور پیوندوں کے سبب سے تربیت منت مذکور نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے گھرانے میں پائی۔»[3]

صاحب نشتر عشق نے اس روایت کو ان الفاظ میں دہرایا ہے:

«به تقریب قرابت و پیوندها تربیت در خاندان شاہ ولی اللہ محدث گرفته.»[4]

---

۱ نشتر عشق، حاشیۂ دستور الفصاحت، ص ۹۱

۲ گلشن بےخار، ص ۱۹۳.

نوٹ: کئی تذکرہ نگار ان کو دہلی کا باشندہ لکھتے ہیں:

تکملۃ الشعراء: «متوطن شاہ جہان آباد» ص ۸۹ و ۹۰، حاشیۂ دستور الفصاحت: گلشن ہند: «شاہ جہان آبادی». طبقات الشعراء ہند: منت دہلوی. ص ۱۷۵ و ۱۷۶. گلشن سخن: منت دہلوی ص ۲۳۰

اوریئنٹل بایوگرافیکل ڈکشنری "A native of Delhi" ص ۱۷۵

۳ گلشن ہند، ص ۲۳۷

۴ نشتر عشق، حاشیۂ دستور الفصاحت، ص ۹۱

اس بیان کی تائید مزید ریاض الوفاق مؤلفہ ذوالفقار علی مست سے بھی ہوتی ہے ۔ یہ صاحب منت سے کلکتہ میں ملے بھی تھے ۔

« شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان سے قرابت اور تربیت حاصل کی ۔ »[١]

شعر و سخن کی طرف میلان طبعی تھا ۔ اوائل عمر ہی سے اپنے نتائج فکر کو میر نورالدین متخلص بہ نوید کی خدمت میں پیش کرنے لگے :

« نتائج ذہن خود بہ خدمت میر نور الدین دھلوی نوید تخلص می گزرانید . »[٢]

جلد ہی اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت فنون شعری میں فی الجملہ دستگاہ بہم پہنچائی اور میر شمس الدین فقیر سے شرف تلمذ حاصل کیا جو اس دور کے ایک ممتاز فارسی‌گو شاعر تھے ۔ عشقی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

« و چون در سن سیزدہ سالگی فی الجملہ دستگاہ درین فن بہم رسانید حلقۂ شاگردیء میر شمس الدین فقیر بہ گوش ارادت انداختہ متمکل دقائق فنون گردید . »[٣]

اس کی تائید مصحفی اور صاحب مجموعۂ نغز کے بیان سے بھی ہوتی ہے ۔ مصحفی لکھتے ہیں :

« ہرگاہ بعد پیدا کردن قوت علمی و تحصیل عربی و فارسی نام بہ فارسی‌گوئی برآورد و در آن زمان خود را شاگرد میر شمس الدین فقیر می‌گوید . »[٤]

اس سے کچھ یہی مترشح ہوتا ہے کہ فارسی‌گوئی میں اظہار کمال کے طور پر انہوں نے میر شمس‌الدین فقیر کی شاگردی پر زور دینا شروع کیا ۔

اس ضمن میں صاحب گلشن ہند کے یہاں نوید اور فقیر دونوں سے تلمذ کا ذکر ہے :

« عقدۂ فن شعر و شاعری کے میر شمس الدین فقیر تخلص کی فیض

---

١ ریاض الوفاق ، ص ٧٥

٢ دو تذکرے ، ص ٢٣٧

٣ ایضاً

٤ تذکرۂ ہندی ، ص ٢٣٠

صحبت سے ان پر کھلے اور میر نورالـــدین نوید تخلص کی برکت مجالست سے دقیقے سستی و چستیء نظم کے طے ہوئے ۔ »[١]

مولوی کریم الدین کے بیان سے ان دونوں روایتوں کی تائید ہوتی ہے :

« اس نے میر نور الدین نور (کذا) اور میر شمس الدین فقیر کی صحبت سے اور ان کی اصلاح سے شعر کہنا سیکھا ۔ »[٢]

اس بات کو « سخن شعرا » ، « طور کلیم » اور « جلوۂ خضر » میں بھی دہرایا گیا ہے ۔[٣]

منت نے قائم سے بھی استفادہ کیا تھا ۔ مصحفی نے لکھا ہے :

« در ابتدا چندی استفادۂ ریختہ از محمد قائم نمود ۔ »[٤]

اس بیان کی تائید اور بھی کئی تذکروں سے ہوتی ہے ۔

منت اپنے زمانے کے ایک ممتاز فارسی گو شاعر اور صاحب علم و فضل شخص تھے ۔ مصحفی لکھتے ہیں :

« شاعر مسلم الثبوت فارسی است ۔ »[٥]

یکتا کی رائے منت کے بارے میں اس قسم کی ہے :

« عالم عالی منزلت ، شاعر والا مرتبت میر قمر الدین منت کہ در علم و فضل یگانۂ روزگار بود ، در فارسی گویان کسی قوت مقابلۂ او نداشت ، علی الخصوص در قصیدہ و مثنوی ۔ »[٦]

علوم شعریہ میں دستگاہ کے علاوہ جو ان کا خاص میدان تھا وہ علوم دینیہ میں بھی فی الجملہ دسترس رکھتے تھے ۔ ان علوم کی تحصیل انہوں نے حضرت شاہ عبد العزیز سے کی تھی جو اپنے وقت کے بہت بڑے عالم حدیث اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے ۔ عاشقی کا بیان ہے :

« تحصیل علوم و سند حدیث از خدمت مولوی شاہ عبد العزیز ولد ارشد شاہ ولی اللہ مرحوم کہ امروز بہ کمال مستعدی و تحقیقات کوشی یکتائی می زند ، ساختہ و رسانۂ اجازت حدیث از مولانا حاصل کردہ ۔ »[٧]

---

١ گلشن ہند ، ص ٢٣٧

٢ طبقات الشعرا ، ص ١٧٥ و ١٧٦

٣ سخن شعرا ص ٤٥٧ ، طور کلیم ، ص ٩٦ ، جلوۂ خضر ، ص ٢٠٢

عمدۂ منتخبہ : « در فارسی گوئی علم استادی بہ اعتبار افراشتہ ۔ » ص ٥٨٥

٤ تذکرۂ ہندی ، ص ٢٣

٥ ایضاً

٦ دستور الفصاحت ، ص ٨٩

٧ نشتر عشق ، حاشیۂ دستور الفصاحت ، ص ٩١

اس بیان کی تائید میں دوسرے تذکرہ نگاروں کے بیانات نہیں ملتے۔ بہر حال منت قابل و فاضل شخص تھے اور اس کا امکان ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز نے ان کو تعلیم حدیث کی اجازت دی ہو۔

منت نے حضرت مولانا فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور فقر و سلوک کے مراحل طے کئے۔

> « سلسلۂ بیعت بہ جناب قطب العصر حضرت مولوی فخر نور اللہ مصحفہ درست ساختہ و ساز مقامات درویشی را بہ مضروب فقر و فنا بخدمت ایشان نواختہ۔ »[1]

اس بیان کی تائید معاصر تذکروں سے ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ منت نے اپنے پیر و مرشد کی نگاہ میں وہ قدر و منزلت حاصل کرلی کہ انہوں نے ان کو بیعت کرنے کی اجازت دیدی اور وہ « یکی از خلفای ایشان گشت »۔[2]

اس کی تائید صاحب مجموعۂ نغز کے بیان سے بھی ہوتی ہے:

> « مثال خلافت حاصل نمود۔ »[3]

مزید تائید مصنف فخر الطالبین سے ہوتی ہے:

> « مولانا (شاہ فخر) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کی اور جو کچھ انہوں نے فرمایا اس میں مشغول ہوگئے۔ تھوڑے دنوں بعد اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگئے۔ پھر حضرت نے مرید کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ »[4]

جب تک منت دہلی میں رہے حضرت کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ جاری رہا:

> « تا در شاہجہاں آباد بود پیوستہ در حلقۂ مجلس آن حضرت می رسید۔ »[5]

منت کا مذہب:

منت سید صحیح النسب تھے اور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے پابند تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے حضرت شاہ

---

۱ عقد ثریا، ص ۵۴

۲ عمدۂ منتخبہ، ص ۵۸۵

۳ مجموعۂ نغز، ص ۲۱۵

۴ اردو ترجمہ فخر الطالبین، ص ۶۸ و ۶۹

۵ عقد ثریا، ص ۵۴

ولی اللہ کے خاندان میں ہوئی اور انہیں سے انھوں نے تدریس حدیث کی سند حاصل کی۔ اسی کے ساتھ وہ حضرت مولانا فخرالدین کے مرید ہوئے اور راہ سلوک کے مراحل طے کرنے کے بعد اپنے پیر و مرشد کی جانب سے خود بیعت کرنے کے مجاز قرار پائے اور جب تک دہلی میں رہے اسی مسلک کے پابند رہے۔ لیکن لکھنو پہنچ کر انہوں نے امامیہ مذہب اختیار کرلیا۔ اس کی طرف ان کے بیشتر معاصرین نے اشارہ کیا ہے:

«گویند اما باور نمی‌آید که در آخر قال حالش بدریار (به دیار) شرقیه دگرگون گشته بود. رقاصه زنی به متعه گرفته مسی بر دندان مالید وازین پا درگذشته رساله در رد صوفیه ادام الله برکاتهم نوشت. در ایام بودن حضرت دهلی ازین چیزها هیچ در پیرامونش نمی‌گشت. اما برادران به تقیه تشیعش نسبت می‌کردند.»[۱]

قاسم کو بھی ان کے شیعہ ہونے پر شبہ ہے۔ ساتھ ہی وہ منت کے بھائیوں کا بھی حوالہ دیتے ہیں جن کے خیال کے مطابق منت نے بر بنائے مصلحت یہ مذہب اختیار کیا۔ اس کی تائید اور بھی کئی معاصر تذکروں سے ہوتی ہے۔ صاحب نشتر عشق نے منت کے بارے میں یہ بیان تحریر کیا ہے:

«و هرگاه در سنه یک هزار و یک صد و نود و یک در لکهنؤ رفت خلق و عادات مذهب تشیع ظاهری نمود.»[۲]

مولوی عبدالقادر کے روزنامچہ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے:

«بعد چندی در لکهنؤ تقرب نواب حسن رضا خان[۳] و حیدر بیگ خان[۴] بهم رسانیده خود را اثنا عشری وا نمود.»[۵]

معلوم ہوتا ہے کہ منت مصلحت کے تحت شیعہ ہوئے۔ شیفتہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں:

---

۱ مجموعۂ نغز، ص ۲۱۵

۲ نشتر عشق، حاشیۂ دستور الفصاحت، ص ۹۲

۳ حسن رضا خاں عقل کے پتلے اور ذہن رسا کے مالک تھے۔ شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں بہت کوشش کرتے تھے۔ (تاریخ اودھ، جلد سوم، ص ۱۳۰ تا ۱۳۲)

۴ حیدر بیگ مذہب حنفی رکھتے تھے۔ (تاریخ اودھ، جلد سوم، ص ۱۲۸ تا ۱۲۹)

۵ روزنامچۂ عبدالقادر، حاشیۂ دستورالفصاحت، ص ۹۰

«حالیکہ بہ لکھنو آمد بہ روش امامیہ برآمد.»[۱]

جن جن تذکروں میں منت کے مذہب سے متعلق بیان آیا وہ سب اس پر متفق ہیں کہ منت نے لکھنو جاکر امامیہ مذہب اختیار کیا تھا ۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ ماحول کے تقاضے کی وجہ سے ہوا ہو ۔ یوں بھی منت کے انداز نظر اور افتاد مزاج سے اس کا اظہار ضرور ہوتا ہے کہ ان کو موقع شناسی اور زمانہ سازی خوب آتی تھی ۔

منت کے سفر :

دہلی میں منت کچھ زمانے تک ناسازگاریء حالات کا شکار رہے ۔ فقرا کی طرح توکل پر ان کی گذربسر تھی ۔ فخر الطالبین کا مولف لکھتا ہے :

«فقرا کی طرح توکل پر ان کا گذربسر ہے ۔ کچھ سہارا تھا وہ بھی جاتا رہا ۔»[۲]

یہاں کس سہارے کی طرف اشارہ ہے ، اس کا حال فحوائے عبارت سے نہیں کھلتا غالباً ان کی مراد نواب عماد الملک کی مصاحبت سے ہے جیسا کہ صاحب مجموعۂ نغز کا بیان ہے کہ پہلے منت عماد الملک کی سرکار سے وابستہ تھے اور بعد میں حضرت مولانا فخرالدین علیہ الرحمۃ کے مرید ہوئے ۔

«در اوائل حال بہ مصاحبت نواب معلی الالقاب عماد الملک مرحوم سر افتخار بآسمان می‌سود ۔ از آن پس دست بیعت بدست حق پرست حضرت مولانا محمد فخرالدین قدس‌اللہ اسرارھم دادہ ۔»[۳]

مگر سرور کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منت اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد ہی حضرت (مولانا فخرالدین) کے مرید ہوگئے تھے ۔

«بعد انفراغ تحصیل علوم عربی و فارسی دست بیع بہ خدمت حضرت مولوی محمد فخرالدین صاحب ... داد ۔»[۴]

---

۱ گلشن بے‌خار، ص ۱۹۳
۲ فخر الطالبین ، ص ٦٨
۳ مجموعۂ نغز ، ص ۲۱۵
۴ عمدۂ منتخبہ ، ص ۵۸۵

بہر حال منت کا فرخ آباد کا سفر اور نواب عماد الملک کی مصاحبت سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب تک منت عماد الملک کے ساتھ رہے ان کی زندگی راحت و آرام سے گذری۔ میر حسن نے ان کی مصاحبت نواب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

«ہمراہ نواب عماد الملک بہ کمال خوبی بسر می‌برد۔»[1]

یہ تذکرہ سنہ ١١٨٨ھ اور سنہ ١١٩٢ھ کے مابین قلمبند ہوتا ہے۔ اب اگر «می برد» کو ماضی استمراری کا صیغہ مان لیا جائے تو نواب کے ساتھ ان کے قیام کا زمانہ اس سے پیشتر کا ہے، اور اگر حال کا صیغہ مانا جائے تو وہ تذکرہ کی تالیف کے دوران نواب کی رفاقت میں تھے۔ عماد الملک کے قیام فرخ آباد کے متعلق مولوی ولی اللہ تاریخ فرخ آباد میں لکھتے ہیں کہ «غازی الدین خان سنہ ١١٧٠ھ مطابق سنہ ٥٧-١٧٥٦ء میں میرزا ہدایت بخش اور میرزا بابر کے ساتھ فرخ آباد آئے۔»[2]

تاریخ ذکاء اللہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عماد الملک سنہ ١١٧٠ھ میں خراج وصول کرنے فرخ آباد گیا تھا۔[3]

منت اسی زمانے میں عماد الملک کے ساتھ رہے ہوں، اس کا امکان کم ہے، کیونکہ اس وقت ان کی عمر بارہ سال کے قریب تھی۔ اس نوعمری میں کسی نواب کی مصاحبت کچھ قرین قیاس نہیں ہے۔

عماد الملک سنہ ١١٧٣ھ (مطابق ١٧٥٩ء) میں دہلی میں تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اس کے اشارہ پر عالمگیر ثانی کا قتل عمل میں آیا ہے اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کی آمد کی خبر سن کر یہ سورج مل جاٹ کے پاس بھرتپور میں پناہ گزین ہوتا ہے۔ یہاں اس کا قیام سنہ ١١٧٦ھ تک رہا۔[4] تاریخ فرخ آباد سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً اسی سال وہ پھر فرخ آباد گیا۔ وہاں نواب احمد خاں نے اس کی بڑی خاطر مدارات کی اور گذر اوقات کے لئے اسے جاگیر بھی عطا کی۔[5]

---

١ تذکرۂ شعرائے اردو، ص ١٥٨
٢ دیباچۂ مصحح دستور الفصاحت، ص ٥٦
٣ تاریخ ذکاء اللہ، ص ٢٩٧
٤ دیباچۂ مصحح دستور الفصاحت، ص ٥٧
٥ ایضاً

گمان غالب ہے کہ منت کو سنہ ١١٧٦ھ کے بعد ہی کسی وقت عماد الملک کی مصاحبت حاصل ہوئی ہوگی . اس خیال کو اس امر سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ تذکرۃ الشعرا میں میر علاء الدولہ اشرف علی خان نے منت سے اپنی ملاقات کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت فرخ آباد میں مقیم ہیں .

« منت تخلص از جوانان موزون طبع است . با نواب وزیر عماد الملک .. نظام تخلص در فرخ آباد می باشد . راقم تذکرہ فقیر علاء الدولہ را بارہا اتفاق مشاعرہ با منت مذکور دست دادہ . »[1]

اس تذکرہ کا سنہ تالیف خود مصنف کے بیان کے مطابق سنہ ١١٧٨ھ ہے.[2]

تذکرۂ مسرت افزا نے اس کا ذکر ماضی بعید کے صیغے میں کیا ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ نواب کی مصاحبت و رفاقت ترک کرکے لکھنؤ پہنچ چکے ہیں اور اس کو بھی ایک مدت گزر چکی ہے :

« از مصاحبان نواب عماد الملک غازی الدین خان عمری در مجلس نواب با سخنوران و ہم سخن بود و با زبان آوران ہمنشین . ... بعد انقلاب روزگار از نواب رفاقت وی گذاشتہ جہت تلاش روزگار در لکھنؤ رسیدہ ومدتی در آن دیار بسر بردہ . »[3]

منت عماد الملک کے ساتھ سنہ ١١٨٤ھ مطابق ١٧٧٠ع تک رہے ہوں گے کیونکہ مولوی ولی اللہ لکھتے ہیں کہ شاہ عالم بادشاہ کے الہ باد سے دہلی واپس جانے تک عماد الملک کا قیام فرخ آباد ہی میں تھا . اس کا مطلب یہ ہوا کہ عماد الملک کا فرخ آباد میں قیام سنہ ١١٧٦ھ مطابق ١٧٦٢ع سے سنہ ١١٨٤ھ مطابق ١٧٧٠ع تک رہا .[4]

تاریخ ذکاء اللہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ١١٨٥ھ مطابق ١٧٧١ع میں شاہ عالم الہ باد سے دہلی کو روانہ ہوا تھا اور قلعہ میں پہنچ گیا تھا.[5] یہی وہ زمانہ

---

١ حاشیۂ دستور الفصاحت ، ص ٩٠

٢ دیباچۂ مصحح دستورالفصاحت ، ص ٦٣

٣ مسرت افزا (رسالۂ معاصر ، پٹنہ ، شمارہ ٨)

٤ تاریخ فرخ آباد ، دیباچۂ مصحح ، ص ٥٧

٥ تاریخ ہندوستان از ذکاءاللہ ، جلد نہم و دہم ، ص ٣٢٠

رہا ہوگا جب منت فرخ آباد سے دہلی آئے ہیں اور بقول صاحب مجموعۂ نغز حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو جاتے ہیں جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا جاچکا ہے۔

مصحفی نے لکھا ہے کہ جب تک منت دہلی میں رہے اپنے پیر کے ساتھ ہی رہے اور جب ضرورتوں نے مجبور کیا تو دہلی چھوڑ کر لکھنؤ کا رخ کیا۔[1]

منت نے لکھنؤ کا سفر سنہ ۱۹۱۱ھ میں اختیار کیا تھا چنانچہ صاحب گلشن ہند نے لکھا ہے :

« سنہ ۱۱۹۱ هجری میں ویرانیٔ شاہ جہاں آباد کے باعث لکھنؤ میں ان کا آنا ہوا۔ »[2]

میر قدرت اللہ قاسم نے منت کے ساتھ اپنے لکھنؤ کے کسی سفر کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ وہی سفر ہے :

« قاسم ہیچمدان سراپا نقصان ہم سفر آن فصاحت زبان در یک گردون تا بلدۂ لکھنؤ رسید۔ جامع المتفرقین ویرا در اندک فرصت بہ وطن مالوف رسانیدہ۔ و آن میر میدان سخنوری در ہمان نواح توطن گزیدہ و بہ وساطت میر محمد حسین[3] کہ از اجلۂ فضلا و ارباب ... ظاہری بود نقش مرادش بسیار درست نشستہ بہ سرعت ہرچہ تمام تر بہ مدارج علیای دنیوی ارتقا فرمود۔ »[4]

مرزا علی لطف نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میر محمد حسین فرنگی کی وجہ سے لکھنؤ میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور اسی کے ساتھ اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ میر مذکور کی وساطت سے انہوں نے مسٹر جانسن بہادر کی سرکار سے توسل بہم پہنچایا۔

« میر محمد حسین فرنگی لقب کی یار فروشی کے سبب مشتاق ان کا وہاں ایک زمانہ ہوا۔ بعد چندے مربی گری سے میر مذکور کے ممتاز الدولہ مسٹر جانسن بہادر کی سرکار میں توسل انہوں نے حاصل کیا۔ »[5]

---

۱ عقد ثریا، ص ۵۴
۲ گلشن ہند، ص ۲۳۷
۳ ممنون نے کلیات میں ان کے نام کے ساتھ سید الحکماء لکھا ہے۔
۴ مجموعۂ نغز، ص ۲۱۵
۵ گلشن ہند، ص ۲۳۷

طبقات الشعرائے ہند کے مصنف مولوی کریم الدین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ منت سنہ ۱۱۹٦ھ میں مسٹر جونسن[۱] کے نوکر تھے:

«سنہ ۱۱۹٦ھ میں بیچ خدمت سر ولیم جونس کے تھا.»[۲]

اس کی طرف اشپرنگر نے بھی اشارہ کیا ہے لیکن تدکرہ کا نام بجائے طبقات الشعرا کے گلشن ہند لکھا ہے.[۳]

مسٹر جونسن کے ساتھ ہی منت نے کلکتہ کا سفر کیا. چونکہ مسٹر جونسن کے تعلقات وارن ہیسٹنگز سے اچھے خاصے تھے اس لئے جب منت ان کے ہمراہ بہ حیثیت شاعر یا کارکن کلکتہ گئے تو اعزاز و افتخار خاص کے مستحق ٹھہرے.

«اور رفاقت میں صاحب مذکور کے کلکتے آکر عماد الدولہ گورنر ھیشن جلادت جنگ بہادر کی اعانت کے باعث پیشگاہ نظامت سے صوبہ بنگ کے خطاب ملک الشعرا کا لیا.»[۴]

اور نواب مرشد آباد کی فرمایش پر وارن ھیسٹنگز نے ان کو ملک الشعرا کا خطاب عطا کیا.[۵] اس بیان کی تائید قاموس المشاہیر سے بھی ہوتی ہے.[٦]

ذو الفقار علی مست نے بھی اپنے تذکرۂ ریاض الوفاق میں اسی روایت کو دہرایا ہے:

«ممتاز الدولہ مسٹر جانسن بہادر سفیر ممالک شرقیہ کی رفاقت میں رہے اور نواب عماد الدولہ گورنر ھیشٹن بہادر Hastings کی تجویز پر ناظم بنگالہ سے پیشگاہ میں ملک الشعرا کے خطاب سے سرفراز ہوئے.»[۷]

بہرحال یہاں سے منت حیدرآباد گئے جہاں انہوں نے نواب حیدرآباد کی مدح

---

۱ ڈکشنری آف انڈیا بایوگرافی، ولیم جونسن، سنہ ۱۲۰۹ - ۱۱۵۹ ہجری.
(اردو میں ان کا نام جانیسن اور جونسن لکھا ہے)

" He was intimate with Warten Hastings and his successors, and had their supports. His judicial work was also well performed."

۲ طبقات، ص ۷٦ - ۱۷۵

۳ یادگار شعرا، ص ۹۵ - ۱۹۴

۴ گلشن ہند، ص ۲۳۷

۵ اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری، ص ۱۷۵

٦ قاموس المشاہیر، ص ۲۴۳

۷ ریاض الوفاق، ص ۷۵

میں قصیدہ پیش کیا اور ان کو اس صلہ میں پانچ ہزار روپے ملے۔[1] مصنف مجموعۂ نغز کے بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ منت کو حیدرآباد بہ حیثیت سفیر بھیجا گیا تھا۔

«و بہ سفارت حیدرآباد شتافتہ قصیدہ در مدح ناظم آن‌جا گفتہ مبلغ پنجہزار روپیہ بہ رسم جائزہ حاصل نمود۔»[2]

سفیر کی حیثیت سے منت کے حیدرآباد جانے کی تائید تذکرۂ شعرائے دکن سے بھی ہوتی ہے۔ اس تذکرہ میں رقم انعام پانچ ہزار کے بجائے دس ہزار ہے لیکن اس نے اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔

«گورنر بہادر نے آپ کو سفیر کرکے نواب نظام الملک آصف جاہ ثانی کی خدمت میں بھیجا۔ آپ کلکتہ سے سنہ ۱۲۰۰ھ میں حیدر آباد پہنچے۔ دربار آصفی میں باریاب ہوئے۔ ایک قصیدہ بندگان عالی کی مدح میں لکھ کر نذر کیا ... دس ہزار روپئے[3] عطا فرمایا اور دو سو روپے ماہوار منصب مقرر کردیا۔»[4]

سنہ ۱۲۰۰ھ تک منت حیدرآباد میں قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد وہ کسی وقت لکھنؤ آئے۔ واپس آنے کے بعد مہاراجہ ٹیکٹ رائے کے مصاحب ہوئے۔

«پیشگاہ نظامت سے صوبہ بنگ کے خطاب ملک الشعرا کا لیا۔ بعد ایک مدت رفیق مہاراجہ ٹیکٹ رائے کے ہوئے۔»[5]

اس بیان کی تائید عمدۂ منتخبہ سے بھی ہوتی ہے:

«آخرش در لکھنؤ رسیدہ استقامت اختیار کردہ و راجہ ٹیکٹ رائے کہ دیوان نواب وزیر الممالک مرحوم و سردار کثیر الاقتدار بود بہ سبب بزرگی و کمالات ایشان نزد خود داشتہ کفافی موافق اخراجات ایشان گردانیدہ بود و بسیار اعزاز میکرد و معتقدانہ پیش می‌آمد۔»[6]

---

۱ اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری، ص ۱۷۵

۲ مجموعۂ نغز، ص ۲۱۰

۳ رقم کے بارے میں مختلف تذکروں میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ مثلاً ذکا نے صلہ کے بارے میں سات ہزار کا ذکر کیا ہے

«ہفت ہزار روپیہ صلہ یافت» ص ۳۷۶

۴ محبوب الزمن، ص ۱۰۰۶، ۱۰۰۵

۵ گلشن ہند، ۲۳۷

۶ عمدۂ منتخبہ، ص ۵۸۵

عاشقی کا بیان بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد منت راجہ ٹیکٹ رائے کے مصاحب ہوئے۔

« میر باز از حیدرآباد عطف عنان به لکھنؤ نمود و این بار راجه ٹیکٹ رائے او را به مشاهرۂ دو صد روپیه به رفاقت خود کشید۔ »[1]

دوسرے معاصر تذکروں سے بھی اس بیان کی تائید ہوتی ہے۔

راجہ ٹیکٹ رائے شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ تاریخ اودھ کے مصنف کا بیان ہے کہ

« شعر و سخن سے طبیعت آشنا تھی۔ »[2]

تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منت کا براہ راست تعلق راجہ ٹیکٹ رائے ہی سے تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاعر ہونے کے ناطے انہوں نے موقع کی مناسبت سے اور دوسرے صاحب ثروت لوگوں کے لئے قصائد کہے ہوں جن میں حیدر بیگ[3] بھی شامل ہوں۔ عاشقی نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر کیا ہے :

« در آن جا قصائد مدح به نظر نواب جنت آرامگاه آصف الدوله مرحوم و دیگر اعزه مثل حیدر بیگ خان و راجه ٹیکٹ رائے گزرانیده صلات بر گرفت۔ »[4]

حیدر بیگ کے ساتھ ان کے تعلقات کب ہوئے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ البتہ قیاس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ مہاراجہ ٹیکٹ رائے کے ساتھ رہتے تھے ان کے مراسم حیدر بیگ اور مرزا حسن رضا خاں[5] سے ہوئے ہوں۔ حیدر بیگ کی وفات (سنہ ۱۲۰۶ ھ مطابق ۱۷۹۱ ء) کے بعد راجہ ٹیکٹ رائے کو ان کی جگہ پر عہدۂ نیابت پر مقرر کیا گیا۔

---

۱ حاشیۂ دستور الفصاحت ، ص ۹۱

۲ تاریخ اودھ ، جلد سوم ، ص ۱۳۲

۳ حیدر بیگ خاں کابل کے باشندے تھے اور حنفی مذہب تھے ... حیدر بیگ خاں نہایت لائق اور دانشمند اور سیاق و سباق میں ید طولی رکھتے تھے۔ ۱۱۹۰ ھجری مطابق ۷۶-۱۷۷۵ء میں آصف الدولہ کی سرکار سے ریزیڈنٹ کے ذریعے خلعت نیابت ملا۔ حکومت اودھ کا کام بڑی مستعدی سے انجام دیا۔ ۱۲۰۶ ھجری مطابق ۱۷۹۱ء میں فوت ہوئے۔ (علم و عمل ، ص ۲۰۰)

۴ نشتر عشق ، حاشیۂ دستور الفصاحت ، ص ۹۱

۵ حسن رضا خاں بن مرزا علی رضا خاں سلطنت اودھ کے قدیمی افسر باورچی خانہ ، توشہ خانہ اور دیوان خانہ تھ ۔ آصف الدولہ کے زمانے میں بیس برس سے زیادہ نیابت کا کام انجام دیا۔ علم سے محروم مگر عقل کے پتلے اور ذہن رسا کے مالک تھے شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں بہت کوشش کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۱۶ ھ مطابق ۱۸۰۱ ء میں فوت ہوئے۔ (تاریخ اودھ از نجم الغنی ، ص ۶۳)

«حیدر بیگ خاں کے بعد راجہ ٹیکٹ رائے کی ذات پر نظم و نسق کاروبار مقرر ہو گیا جو کہ سابق میں چاروں صوبوں کا دیوان کار پرداز مالی و ملکی تھا»[1]

منت کے سفر سے متعلق عبد القادر چیف رامپوری نے لکھا ہے:
«در رفاقت حیدر بیگ خاں بہ کلکتہ آمد و درگذشت.»[2]

اس بیان کی تائید اور کسی معاصر تذکرہ سے نہیں ہوتی. تاریخ اودھ کے مصنف نے تاریخ مظفری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حیدر بیگ خاں سنہ ۱۱۹۸ ھ مطابق ۱۷۸۳ ع میں کسی کام سے کلکتہ گئے تھے جس کو انہوں نے بخیر و خوبی انجام دیا.[3] لیکن اس سفر میں منت حیدر بیگ کے ساتھ رہے ہوں، اس کا امکان کم ہے. اپنی وفات کے قریبی زمانے میں انہوں نے حسن رضاخاں اور مہاراجہ ٹیکٹ رائے کے ساتھ کلکتہ کا سفر کیا تھا جیسا کہ گلشن ہند کے مصنف نے لکھا ہے:

«سنہ ۱۲۰۶ ھ میں نواب سرفراز الدولہ میرزا حسن رضا خاں بہادر اور مہاراجہ ٹیکٹ رائے واسطے کچھ سوال و جواب معاملات کے لکھنؤ سے کلکتہ جو تشریف لائے تو میر قمر الدین منت بھی ساتھ آئے. ایک تین چار روز تپ محرق ان کو عارض ہوئی اور بغیر جان کے لئے وہ تپ نہ گئی.»[4]

منت کا انتقال سنہ ۱۲۰۶ ھ میں نہیں بلکہ ۱۲۰۸ ھ میں ہوا. اس صورت میں روایت کی تطبیق اسی طور پر ہوسکتی ہے کہ لکھنؤ کی طرف سے پہلی سفارت سنہ ۱۲۰۶ ھ میں بھی گئی لیکن ناکام ہوئی.[5]

اس کے چند مہینے بعد دوبارہ سنہ ۱۲۰۷ ھ میں گئی.[6] ہوسکتا ہے کہ منت پہلی سفارت کے ساتھ نہ رہے ہوں لیکن دوسری سفارت کے ساتھ وہ بہرحال تھے

۱　تاریخ اودھ از نجم الغنی، جلد سوم، ص ۲۹۵
۲　حاشیۂ دستور الفصاحت، ص ۹۰
۳　تاریخ اودھ از نجم الغنی، جلد سوم، ص ۲۵۹
۴　گلشن ہند، ص ۲۳۷
۵　تاریخ اودھ از نجم الغنی، جلد اول، ص ۳۰۱
۶　ایضاً، جلد سوم، ص ۳۰۳

اور اسی دوسری سفارت کے دوران ان کا انتقال ہوگیا ہو۔ ذوالفقار علی مست نے اپنے تذکرۂ ریاض الوفاق میں لکھا ہے کہ

« جب دوبارہ سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں مشیرالممالک مہاراجہ ٹیکٹ رائے کے ساتھ کلکتہ آئے ، مجھ سے بھی ملے۔ یہیں کلکتہ میں سپرد خاک ہوئے۔[1] »

منت کی وفات پر ان کے بیٹے ممنون کا قطعۂ تاریخ حسب ذیل ہے :

ہو گئے برباد ناموس سخن اب یہی کہتا ہے عصمت ہائے ہائے!
پڑھ رہا ممنون یوں سال وفات حیف منت ، حیف منت ہائے ہائے!
۱۲۰۸ ھجری

---

۱ ریاض الوفاق ، ص ۷۵

٭ ظہیر احمد صدیقی

اردو رسم خط کا تہذیب سے رشتہ

ایک فلسفی کا قول ہے کہ جب میں اپنی میز پر ہاتھ مارتا ہوں تو دنیا دہل جاتی ہے۔ بظاہر یہ قول خالص مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس میں ایک بڑی حقیقت نظر آئے گی۔ قدرت نے اس کائنات کو اس انداز سے تخلیق فرمایا ہے کہ ایک چیز دوسری سے اور دوسری تیسری سے وابستہ ہے، اور علت و معلول کا یہ سلسلہ تمام اجزاے عالم میں سرایت کئے ہوئے ہے درخت کو جڑ سے، جڑ کو دانے سے، دانے کو زمین سے، اور زمین کو کائنات سے جس کا وہ ادنیٰ جز ہے۔ اور کائنات کو خالق کائنات سے جو رشتہ ہے وہ سب جانتے ہیں۔ اسی لئے ترجمان حقیقت شاعر نے کہا تھا:

ع لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یہی اتصال و اتحاد ہماری تہذیب اور ہماری ذہنی و اخلاقی زندگی میں بھی جاری و ساری ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ہم ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے جو قدم اٹھاتے ہیں ہماری تہذیب کی اس پر چھاپ لازم ہے۔ زبان اور رسم الخط بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اور ایک کا تصور دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جب ہم تہذیب کا ذکر کرتے ہیں تو یہ مان لیتے ہیں کہ اس کے دائرے میں زبان کا ہونا لازمی ہے جو ہر قسم کے خیالات ادا کرنے پر قادر ہو۔ اسی طرح ایک کامل زبان کے لوازم میں تہذیب داخل ہے جس نے اس کو جنم دیا ہے۔ رہا رسم الخط، اس کا علاقہ زبان سے ایسا ہے جیسا جسم کا روح سے۔ افریقہ کے بعض قبائل جو ٹوٹی پھوٹی زبان تو رکھتے ہیں مگر رسم الخط سے محروم ہیں ان کی حیثیت گونگوں سے شاید کچھ بہتر ہو۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، ام۔ اے؛ پی‌اچ ڈی؛ استاد شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی؛ کنوینر بورڈ آف ہائر سکنڈری ایجوکیشن، دہلی؛ ممبر بورڈ آف اسٹڈیز، دہلی، آگرہ، میرٹھ یونیورسٹی؛ مصنف فانی کی شاعری، مرتب دیوان درد، قصائد مومن وغیرہ۔

ہم اس وقت اردو زبان کے رسم الخط سے بحث کر رہے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارا موجودہ رسم الخط ہماری صدیوں کی تہذیب سے ہرگز جدا نہیں ۔ اگر ہم اپنے رسم الخط کو چھوڑتے ہیں تو ہمیں اپنی تہذیب کا رخ صدیوں پیچھے موڑنا پڑے گا ۔ رسم الخط اور تہذیب کے باھمی تعلق کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں کسی قدر پیچھے جانے اور تہذیب کی ماہیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے ۔ تہذیب کیا ہے ؟ تہذیب کی تعریف ہر مفکر نے اپنے مبلغ علم اور معیار فکر کے مطابق کی ہے ۔ لیکن ہمارے نزدیک سیدھے سادے الفاظ میں تہذیب ان اکتسابات انسانی کا مجموعہ ہے جو آدمی نے اپنے دور ارتقا میں حاصل کئے ہیں ۔ یعنی ہزاروں لاکھوں سالوں میں اس نے اپنے بارے میں، اپنی دنیا اور دوسری مخلوق کے بارے میں جو کچھ سیکھا اور دور وحشت سے تمدنی زندگی کا مرحلہ طے کیا ، سب کا Sum total ہے ۔ انہیں اکتسابات میں زبان بھی ہے ، بلکہ کہنا چاھئے کہ اس کا رول انسان کو موجودہ معیار ثقافت تک پہنچانے میں نہایت اہم رہا ہے ۔ ہمیں سردست اس سے بحث نہیں کہ انسان نے زبان الہامی تعلیم سے حاصل کی یا کسی عمرانی معاہدے کے تحت یا فطرت کو اپنا استاد بناکر ۔ بہرحال اس نے زبان سیکھی ۔ ذرا اس لمحہ کا تصور کیجیے کہ اگر زبان نہ ہوتی تو تعلیم و تعلم ، محاضرہ و مناظرہ ، بحث و تمحیص کا دروازہ کیوں کر کھلتا ، اور اگر نہ کھلتا تو تہذیب اس زینہ پر کیسے پہنچتی جس پر آج نظر آتی ہے ۔

یہ ترقی کی پہلی سیڑھی تھی ۔ اب تمنا کا دوسرا قدم ملاحظہ کیجئے ۔ انسان نے زبان کے بعد رسم الخط ایجاد کیا جس سے غائب و دور افتادہ یا اپنے بعد آنے والوں کے لئے تعلیم و تعلم کے حدود کو وسعت دی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ تہذیب کا تعلق زبان سے اور زبان کا رسم الخط سے کس قدر گہرا ، منطقی اور قدیم ہے ۔ اگر ہم ایک کو چھوڑتے ہیں تو لامحالہ ہمیں دوسرے سے بھی دست بردار ہونا پڑتا ہے ۔

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ محض قدیم عادت اور رسم کا کھیل ہے ۔ ہم ایک چیز کے عادی ہیں اس لئے اس سے جدا ہونے کا تصور کرنے کو جی نہیں چاہتا ۔ ایک رسم الخط نہ سہی دوسرا سہی ۔ اردو نہ سہی دیوناگری سہی ۔ بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اردو کے نقائص یا اس کے سیکھنے میں سہولتوں کے فقدان کو دیکھتے ہوئے حامیان قدامت کا اڑنا محض جذباتیت ہے ۔ لیکن اول تو یہی

غلط ہے کہ اردو رسم الخط نقائص سے لبریز اور ناگری اُن سے خالی ہے۔ دوسرے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ موجودہ رسم الخط کو چھوڑ کر ہم اپنے ماضی سے اور دنیا کے متعدد ممالک سے منقطع اور اپنی عظیم تہذیب کے مظہر یعنی ذخیرۂ کتب سے بیگانہ ہو جائیں گے؟ یہ نقصان ہرگز تھوڑا نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ زبان سیکھنے کی سہولت کی خاطر ہمیں ایسا کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ غور کرنا چاہیے کہ اس فائدہ کے لئے (اگر واقعی کوئی فائدہ ہے) ہم کتنے بڑے نقصان کو برداشت کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہاں ایک لطیفہ سنانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ عربی ادب میں ایک شخص عجِل نام حماقت میں مشہور تھا۔ اس نے ایک گھوڑا خریدا۔ دوستوں نے پوچھا کہ تم نے گھوڑے کا نام کیا رکھا، جس پر اس نے غریب گھوڑے کی ایک آنکھ پھوڑ دی اور بولا کہ میں نے اس کا نام اعور (کانا) رکھا ہے۔ گھوڑے کا نام تو لوگوں کے ذہن نشین ہوگیا مگر ساتھ ہی گھوڑے میں سخت عیب پیدا ہو گیا۔ اس طرح یہاں زبان سیکھنے کی سہولت تو نکلی مگر سرے سے زبان ہی رخصت ہو گئی۔ ایک اینٹ کے لئے مسجد ڈھانا اسی کو کہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اردو کا موجودہ رسم الخط تھوڑا وقت اور کم جگہ لیتا ہے جو دوسرے رسم الخط میں ممکن نہیں۔ اور تھوڑے وقت اور کم جگہ کی آج کل کے مصروف کاروباری دور میں جس قدر اہمیت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ آواز کس طرف سے اٹھائی جاتی ہے، اور یہ تحریک دب جانے کے بعد کیوں بار بار ابھرتی ہے حکومت تو یہ حماقت نہیں کر سکتی کیوں کہ وہ دستور کے مطابق ہر کلچر، ہر زبان اور ہر خط کی حفاظت کی ضمانت کرچکی ہے۔ البتہ دو گروہ اس پر مصر نظر آتے ہیں۔ اکثریت کا ایک گروہ اور اقلیت کا ایک گروہ۔ پہلے گروہ سے ہمیں صاف کہہ دینا چاہیے کہ ہمیں اپنی تہذیب ہر قیمت پر عزیز ہے اس لئے ہم موجودہ رسم الخط ہرگز نہیں چھوڑ سکتے اگر وہ اصرار کریں تو ان سے کہئے کہ پہلے یہ مطالبہ تامل، تیلگو، بنگالی، مراٹھی اور پنجابی سے کریں اور جب وہ قبول کرلیں تو ہم سے بات کریں۔ جو لوگ اپنی رجعت پسندانہ ذہنیت کے باعث اردو رسم الخط بدلنے کے مؤیّد ہیں وہ نہ صرف رسم الخط بلکہ زبان، تاریخ، تہذیب اور مذہب سب میں بھارتیہ کرن کا عمل جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی غیور جماعت اس دست برداری کو کسی

سیاست یا دباؤ کے تحت ہرگز گوارا نہیں کرسکتی ۔ رہا دوسرا گروہ یعنی اردو دوستوں کا احساس کمتری رکھنے والا عاقبت نا اندیش طبقہ، اس کو بتانا چاہئیے کہ آپ اپنے اپنے ہاتھوں اردو کے مخالفوں کا مقصد پورا کر رہے ہیں، کیونکہ جب رسم الخط ہی اٹھ جائے گا تو اردو دشمنوں کی مخالفت آپ ہی ختم ہو جائے گی ۔ اگرچہ اس میں بھی شبہ ہے کیونکہ چند روز کے بعد اردو کا قالب بدل کر ہندی رہ جائے گی ۔ پھر نہ بانس رہے گا نہ بانسری ۔

حقیقت یہ ہے کہ رسم الخط ہی ایک زبان کی انفرادی خصوصیت ہے جس کو ہاتھ سے کھونا ایک طرح کی خودکشی ہے ۔ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے :

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

اس کے علاوہ، ہندی رسم الخط ہندوستان کے باہر کہیں نہیں پایا جاتا ۔ اس کے برخلاف اردو کا رسم الخط ایشیا کے کئی ملکوں میں جاری ہے، یہاں تک کہ افریقہ کے ملکوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے قرآن اور نماز کے لئے لوگ اسی رسم الخط سے ضرورۃً آشنا ہیں ۔ خط بدلنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم تمام دنیا سے منقطع ہو جائیں گے اور ہماری حکومت ایران، افغانستان، عرب وغیرہ کے بہت سے ممالک سے دور ہو جائے گی، کیونکہ زبان یا رسم الخط کی یکسانی کا بڑا نفسیاتی اثر ہوتا ہے ۔

رسم الخط چھوڑ دینے کے اثر کا تعلق یوں تو تمام بہی خواہان اردو سے ہے جن میں لاکھوں ہندو، سکھ، عیسائی شامل ہیں، لیکن اس کا سب سے بڑا نقصان چھ کروڑ مسلمانان ہند کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ ایک طرف وہ اپنے مذہب اور تہذیب کے بڑے مظہر سے کچھ عرصے میں یکسر بیگانہ ہو جائیں گے ۔ ظاہر ہے کہ ان کے مذہب کا عظیم سرمایہ عربی کے بعد اسی اردو رسم الخط کے اندر ہے ۔ دوسرے، وہ لاکھوں کے تصنیفی سرمائے سے جو صدیوں کی محنت کا نتیجہ ہے اور جو اردو، فارسی میں ہمارے کتاب خانوں کے اندر محفوظ ہے، جلد اجنبی ہوکر رہ جائیں گے کیوں کہ اتنے وافر اور عظیم سرمائے کو منتقل کرنا اور نئے رسم الخط میں ڈھالنا عملاً غیر ممکن ہے ۔

جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ ہندی رسم الخط میں تمام زبانوں کی آوازیں ظاہر کی جاسکتی ہیں (اگرچہ یہ حقیقت کے خلاف ہے) وہاں یہ نظرانداز کردیا جاتا ہے کہ ہندی میں منتقل ہونے کے بعد خود اردو الفاظ کے تلفظ میں صحت کا قائم رہنا مشکل ہو جائے گا اور ہم ان الفاظ کے ماخذ سے بالکل بےگانہ ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی قوم نے (امریکہ والوں کو چھوڑکر) انگریزی کی بعض بےقاعدگیوں کے باوجود اپنے کلمات کی شکل بدلنے کا نام نہیں لیا کیونکہ اس صورت میں ان کو الفاظ کے قدیم ماخذ سے دست بردار ہونا پڑتا۔ پروفیسر احتشام حسین صاحب نے ٹھیک کہا ہے کہ زبان اور رسم الخط تاریخ اور تہذیب کی دین ہیں اور ان میں کوئی بڑی تبدیلی اسی وقت ہوسکتی ہے جب تاریخی اور تہذیبی سانچے میں ایسی تبدیلی ہو جائے کہ اس کے اندر زبان اور رسم الخط کی سمائی نہ ہوسکے۔

بعض خوش فہم اس سلسلہ میں ترکی کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں رسم الخط رومن خط میں تبدیل کردیا گیا جس سے وہاں خواندگی کے اعداد کئی گنا بڑھ گئے ہیں۔ اول تو ہم ترکی کو ہر امر میں مثالی نہیں سمجھتے کہ جوکچھ وہ کریں ہم بھی آنکھ بند کرکے کرنے لگیں۔ دوسرے، ہر ملکی و ہر رسمی۔ ہر ایک کی ضرورتیں اور ان کے تقاضے جدا ہیں۔ ہر ایک کو اپنے دائرۂ کار کا اختیار ہے۔ تیسرے، وہاں پورے ملک کی زبان ایک (ترکی) تھی۔ رسم الخط بدلنے سے یہ اندیشہ نہ تھا کہ دوسری زبان ترکی کو اپنے اندر جذب کرلےگی۔ چوتھے، وہاں اب بھی قدیم رسم الخط میں کتابیں برابر لکھی بھی جا رہی ہیں اور چھاپی بھی جا رہی ہیں۔

تبصرے

صحرا میں اذان از گوپال متل ، پتہ : مکتبۂ تحریک ، دریا گنج ، دہلی ۶
صفحات ۱۱۲ ، قیمت چھ روپے ۔

صحرا میں اذان گوپال متل کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے ۔ گوپال متل کا جدید شاعروں کے اس گروہ سے تعلق ہے جس نے شاعری کی روایات سے منظم اور یکسر سرتابی کرنے کی بجائے روایات کی عمدہ قدروں کو جدید قدروں میں ضم کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس طرح ان کی نظموں اور غزلوں میں قدیم و جدید کا سنگم نظر آتا ہے ۔ وہ حالی کو « مجتہد شعر » گردانتے ہیں اور خود اس بات کے قائل ہیں کہ شعروں کے ذریعے مقدر جگائے جاسکتے ہیں ۔ گویا وہ شعر کے عملی اور اجتہادی پہلو کو اہم مانتے ہیں ۔

گوپال متل نے اپنی غزلوں میں ایک نیا تیور پیدا کیا ہے ۔ بعض مقامات پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ فیض ان کے فکر و نظر پر حاوی ہے ۔ تاہم انہوں نے آج کی زندگی کے مسائل اور نزاکتوں کو ایک نئے انداز میں کہنے کی کوشش کی ہے ۔ الفاظ کا انتخاب اور ترکیبوں کا رچاؤ متل کے اشعار میں نمایاں ہے لیکن بعض اشعار بری طرح کھٹکتے ہیں ۔ مجموعی طور پر صحرا میں اذان اردو غزل میں ایک نئے لہجہ کا پتہ دیتی ہے ۔

شعلۂ خاموش از کالی داس رضا گپتا ، ملنے کا پتہ : دفتر صبح امید ، بمبئی ۸ ، صفحات ۳۱۸ ، قیمت پانچ روپے

کالی داس رضا گپتا ایک ایسے شاعر ہیں جو اپنے ملک سے دور افریقہ کی غیر ادبی سرزمین اور تاریک صحراؤں میں اردو کا چراغ جلائے ہوئے ہیں ۔ شعلۂ خاموش میں رضا کے ۲۵ سالوں کی تخلیقات شامل ہیں ۔ مجموعہ میں غزلیں ، نظمیں ، رباعیات اور چند متفرق اشعار ہیں ۔

رضا جوش ملسیانی جیسے استادِ فن کے شاگرد ہیں ۔ جوش کو زبان کی صفائی اور محاوروں کی رنگینی اپنے استاد داغ سے ملی ۔ رضا کے کلام میں بھی یہ خوبیاں نمایاں ہیں ۔ انسان ، زندگی ، موت ، مذہب اور محبت جیسے موضوعات پر اس مجموعہ میں بعض عمدہ اشعار ہیں ۔ افریقہ کے فطری حسن کو بھی رضا نے نظر انداز نہیں کیا ہے ان کی بعض نظمیں وقتی یا مقامی سیاسی تحریکوں اور واقعات سے متعلق ہیں ۔ تاہم مجموعی حیثیت سے امید ہے کہ یہ مجموعہ مقبول ہوگا ۔

مزاج آب و گل از حسن شہیر، گلستان آرٹ اکادمی، بارہ بنکی،
صفحات ۲۴۴، قیمت چھ روپے۔

مزاج آب و گل حسن شہیر کی ایک طویل نظم ہے جسے مختلف ذیلی عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں اس طویل نظم کو ڈانس ڈراما بتایا گیا ہے جسے موسیقی اور رقص کے ساتھ پس پردہ یا اسٹیج پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس طویل نظم کو پڑھ کر اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے ہمہ وقت اس خیال کو اپنا رہبر بنایا ہے کہ «محنت کی بہبودی اور ترقی سے بڑی کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے۔» مزاج آب و گل ایک آزاد نظم ہے اور شاعر کے خیالات پریشاں کا عکس۔ پیش لفظ میں شاعر نے صنف غزل کی بےجا مذمت کی ہے اور اپنی آزاد شاعری کو زندگی کا آئینہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ خود اس کی نظم خیالات کی بے ربطی اور زبان و بیان کی عمومیت کا شکار ہوکر رہ گئی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ محنت کش طبقے کی زندگی کے کرب و درد کو نظم میں سمونے کی کوشش کی ہے لیکن شاعرانہ بیان کے مفقود ہونے کی وجہ سے اس میں خشکی اور بے ربطی محسوس ہوتی ہے۔ شاعر نے رموز و علامات کی گہرائی اور وسعت سے کام لینے کے بجائے سپاٹ طریقۂ کار اپنایا ہے جس کی وجہ سے نظم میں تأثر اور دلکشی نہیں پائی جاتی۔

معنوی حیثیت سے اس نظم کو ایک تجربہ کہا جاسکتا ہے جس میں «مزدور کی تخلیقی قوت کا جاہ و جلال ہے اور ظلم، جبر اور ناانصافی کے تختے کو عمل کے میدان میں الٹنے کی دعوت دی گئی ہے۔»

گلزار لکھپت رائے (آٹھ حصوں میں) از لکھپت رائے منسوب
چندی گڑھی، ملنے کا پتہ: ۳-جی-۱۰-ڈی-چندی گڑھ، پنجاب۔
صفحات ۳۰۰ قیمت درج نہیں۔

اس شعری مجموعہ میں منسوب نے مختلف موضوعات پر خود اپنے اور دیگر شعراء کے تقریباً پانچ ہزار اشعار جمع کئے ہیں جو تقریباً دوسو عنوانات پر مشتمل ہیں۔ کسی ایک عنوان کے تحت استادان فن کے عمدہ اشعار کو ترتیب دینا کوئی سہل کام نہیں ہے۔ اس میں مرتب کے مذاق اور مطالعہ کو کافی دخل ہوتا ہے۔ «گلزار لکھپت رائے» کے مرتب نے یہ مرحلہ عمدگی سے طے کیا ہے۔

ڈاکٹر آدم شیخ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
اور
ادبی پبلشرز
کی مطبوعات

	قیمت
۱۔ ولی گجراتی از ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	۳ روپے
۲۔ نور المعرفت از ولی گجراتی مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیرالدین عرفی	۲ «
۳۔ اردو مخطوطات مسجد جامع، بمبئی مرتبہ مولوی حامد اللہ ندوی	۴ «
۴۔ میرزا مظہر جان جاناں از عبدالرزاق قریشی	۶ «
۵۔ لغات گجری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی	۱۰ «
۶۔ دیوان عزلت « عبدالرزاق قریشی	۱۰ «
۷۔ مبادیات تحقیق از « «	۴ روپے، ۵۰ پیسے
۸۔ نوائے آزادی مرتبہ « «	۵ روپے
۹۔ مقالہ نما (نوائے ادب) مرتبہ مس رقیہ انعامدار	زیر طبع
۱۰۔ راگ مالا از سید عبد الولی عزلت مرتبہ عبدالرزاق قریشی	زیر طبع

ملنے کا پتا:
ادبی پبلشرز، شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

Publications of the Islamic Research Association, Bombay

1. **Diwan of Khaki Khorasani.** Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 6-00

2. **Two Early Ismaili Treatises (Haft Babi Baba Sayyidna and Matlubu'l-Mu'minin)** by Nasiru'd-din Tusi. Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 4-00

3. **True Meaning of Religion (Risala Dar Haqiqati Din)** by Shihabu'd-din Shah. Persian text, with English translation by W. Ivanow. Rs. 4-00

4. **Kalami Pir,** or **Haft Babi Sayyid Nasir.** Persian text, edited and translated into English by W. Ivanow. Rs. 7-50

5. **Arabon-ki Jahaz-Rani (Arab Navigation)** by Syed Sulaiman Nadwi. In Urdu (Revised Edition). Rs. 6-00

6. **The Book of Truthfulness (Kitab al-Sidq)** by Abu Sa'id al-Kharraz. Arabic text, edited and translated by A. J. Arberry. Rs. 4-00

7. **Al-Hidayatu'l-Amiriya.** Arabic text, edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs. 5-00

8. **Islamic Research Association, Miscellany, Volume I,** edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs. 12-50

9. **The Nuh Sipihr of Amir Khusraw.** Persian text, edited by Mohammad Wahid Mirza. Rs. 15-00

10. **Kitabu'l Kashf of Ja'far B. Mansuri'l Yaman.** Arabic text, edited by R. Strothmann. Rs. 25-00

ملنے کا پتہ:

ادبی پبلشرس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

Adabi Publishers, 8, Shepherd Road

BOMBAY-8

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription :

Inland & Pakistan : Rs. 6 Foreign : Shillings 12
(inclusive of postage)

Price per copy: Rupee one & Paise fifty

[Vol. 21 1970 JANUARY - MARCH No. 1]

All remittances to be made to

THE ADABI PUBLISHERS

8 Shepherd Road, Bombay 8 (India)

انجمنِ اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرز (شعبۂ اشاعت انجمنِ اسلام) ممبئی ۸

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(سنی بوہرہ بمبئی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:- چھ روپے } مع محصول ڈاک

فی پرچہ:- ڈیڑھ روپیہ

ایڈیٹر: عبدالرزاق قریشی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادابھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

نوائے ادب بمبئی

تاریخ اشاعت اپریل ۱۵ ۱۹۷۰

جلد ۲۱ اپریل ۱۹۷۰ شمارہ ۲

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نصرتی کی چار غیرمطبوعہ غزلیں	محمد ہاشم علی	۱
۲	اردو میں فہرست اور ... مسائل	شاکرہ بیگم	۹
۳	تاریخ کوکر	انور احمد	۱۳
۴	مقالہ نما	رقیہ انعام دار	۱۔۶۶

* محمد ہاشم علی

نصرتی کی چار غیر مطبوعہ غزلیں

بابائے اردو (مولوی) عبدالحق نے نصرتی پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں اس کی چار تصانیف کا ذکر کیا ہے:

۱ - گلشن عشق

۲ - علی نامہ

۳ - تاریخ سکندری

۴ - دیوان قصائد و غزلیات و رباعیات

دیوان قصائد و غزلیات و رباعیات ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ البتہ (مولوی) عبدالحق نے نصرتیؒ کی کچھ رباعیات اور تین غزلوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی ایک مسلسل غزل ہے جس میں گیارہ شعر ہیں اور جس کا مطلع ہے:

چندر بدن کہیا تو کہے موں سنبال بول
سررج مکھی کہیا تو کہے یوں نہ گھال بول

اس غزل کا مقطع ہے:

بولیا کہ دیکھنے میں تجھے طبع تازہ ہوئے
کہے نصرتی تو ویسے میں نازک خیال بول

دوسری غزل وہ ہے جو نصرتی نے بعض شاعروں کی ہجو میں لکھی ہے اور جس کے دو چار شعر (مولوی) عبدالحق نے نقل کئے ہیں۔ نیچے اس کے دو شعر دئے جاتے ہیں:

نا وزن، نا تلازم، نا قافیہ ردیف ہے
مہمل بچن سراسر جانو بحور جوڑا

---

* محمد ہاشم علی، ام؛ اے۔ (اردو) : ام۔ اے۔ (فارسی)؛ ال ال۔ بی۔ (عثمانیہ)، لکچرر ڈپارٹمنٹ آف پوسٹ گریجوئٹ اسٹڈیز اینڈریسرچ ان اردو میسوریونیورسٹی، میسور؛ مرتب مغز مرغوب و چہار شہادت از میراں جی شمس العشاق وغیرہ۔

اے نصرتی کلاکر اب چُپ رہنا بھلا ہے
بادل کے گڑگڑے سوں طبل ہوا ہے بوڑا

بابائے اردو نے نصرتی کی جو تیسری غزل نقل کی ہے اس کا مطلع ہے :

مغرور بےخبر ہے مد سوں مدن کی بالی
عالم کے جیؤ کتے سو لوچن میں رہی لالی

اور اس کا مقطع ہے :

سرمست نصرتی سوں جلسے نہ کچ حریفی
خوباں کی بزم کا ہے وہ رند لا اُبالی

ماہ جنوری ۱۹۶۶ء کے ماہنامۂ سب رس میں مولوی اکبرالدین صدیقی نے پانچ اشعار پر مشتمل نصرتی کی ایک فارسی غزل شائع کی ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے :

از پنجۂ من چاک گریباں گلہ دارد	وز گریۂ من گوشۂ داماں گلہ دارد
دامانِ نگہ تنگ، گلِ حسنِ تو بسیار	گل چینِ بہارِ تو ز دامان گلہ دارد
گہ بت شکنم گاہ بہ مسجد زنم آتش	از مذہبِ من گبر و مسلمان گلہ دارد
از بسکہ بہ زندان غمت دیر بماندیم	زنجیر بہ تنگ آمد و زندان گلہ دارد
گہ گریم و گہ خندم و گہ آہِ جگرسوز	ای نصرتی از وضعِ تو جاناں گلہ دارد

اسی زمین میں مرزا صائب اصفہانی کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے :

از گرمیِ اشکم صفِ مژگان گلہ دارد	زین آبلہ با خارِ مغیلان گلہ دارد

صائب کی « مژگان گلہ دارد ــــ خار مغیلان گلہ دارد » کی زمین میں بعد کو مرزا عبد القادر بیدل نے بھی غزل لکھی جس کا مطلع ہے :

از پنبہ اگر آتش سوزان گلہ دارد	دیوانہ ہم از خار بیابان گلہ دارد

لیکن بیدل کی یہ غزل نصرتی تک نہ پہنچ سکی یا ممکن ہے کہ نصرتی کی زندگی میں کہی نہ گئی ہو ، کیونکہ وہ ۱۰۸۵ھ میں شہید کردیا گیا اور « نصرتی شہید رہے » سے اس کی تاریخ رحلت نکلتی ہے ، اور مرزا بیدل نے ۱۱۳۳ھ میں دہلی میں انتقال کیا ۔ مولوی اکبرالدین صدیقی کا یہ قیاس بالکل صحیح ہے کہ صائب کی غزل پر ہی نصرتی نے غزل کہی ہوگی ۔

اگرچہ اب تک نصرتی کی صرف ایک ہی فارسی غزل منظر عام پر آئی ہے لیکن صرف اِسی ایک غزل سے اُس کی فارسی شعر گوئی کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔

اس فارسی غزل کے علاوہ مولوی اکبرالدین صدیقی نے نصرتی کی دو دکنی غزلیں بھی شائع کی ہیں جن میں سے ایک تو وہی ہے جس کو بابائے اردو نے اپنی کتاب نصرتی میں نقل کیا ہے اور جس کا مطلع ہے :

مغرور بے خبر ہے مد سوں مدن کی بالی
عالم کے جیوٗ کتے سو لوچن میں رہی لالی

البتہ صدیقی صاحب کی شائع کی ہوئی دوسری غزل پہلی بار منظر عام پر آئی ہے ۔ اس کا مطلع ہے :

دھن کا لب ہور گلا دیکھت ساقی مدام
مے کی صراحی پچھاڑ ہت تھے سٹتا ہے جام

مقطع یہ ہے :

عشق کرے صدق سوں لاف نہ کر نصرتی
عین یو سرمست کا آپس کوں آئے سلام

مولوی اکبر الدین صدیقی کی نقل کی ہوئی ایک دکنی غزل اور مولوی عبدالحق کی نقل کی ہوئی تین غزلوں کو ملا کر اب تک نصرتی کی جملہ چار دکنی غزلیں منظر عال پر آئی ہیں ۔ ان چار غزلوں کے علاوہ راقم الحروف کو نصرتی کی مزید چار دکنی غزلوں کا پتہ چلا ہے ۔ یہ غزلیں ایک بیاض میں لکھی گئی ہیں اور یہ بیاض آج بھی کتب خانۂ گچی محل ، بیجاپور، میں موجود ہے ۔ ذیل میں ان چاروں غزلوں کو درج کیا جاتا ہے ۔

مضمون نگار جناب مرتضیٰ قادری صاحب (کتب خانۂ گچی محل ، بیجاپور) کا سپاسگزار ہے کہ انھوں نے ان چاروں غزلوں کو نقل کرنے کی سہولت اور ان کی اشاعت کی اجازت سے سرفراز فرمایا ۔

غزل نمبر ۱

(۱) اُوسی کا دھیان مُجہ بس ہے پندیہوں[1] دل مرا جس سوں[2]
اگر عالم اَچھے[3] تو کیا مجھے کچہ کام نئیں کس سوں

(۲) سنگانے باس[4] نئیں[5] تن کی تو جیو[6] تن میں بی[7] ہوتے تو کیا
نہ لگتا تن کوں پیارا جو نہ اُلفت تس[8] کی ہوی اِنسوں

(۳) کیا ساتی[9] جو سمکہ[10] تے[11] روا رکہ مجہ یو[12] تنہائی
اپس صورت ہی درپن میں نہ دیکھوں روبرو اِس سوں

(۴) برہ[13] مجہ سُرخ رنگ اکثر کیا تو زرد کچھ غم نئیں
کہ کامل کیمیاگر بن سکیں کنچن[14] مس[15] سوں

(۵) پرت[16] کے مد کی سُدبُد[17] کوں نہ پوچھو بات سُدبُد کی
کہ جیو سرمست ہوتے مجھ تن ٹلتا ہے سب جس سوں

(۶) گمت[18] مجھ پیو[19] دیا سو دُکھ زرینہ لے سو مےء خواری
نہ اُس بن کل پڑے یک تل ہور اُس بن خواب نا دسوں[20]

(۷) سکیا[21] اُس رات ہور دن کوں جگت[22] تے ست[23] گذر جانا
ہوا ہے دیس[24] دشمن ہور لگیا ہے بیر آنس[25] سوں

(۸) سُورج زہر ہلاہل کا ہوا ہے مجھ جام الکھے[26]
بھریا ہے چاند کانسہ جوں نچہل الماس کے بس[27] سوں

(۹) اُبولے[28] دھن کے سکواسیاں[29] چھٹے سکھ دکھ لیویں
جو کوی جس کچہ پُو ماہر نیں ابس[30] ہے بات ہی تس سوں

(۱۰) برہ میں پیو کی جن دل کا ترنج[31] ہات اپس کاٹے
اُسے کیا کام یوسف ہور زلیخا کی وو[32] مجلس سوں

(۱۱) علی شہ پیو کے ملنے کی الہی کوی تو سُدبد لو
منگے تا جگ خوشی کا دَہن جو مجہ تے سگِ مفلس سوں

(۱۲) غزل فرمائی پر شاہی[33] کیا ہے نصرتی جوں تیوں
جگت گُر[34] پن پسند کرنی کو کوشش کر اپس سس[15] سوں

غزل نمبر ۲

۱۔ سکی[۳۶] یوں صاف سینا رکھ کہ تِس دیکھے پہ من دِسنا[۳۷]
غصہ یا مہر کا مجھ پر جو ہے اوس میں سوں فن دِسنا

۲۔ ہنرمند آرسیاں کا جو صفا صندوق کرتا ہے
سبب ییشی[۳۸] ہے کہ بن کھولے رکھے سو ہر رتن دسنا

۳۔ نول[۳۹] ای باغ خوبی لٹک جا ٹک نظر میں رے
ہوس ہے چھاوں تے تجہ کی انگن[۴۰] سب پھول بن دسنا

۴۔ آنجن[۴۱] کر گرد تجہ پگ[۴۲] کے ، کیا منجہ نین[۴۳] روشن یوں
آنچل کا اوٹ[۴۴] اگر ہے تو بی سب جوبن کا دَھن دِسنا

۵۔ تر ڈلنی[۴۵] کو دیکھے کر پیالے بھر پلاتا ہوں
لٹکتا سرو اس خوبی سوں کاں ای[۴۶] من موہن[۴۷] دِسنا

۶۔ تماشا کچہ دکھانا تو چھپا روما ولی[۴۸] تو مت[۴۹]
کہ اول سیر گلشن میں نظر چلنے چمن دسنا

۷۔ بہلیاں[۵۰] باتاں بو خوباں کی کھولے کیوں نصرتی کا دِل
کہ نیں میلا ہے جس کا دِل جو تس نرمل[۵۱] نیَن دِسنا

غزل نمبر ۳

دِسن[۵۲] سوں تجہ دَہن ای دھن آُمولک[۵۳] کہن گر کا ہے
کہ ہر الماس صاف اس میں مگر ٹکڑا چندر[۵۴] کا ہے

۲۔ نظر تجہ زلف پر چلتی پریشاں ہو کہ دل بولیا[۵۵]
کہ ای مردم سنبالو ہوسہ بوجا کا گذرگا[۵۶] ہے

۳۔ کیا تجہ زلف کے لک ذہر بچن میں باوتی نازک
غرض کس موشگافی میں دہنداہے تجہ کمر کا ہے

۴۔ دیکہت چھلکات اُن مکہ[۵۷] کی صفائی دیکھ حیراں ہوں
کہ کیوں خورشید نکلیا ہور اچھوں چندناں سحر کا ہے

۵۔ بچن کڑوے بی تجہ لب کے پہ لگتے ہیں نکلنے پر
سمجھتا نیں ہنر کیا یو رسیلی تجہ آدھر[۵۸] کا ہے

٦۔ میٹھے معانیانمیں[۵۹] سب اچکر[٦۰] روکھی صورت ِ دسنا سو
ترے اس ظاہر و باطن میں سب شیوا شکر کا ہے

۷۔ چھکے تجہ جگ پو ریجا[٦۱] سو لگیا ہے نصرتی بکنے
جلالی تُس بچن پر کیوں کہ سب جوش اس اثر کا ہے

غزل نمبر ۴

۱۔ تھوڑی ہور کچہ تری دیکھت کتا دل بےشکیب اچھنا
کدی[٦۲] کچہ ہاتھہ میں نازک کدی تو لب میں سیب اچھنا

۲۔ بہولائے دل کو بہولے بجہ اوچک تجہ جک بہلے پن[٦۳] سوں
نہ ہو ہر مردی تو یو جو یوں مردم فریب اچھنا[٦۴]

۳۔ دیکھا دہن نازکی تارے کوں کھوٹا کر پر انیانمیں
ابس میدان خالی ہے تو واں دو ایک رکیب[٦۵] اچھنا

۴۔ کھولیاں کچہ روبرو باتاں پریاں تو کیا رقیباں سوں
ولی تو بی چھپی اس میں بی تو منجہ دبیر اریب اچھنا

۵۔ پکڑ تجہ درسنیانکی صف میں نیچے ٹھار[٦٦] بیٹھا میں
صفت پانی کے لے ملنے کوں یک جاگا[٦۷] نشیب اچھنا

٦۔ پکڑ اوٹھناچہ[٦۸] دامن تجہ ہے دست آویز محشر میں
کہ سپوٹ[٦۹] کہ حسابی بجہ عمل روزِ حسیب اچھنا

۷۔ درس تجہ نصرتی کے جوں نین کوں روزِ زینت ہے
مندہیر میں رات ای دہن توں مل بسی تے زیب اچھنا

فرہنگ

۱ بندیھوں ۔ بندھا ہوا ہو
۲ سوں ۔ سے
۳ اچھے ۔ (اچھنا سے بمعنی رہنا) رہے
۴ باس ۔ بُو
۵ نئیں ۔ نہیں
۶ جیؤ ۔ جان
۷ بی ۔ بھی
۸ تِس ۔ جس
۹ ساتی ۔ ساتھی
۱۰ سَمُکھ ۔ سامنے
۱۱ تے ۔ سے
۱۲ یو ۔ یہ (ایسا ، ایسی)
۱۳ برہ ۔ ہجر
۱۴ کنچن ۔ سونا ، طلا ، زر ، ذہب
۱۵ مس ۔ مس کرنا ، چھونا ، تانبا
۱۶ پِرت ۔ پریت ، محبت
۱۷ سُدبد ۔ سدھ بدھ
۱۸ گُمت ۔ گم ہوجانا
۱۹ پِیُو ۔ محب ، عزیز ، پیارا ، عاشق مالک
۲۰ دسوں ۔ (دسنا بمعنی دِکھنا سے) دیکھوں
۲۱ سَکیا ۔ (سَکھا) دوست ، ساتھی ، محب ، ندیم
۲۲ جگت ۔ دنیا ، جہاں ، روزگار ، زمانہ ، گیتی
۲۳ سٹ ۔ (سٹنا) ڈالنا ، چھوڑنا ، پھینکنا
۲۴ دِیس ۔ دن
۲۵ نس ۔ رات
۲۶ لکھے ۔ لکھنا ، دیکھنا ، تاکنا ، جاننا ، سمجھنا ، پہچاننا
۲۷ بِس ۔ (وش) زہر
۲۸ اَبُولے ۔ بِن بولے ، جو بولتا ہی نہین
۲۹ سکواسیاں ۔ سُکھ واسیاں سکھ میں رہنے والے ، عیش پرست
۳۰ ابس ۔ عبث
۳۱ ترنج ۔ لیموں
۳۲ وو ۔ وہ
۳۳ کَیا ۔ کہا
۳۴ گُرُ ۔ گُرو
۳۵ سِس ۔ چیلا ، شاگرد
۳۶ سکی ۔ سَکھی ، ہمجولی ، سہیلی
۳۷ دِسنا ۔ نظر آنا

۳۸ یئی ـ یہی
۳۹ نول ـ نیا
۴۰ انگن ـ آنگن، صحن
۴۱ آنجن ـ کاجل
۴۲ پگ ـ پاؤں، پیر
۴۳ نین ـ آنکھ، چشم
۴۴ اوٹ ـ پردہ، کوئی چیز جو حائل ہو
۴۵ ترڈلنی ـ تیرا ڈولنا
۴۶ ای ـ یہ
۴۷ من موہن ـ دلربا، محبوب
۴۸ روماولی ـ سراپا
۴۹ مت ـ نہیں، نہ
۵۰ بھلیاں ـ بھلے کی جمع
۵۱ نرمل ـ صاف، شفاف
۵۲ دسن ـ دسنا بمعنی دیکھنا سے
۵۳ امولک ـ انمول
۵۴ چندر ـ چاند
۵۵ بولیا ـ بولا
۵۶ گذرگا ـ گذرگاہ
۵۷ مُکھ ـ چہرہ
۵۸ اَدھر ـ لب
۵۹ معانیاں میں ـ معنوں میں
۶۰ اچکر ـ رہ کر، ہوکر
۶۱ ریجانا ـ خوش کرنا
۶۲ کدی ـ کبھی
۶۳ بھلے پن ـ بھولے پن
۶۴ اچھنا ـ رہنا
۶۵ رکیب ـ رقیب
۶۶ ٹھار ـ جگہ
۶۷ جاگا ـ جگہ
۶۸ اوٹھناچ ـ اٹھنا ہی
۶۹ سپوٹ (سُپھٹ) ـ ظاہر، روشن، عیاں، آشکارا، صاف، الگ.

* شاکرہ بیگم

اردو میں فہرست اور اشاریہ سازی کے کچھ مسائل

کتابوں اور کتب‌خانوں کی افادیت کے بارے میں ایک مشہور مقولہ ہے : ٹھیک وقت پر ٹھیک قاری کے لئے ٹھیک کتاب ۔ اگر ایسا نہ ہوسکے تو کتاب بےجان ہے اور کتاب‌خانہ بےفائدہ ۔ اس خدمت کو انجام دینے کے لئے صحیح اصولوں پر کتابوں کی فہرست سازی اور رسالوں اور اخباروں میں شائع ہونے والے مواد کی اشاریہ سازی کی ضرورت ہوتی ہے ۔

ہندوستان مین اردو ، فارسی اور عربی ادب کے لئے مختص کتب‌خانوں کی قابل لحاظ تعداد کے علاوہ ہر بڑے عوامی اور جامعاتی کتب‌خانے میں ان کتابون کے لئے علاحدہ شعبہ قائم ہے ۔ عموماً ان سب کتب خانوں میں مطبوعہ یا کارڈ کیٹلاگ موجود ہے ۔

جہاں تک میری واقفیت ہے ان فہرستوں کی تدوین کے لئے متعلقہ کتب خانوں کے لائبریرین یا انچارج اپنے طور سے اس مخصوص کتب خانے کی حد تک فہرست سازی کے کچھ اصول مدون کرلیتے ہیں جن پر عمل درآمد ہوتا رہتا ہے ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ متعلقہ انچارج یا لائبریرین کی تبدیلی کے ساتھ ہی نئے نگران کار ان اصولوں میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کردیتے ہیں جو کبھی ضروری ہوتی ہے تو اکثر غیرضروری بھی ہوتی ہے ۔ اس کی وجہ سے فہرست سازی کی اہم ترین ضرورت یعنی یکسانیت مار کھاجاتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو میں فہرست سازی کے کوئی مسلمہ اصول نہیں ہیں ۔ اس کے نتیجے میں نقصان ہوتا ہے قاری کا جسے وقت پر کتاب نہیں ملتی یا بہت دیر سے ملتی ہے ۔

حال ہی میں نیشنل لائبریری ، کلکتہ ، کی جانب سے جو اردو کتابیات شائع ہوئی ہیں ان میں بھی یہ عدم یکسانیت بار بار کھٹکتی ہے ۔ نوائے ادب میں مضامین

---

* امۃ الواحد شاکرہ بیگم ، ام. اے. (اردو) ؛ ام. اے. (ہندی) ؛ بی. لب ؛ اسسٹنٹ لائبریرین ، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری ، حیدرآباد؛ سکریٹری ، آندھرا پردیس لائبریرز ایسوسی‌ایشن ، حیدرآباد ۔

کے اشارئے میں بھی کبھی کبھی یہ عیب ناگوار گذرتا ہے ۔ اس کی وجہ ناواقفیت نہیں بلکہ وسائل کی کمی ہے ۔

بڑے کتب خانوں کے اردو شعبوں میں اس خامی کی دو وجہیں سامنے آتی ہیں ۔ سابق میں یہ غلطیاں اس لئے ہوتی رہیں کہ شعبۂ مشرقی کے انچارج حضرات علوم مشرقی کے تو ماہر ہوتے تھے لیکن جدید علم کتاب داری سے ناواقف محض تھے ۔ حالیہ دور کے انچارج جدید لائبریری سائنس سے تو واقف ہوتے ہیں مگر اردو جاننے کے باوجود عربی ، فارسی اور خود اردو کی بیشتر روایات سے نابلــد ہوتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان شعبوں کی افادیت میں معتد بہ کمی ہوجاتی ہے ۔ ابھی حال ہی میں ایک بڑی لائبریری میں اہم قسم کی چند فروگذاشتیں دکھائی دی ہیں ۔ ان کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔ اس کتب خانے کی فہرست میں گاندھی جی کی کچھ کتابوں کا اندراج « مہاتما گاندھی » کے ذیل میں کردیا گیا تھا ، اور آہ سیتاپوری کی کتاب کا اندراج ڈاکٹر آہ سیتاپوری کے ذیل میں ہوا تھا ۔ مشکل یہ ہو رہی تھی کہ مطلوبہ کتابوں کے صحیح نام بھی قاری کو یاد نہیں رہے تھے ۔ کافی وقت ضائع کرنے کے بعد کہیں جاکر کتابوں کا پتہ چلا ۔

یہ تو تھا قدیم طرز کی تعلیم پائے ہوئے فہرست ساز کا کارنامہ ۔ اب جدید ڈگری ہولڈر کو دیکھئے جن کے پیش نظر انگریزی ناموں کے اندراج کا یہ اصول رہتا ہے کہ مصنف کا اندراج ہمیشہ اس کے نام کے دوسرے جز کے ذیل میں ہو ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احسان اللہ کی کتابیں اللہ میں ، موہن سنگھ کی کتابیں سنگھ میں ، راجندر پرشاد کی کتابیں پرشاد میں اور عزیز احمد کی کتابیں احمد میں درج ہوکر قاری کی زحمت اور تضیع اوقات کا باعث بن جاتی ہیں ۔

مسلمان پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر جگہ ان کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ مقامی تمــدن و معاشرت کو قبول کرلینے کے باوجود بنیادی اسلامی خصوصیتوں یا مزاج کو برقرار رکھتے ہیں ۔ یہی حال مسلمانوں کے ناموں کا ہے ۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ناموں پر بھی یہ چھاپ لگی ہوئی ہے ۔ ان ناموں میں اسلامی مزاج کے ساتھ مقامی اثرات واضح ہیں ۔ خود ہندوستان کے مختلف حصوں میں رہنے والے مسلمانوں کے نام اس خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں ۔

دنیا کی اہم زبانوں کے ادب کا ترجمہ بھی اردو میں ہوتا رہتا ہے ۔ اس کے

پیش نظر ہندوستان کے اردو فہرست اور اشاریہ ساز کو سہ گونہ دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو اسے عربی، فارسی ناموں کی ساخت اور اجزا سے واقف ہونا پڑتا ہے، دوسری طرف مقامی خصوصیات کا علم اس کے لئے ضروری ہے، اور تیسری طرف جدید معاشرت سے متأثر یورپین طرز کے ناموں کی جان کاری لازم آتی ہے۔ ان تینوں میں سے کسی ایک سے بھی ناواقفیت کسی فہرست میں عدم یکسانیت اور بے ترتیبی پیدا کردے سکتی ہے۔

اسلامی نام مندرجۂ ذیل میں سے چند یا سبھی اجزا پر مشتمل ہوتے ہیں:

۱ خطاب
۲ کنیہ یا کنیت
۳ نام
۴ لقب
۵ نسب یا شجرہ
۶ عرف
۷ نسبت
۸ تخلص

فہرست سازی کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ مصنف کے نام کے کس جز کے ذیل میں کتاب کا اندراج کیا جائے۔ ایک اردو فہرست ساز کے سامنے اس سلسلے میں آنے والے چند مسائل درج ذیل ہیں:

۱) ہندوستان کے مسلمان لکھنے والوں کے نام کے کس جز کے ذیل میں کتاب کا اندراج کیا جائے جس سے مصنف کے نام کی تخصیص ہو۔ نام کے باقی اجزا کو کس ترتیب سے لکھا جائے۔

۲) خطاب کے کس جز کو لکھا جائے اور کس جز کو ترک کیا جائے اور کس جز کو ابتدا کی بجائے آخر میں لکھا جائے۔

۳) حالیہ دور میں تو ہندوستان کے مصنف کنیت اور نسب کو استعمال نہیں کرتے مگر دوسرے عربی ممالک اور سابقہ دور میں جب اس کا طریقہ رائج تھا، اس دور کے مصنفین کے ناموں میں کنیت کا کیا مقام ہو۔ نام سے پہلے لکھی جائے یا بعد میں۔ نسب اگر لکھا جائے تو کس واسطے تک لکھا جائے۔

۴) کس طرح کی نسبت کو قائم رکھا جائے اور کس کو نظر انداز کردیا جائے ۔ نام و نسب میں کس کو فوقیت دی جائے ۔

۵) نام کے ساتھ رکھے جانے والے باعث برکت یا روایتی لاحقوں اور سابقوں کو کس حد تک باقی رکھا جائے اور کس حد تک ترک کردیا جائے ۔ اگر باقی رکھا جائے تو ان کا مقام اور ترتیب کیا ہو ۔

٦) تخلص اور قلمی نام کو مساوی درجہ دیا جائے اور اس کے ذیل میں کتاب کا اندراج ہو یا دونوں کی الگ الگ درجہ بندی ہو ۔

۷) مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب یا قومیتوں کے مصنفین کے ناموں کو کس طرز میں لکھا جائے ۔ ان کے اپنے مروجہ طریقے سے یا اردو کے مزاج اور روایت کے پیش نظر کوئی علاحدہ طرز قائم کیا جائے ۔

یہ تو انفرادی ناموں کے مختلف اجزا کے متعلق درپیش مسائل ہیں ۔ خود مصنف مختلف اوقات میں اپنے نام مختلف طرز سے لکھا کرتے ہیں ۔ ان میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے ایک فہرست ساز کو کیا تدابیر اختیار کرنی ہوں گی ۔ یہی حال ناموں کی تبدیلی کا ہے ۔ خواتین کے نام بھی اپنی کچھ خصوصیات رکھتے ہیں ۔

انفرادی مصنفین کے علاوہ حکومت ، اداروں اور انجمنوں کی جانب سے بھی کتابیں شائع ہو رہی ہیں جہاں کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری فرد کے بجائے جماعت یا ادارہ کی ہو جاتی ہے ۔ ان ناموں کے لکھنے کے متعلق بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے فہرست ساز شعوری طور پر کام نہیں کر رہے ہیں ۔ ان کے نام کے اندراج کے متعلق بھی واضح اصول مرتب کرنے کی ضرورت ہے ۔

یقیناً اکثر کتب خانوں میں ان تمام مسائل کو حل کیا گیا ہوگا اور اچھی طرح حل کیا گیا ہوگا ۔ تاہم ان کو ایک مسلمہ حیثیت دینے اور عام فہرست ساز کو ان سے روشناس کرانے کی ضرورت ہے ۔ اس فن سے متعلقہ ماہرین اس بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے مناسب نتائج پر چاہے متفق نہ بھی ہوں مگر اصول سامنے آسکتے ہیں اور اس سے اردو زبان اور ادب کی بڑی خدمت ہوگی ۔

٭ انور احمد

نقد و تبصرہ

تاریخ کوکن

تاریخ کوکن ڈاکٹر مومن محی الدین ، ام اے ؛ پی اچ ۔ ڈی ۔ (اڈنبرا) کی تصنیف ہے اور اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے ۔ چونکہ مجھے بھی اس خطۂ ہند کی تاریخ سے شغف ہے اس لئے اپنی محدود معلومات میں اضافہ کی غرض سے میں نے کتاب مذکور کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا ۔ کتاب کو پڑھ کر میرے ذہن میں چند شکوک پیدا ہوئے ۔ انہیں کا اظہار یہاں کرنا چاہتا ہوں ۔

تاریخی کتاب کی تمامتر اساس اور دار و مدار ان کتابوں پر ہوتا ہے جن کی مدد سے مصنف اپنی کتاب تصنیف کرتا ہے ۔ وہ سکوں ، کتبوں ، دستاویزوں اور مخطوطات کی جانچ پڑتال اور آرکیولاجکل رپورٹ کی روشنی میں بھی تاریخی واقعات وحوادث کو ضبط تحریر میں لاتا ہے ۔ زیر بحث کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو مصنف نے سکوں اور سنگی کتبوں کا بذات خود معائنہ نہیں کیا ہے تاہم اس نوعیت کے حوالے کتاب میں نظر آتے ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کسی بھی جدید آرکیولوجکل رپورٹ کی مدد نہیں لی ہے ، ورنہ سوپارہ کے تاریخی استوپ سے دریافت شدہ نایاب باقیات (Relics) کا حوالہ ان کی کتاب میں ضرور نظر آتا ۔ اسی خطے سے اشوک اعظم کے دو سنگی فرمان (Rock Edicts) اور خانوادۂ ساتواہن کے عہد کے رنگ ولز (Ring Wells) بھی دریافت ہو چکے ہیں ۔

صفحہ ۳۲ پر مصنف نے شہر بھیمڑی[1] کی وجہ تسمیہ کی وضاحت میں بطلیموس (۱۵۰ ء) کے « بنڈا » (Binda) کو بھیمڑی سے تعبیر کیا ہے اور حوالے کے لئے تھانہ گزیٹیر، جلد دوم ، صفحہ ۴۱۶ پیش کیا ہے ۔ لیکن گزیٹیر میں مذکورہ صفحہ پر

---

۱ اتفاق سے بھیمڑی فاضل مصنف کا پیدایشی شہر ہے ۔

* انور احمد سوپاردوی

سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں ، بلکہ صفحہ ۴۱۵ کے حاشئے پر مندرجۂ ذیل بیان ملتا ہے :

« بطلیموس نے تھانہ کے قرب میں سات مقامات کا ذکر کیا ہے جنھیں ہم بآسانی شناخت کرسکتے ہیں :

۱ - نوساری (نوساری پا)
۲ - ویترناندی (گورس) گورس اس لئے کہا کہ یہ گورہ نامی گاؤں سے نکلتی ہے ۔
۳ - دونگا (وجریشوری کے قریب دوگاڑ یا تنگار پہاڑ)
۴ - بنڈا (بسین یا بھائیندر)
۵ - میمولا (چول)
۶ - بیلے پٹن یا پال (نزد مہاڈ) »

تھانہ گزیٹیر کے تیسرے حصے میں بھی بنڈا کو بسین یا بھائیندر سے تعبیر کیا گیا ہے ۔[۱] اگر مصنف کی نظر میں بنڈا سے مراد بھیمڑی اور دونگا بندر سے مراد ڈُنگا بندر (نزد بھیمڑی) ہے تو تھانہ گزیٹیر کے حوالے کی کیا ضرورت تھی جو ان کے استنباط کی حمایت نہیں کرتا ۔ یہ اصول تحقیق کے خلاف ہے ۔

بھیمڑی کا پرانا نام غالباً بمب‌ستھان تھا جسے دیوگیری کے بمب دیو نے بسایا تھا ۔[۲] بھیمڑی کوئی قدیم بستی نہیں ہے ۔ اس کی قدامت چھ، سات سو سال سے تجاوز نہیں کرسکتی ۔

صفحہ ۷۳ پر ڈاکٹر مومن نے لکھا ہے کہ « کارولی (بھیونڈی) میں دگمبرجین کا مندر اور خود سلاہاروں کی تعمیر کی ہوئی چٹائیں میں (کذا) ان کی مذہبی رواداری کی روئداد کہتی نظر آتی ہیں ۔ » حوالے کے لئے History of the Konkan by Nairne کو پیش کیا گیا ہے ۔ پتہ نہیں انہوں نے غلط حوالہ کیوں دیا ۔ یہ حوالہ تھانہ گزیٹیر ، حصۂ سوم کے صفحہ ۵۰ پر موجود ہے ۔

نواب معتبر خاں کے تہذیبی کارناموں کی بابت صفحہ ۴۴۰ پر ڈاکٹر مومن رقمطراز ہیں :

« شہرپناہ کی تکمیل تعمیر ایک سنگی کتبہ کی رو سے سنہ ۱۰۹۴ھ

---

۱ Thana Gazetreer, Vol. XIV, Part III, P. 291 (Foot note)

۲ Thana Gazetteer, Vol. XIV, Part II, P. 437

مطابق ۱۶۹۴ء میں ہوئی۔ درگاڑی قلعہ فصیل سے باہر تھا۔ جہاں ایک مقبرہ اور عیدگاہ کا وجود اس قطعۂ آراضی پر مسلم اثرات کا ثبوت بنا ہوا تھا وہیں ایک مختصر سی مسجد بھی تھی جو مسلمان محافظ دستے کی عبادت کے لئے وقف تھی۔» (تھانہ گزیٹیر، ج ۱۴، قابل دید مقامات، ص ۱۱۸ اور فٹ نوٹ)

سنہ ۱۶۹۴ کے لئے اسلامی تاریخ ۱۱۰۶ھ نکلتی ہے اور یہی تاریخ گزیٹیر میں بھی دی گئی ہے۔ مصنف نے شاید حوالہ دیتے وقت اس پر غور نہیں کیا۔ اور یہ بیان گزیٹیر میں ص ۱۱۸ اور فٹ نوٹ پر نہیں بلکہ صفحات ۱۱۵ تا ۱۱۷ پر ہے۔ عیدگاہ، مسجد اور کنواں ٹیکری پر موجود ہیں جسے آج درگاری قلعہ کہتے ہیں۔ یہاں کوئی مقبرہ نہیں تھا اور نہ اس کا ذکر ہی مذکورہ کتاب میں ہے۔ یہاں ڈاکٹر مومن نے ایک تاریخی حقیقت کا تذکرہ نہیں کیا۔ اسی مسجد کے عقب میں مرہٹوں نے اپنے دور اقتدار (۱۷۶۰ تا ۱۷۷۲ء) میں لکڑی کا ایک مندر بنایا تھا جو اب ناپید ہے، اور یہاں کی جامع مسجد کو رام‌جی کے مندر میں تبدیل کردیا تھا۔[1] معلوم نہیں مصنف نے اس تاریخی حقیقت کے اظہار سے احتراز کیوں کیا۔

کتاب کے صفحہ ۱۴۴ پر «نیرنے کوکن» کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ کتاب مذکور کے صفحہ ۲۶ (یا ۳۶) پر نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کتاب کے ص ۴۳۱ پر «نیرنے کوکن» کا حوالہ مذکورہ کتاب کے ص ۳۸ پر ندارد ہے، اور کتاب کے ص ۳۵۹ پر نیرنے کوکن کے ص ۱۴۳ کا حوالہ دیا گیا ہے جبکہ یہ کتاب صرف ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اور سنہ ۱۸۹۴ء کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن غالباً اب تک شائع نہیں ہوا۔ افسوس ہے کہ مصنف نے کتابوں کا حوالہ دیتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیا۔

ص ۱۶ اور ۱۷ پر سوپارہ کا نہایت مختصر ذکر ملتا ہے، حالانکہ سوپارہ (شرپارک) اپرانت کا کم و بیش ایک‌ہزار سال (۵۰۰ق‌م تا ۱۳۰۰ء) تک مرکزی شہر رہا ہے۔[2] اس شہر کا ذکر بطلیموس، پیری‌پلس، قدیم سنگی کتبوں، مہابھارت، مہادسہ اور پالی ادب میں جابجا ملتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بائبل کے اوفر (Ophir) کی تعبیر بھی بعض مؤرخین مثلاً بین‌فے، رینو، امرسن وغیرہ نے سوپارہ سے کی ہے۔[3] لیکن تاریخ

---

۱ Thana Gazetteer, Vol. XIV, Part III, P. 116

۲ Imperial Gazetteer of India, Bombay Presidency, Vol. I, P. 384 and Thana Gazetteer, Vol. XIV, Part III, P. 314.

۳ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے دانم کا مضمون «سوپارہ - تاریخ کی روشنی میں» معارف، اگست تا نومبر ۱۹۶۳ء

کوکن کے مصنف نے اس قدیم بستی کے ساتھ انصاف نہیں کیا ۔ سنہ ۱۸۸۲ع میں بھگوان لال اندرجی اور جیمز کیمپ بل کی کھدائی اور عظیم تاریخی[1] دریافت کا ان کے یہاں ذکر تک نہیں ۔ تعجب اس بات پر ہے کہ بہتیرے غیرمعروف اور تاریخی اعتبار سے غیراہم مقامات کا انہوں نے بہ تفصیل ذکر کیا ہے اور کوکن کے قدیم پایۂ تخت کو صرف ڈیڑھ صفحہ تک محدود رکھا ۔

ص ۴۵۸ پر ارنالہ کو سنجان سے قریب بتایا گیا ہے ۔ شاید ڈاکٹر موہن ارنالہ کے محل وقوع سے ناواقف ہیں ۔ ارنالہ ضلع تھانہ کے تعلقہ بسین کی ایک بندرگاہ ہے جو سنجان سے بہت دور اور بسین سے قریب ہے ۔ اگر وہ اسے بمبئی سے قریب بتاتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا ۔ بھیمڑی کو ناسک یا پونہ کے قریب بتانے کی بجائے بمبئی یا تھانہ کے قریب بتانا ہوگا ۔

ص ۳۱-۱۳۰ پر بھیم دیو کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے :

« بھیم دیو یا بمب دیو ایک راج کمار تھا دیوگیری کے یادو گھرانے سے جس کا تعلق تھا ... جس کے اردگرد خوبصورت کہانیوں کے ایسے تانے بانے بنے ہوئے ہیں کہ اصل کہانی الجھ گئی ہے اور یہ بتانا مشکل ہے کہ اس کہانی کا سرا سوریہ ونشی کشتریوں کے بیان کے مطابق انہلواڑہ کے سولنکی راج سے ملا ہوا ہے یا دیوگیری کے یادو گھرانے سے وابستہ ہے ۔ »

اس دلچسپ اور تحقیق طلب تاریخی بحث سے مصنف نے گریز کیا ہے ۔ غالباً انہوں نے بمباکین اور ڈاکٹر ڈاکنہا کی غلط بیانی پر اعتماد کرلیا ۔ اگر وہ اس تاریخی قضئے کی چھان بین کرکے بھیم دیو کو کسی ایک خانوادہ سے منسوب کرنے کی کوشش کرتے تو تحقیق کا حق ادا ہوجاتا ۔

ڈاکٹر ڈاکنہا (Dr. Dacunha) کے بیان کے مطابق بھیم راج سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہزیمت اٹھاکر جنوب کی جانب فرار ہوگیا اور ماہم (بمبئی) پر قابض ہوگیا ۔ لیکن اس کے لئے ان کے پاس کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے ۔ تقریباً تمام نامور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ محمود غزنوی کے کوچ کے بعد بھیم راج انہلواڑہ

---

[1] کھدائی کے لئے ملاحظہ ہو: Antiquariun Remains at Sopara & Padana by Bhagwanlal Indarji

لوٹ گیا اور سومنات کے مندر کو از سرِ نو تعمیر کرنے کی تدبیر پر غور کرنے لگا۔[۱] یہ مندر پہلے لکڑی کا بنا ہوا تھا جو محمود غزنوی کے ہاتھوں تباہ ہوا تھا۔ بھیم راج سنہ ۱۰۶۴ع یعنی اپنی موت تک انہلواڑہ پر حکمرانی کرتا رہا۔ اگر مذکورہ بالا واقعہ صحیح ہوتا تو پربندھ چنتامنی (Prabhandh Chintamani) اور دیواسریہ (Dvyasraya) کے جین مصنف اس کا ضرور ذکر کرتے کہ بھیم راج نے جنوب کی طرف راہ فرار اختیار کرکے وہاں اپنی سلطنت قائم کی کیونکہ انہوں نے انہلواڑہ کے چالوکیہ خانوادہ کے دورِحکمرانی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محمود غزنوی کے حملہ کے وقت کوکن پر سلہارا خاندان متصرف تھا۔ تانبے کی ایک تختی (۹۴۸ شک مطابق ۱۰۲۵ع) سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ چتراج کوکن کے چودہ سو دیہاتوں پر قابض تھا۔ اسی طرح سے کسی تاریخ میں اس بات کا تذکرہ نہیں ملتا کہ گجرات کے سالنکی خاندان کے کسی راجہ نے کوکن پر فوج کشی کی تھی۔ محض کمارپال نے اپنے سپہ سالار امباڈ کے ذریعے ملک ارجن (سلہارا) کو صرف شکست دی تھی (۱۱۶۰ع)۔ کوکن کا صوبہ اپنی مملکت میں شامل نہیں کیا تھا۔[۲]

الغرض شہزادہ بھیم دیو یادو گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور علاء الدین خلجی کے حملے کے وقت دیوگیری سے فرار ہوکر بمبئی پہنچا تھا۔

مصنف نے بہادر شاہ پر مغلوں کے عتاب کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ہمایوں بہادر شاہ کو غاصب سمجھتا تھا۔[۳] یہ درست نہیں۔ بلکہ صحیح وجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۵۳۳ء میں ایک باغی تیموری شہزادہ محمد زمان مرزا جس نے ایک مرتبہ ہمایوں کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی، آگرے سے فرار ہوکر بہادر شاہ کے دربار میں پناہ گزین ہوا۔ ہمایوں نے بہادرشاہ سے مفرور شہزادے کا مطالبہ کیا۔ مگر وہ شہزادے کو ہمایوں کے حوالے کرنے پر راضی نہ ہوا۔ اس سلسلے میں ہمایوں اور بہادرشاہ

۱　History of Gujarat by M.S. Commissariat, P. 61

۲　تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: Early History of Town & Island of Bombay by P. B. Joshi (1902), Pp. 16-17
اور «معارف» بابت دسمبر ۱۹۶۹ «عروس البلاد بمبئی کی تاریخی سرگذشت» از انور احمد سوپاروی

۳　تاریخ کوکن، ص ۳۵۶

میں جو تند و تیز مراسلت ہوئی اس کا مفصل تذکرہ « مرآۃ سکندری » میں موجود ہے۔ آخر ہمایوں نے لکھا کہ وہ گجرات پر فوج کشی کرنے پر مجبور ہے۔ بہادر شاہ نے پھر جواب دیا کہ شہزادہ اس کا دوست ہے اس لئے اس کی مدد کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا ہے۔[1] اس کے بعد ہمایوں نے گجرات پر حملہ کیا۔

بعض جگہ مصنف نے بلا کسی حوالہ کے تاریخی انکشافات کئے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنے شہر بھیمڑی کو « باب المکہ » کی حیثیت دی ہے۔ (ص ۴۵۴)

اب چند لفظ مصنف کی طرز تحریر سے متعلق۔ تاریخ کا حقیقت نگاری اور تحقیق سے جو بنیادی تعلق ہے کتاب ہذا میں بھی مصنف نے اپنے پیش لفظ میں اس کا اعادہ کیا ہے۔ کسی بات کا بلا تحقیق و تنقیح مان لینا، غور و فکر سے احتراز کرنا، قیاس آرائی سے کام لینا، انشا پردازی کا غیرتاریخی اسلوب اختیار کرنا تاریخ نگاری کے لئے مناسب نہیں۔ ان باتوں سے کسی ملک یا خطے کی تاریخ، تاریخ نہیں بلکہ ایک طویل، تھکا دینے والی غیر دلچسپ داستان بن جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مؤرخ کو بھی ادیب کی طرح خوش بیان ہونا چاہئے، لیکن خوش بیان ہونے سے زیادہ اس کا راست گفتار ہونا ضروری ہے۔ اگر مؤرخ سے راست بازی وصدق بیانی منفی کردی جائے تو وہ افسانہ طراز یا شاعر ہو کر رہ جائے گا۔ تاریخ کے پڑھنے والے کو بیان کی ندرت، زبان کی رنگینی اور اسلوب کی دلکشی سے زیادہ سروکار نہیں ہوتا۔ وہ متعلقہ زمانے کے تاریخی حقائق کا متلاشی ہوتا ہے۔ اسے غیرضروری اور بے بنیاد حاشیہ آرائی سے غرض نہیں ہوتی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تاریخ کوکن کے مصنف نے اکثر و بیشتر غیرتاریخی اسلوب بیان اختیار کیا ہے۔ مؤقر علمی رسالۂ معارف کے تبصرہ نگار نے بھی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا: « مصنف نے اس میں لفاظی اور انشا پردازی کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ تاریخی اور تحقیقی کتابوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔ » (معارف ستمبر ۱۹۷۰ع)۔ ڈاکٹر مومن درحقیقت بحر ادب کے شناور ہیں۔ ان کا پی اچ۔ ڈی۔ کا مقالہ بھی صنف انشا سے متعلق تھا۔ پھر وہ شاعر بھی ہیں۔ ان باتوں کا ان کے طرز بیان پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ جگہ جگہ لفاظی، رنگین بیانی اور حاشیہ آرائی ملتی

---

۱ History of Gujarat by M. S. Commissariat, Pp 348-49

ہے۔ چھوٹی سی بات کو دو دو تین تین صفحوں تک میں پھیلا کر لکھا گیا ہے اسی ایک شاعرانہ انداز بیان نے کتاب کی ضخامت کو پانسو صفحات تک پہنچا دیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف ایک مثال دیتا ہوں۔ صفحات ۴۵۴ اور ۴۵۵ کو پڑھئے۔

ڈاکٹر مومن کی کوشش مجموعی حیثیت سے اچھی ہے اور جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے اردو میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے، اس لئے بہرحال قابل قدر ہے۔ اس قدیم و عظیم خطے کی تاریخ لکھ کر انہوں نے اردو ادب میں ایک اچھا اضافہ کیا ہے۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

اور

ادبی پبلشرز

کی مطبوعات

	قیمت
۱ ۔ ولی گجراتی از ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	۳ رُپیے
۲ ۔ نور المعرفت از ولی گجراتی مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیرالدین عرفی	۲ «
۳ ۔ اردو مخطوطات مسجد جامع ، بمبئی مرتبہ مولوی حامد اللہ ندوی	۴ «
۴ ۔ میرزا مظہر جان جاناں از عبدالرزاق قریشی	٦ «
۵ ۔ لغات گجری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی	۱۰ «
٦ ۔ دیوان عزلت « عبدالرزاق قریشی	۱۰ «
۷ ۔ مبادیات تحقیق از « «	۴ رپے ، ۵۰ پیسے
۸ ۔ نوائے آزادی مرتبہ « «	۵ رپے
۹ ۔ مقالہ نما (نوائے ادب) مرتبہ مس رقیہ انعام دار	زیر طبع
۱۰ ۔ راگ مالا از سید عبد الولی عزلت مرتبہ عبدالرزاق قریشی	زیر طبع

ملنے کا پتا :

ادبی پبلشرز ، شیفرڈ روڈ ، بمبئی ۸

نوائے ادب

جلد ۱ تا جلد ۲۰

(۱۹۵۰ع تا ۱۹۶۹ع)

مرتبہ

رقیہ انعامدار

ام. اے.

سر آغاز

موجودہ علمی و ادبی طریقۂ کار میں مقالہ نما (Bibliography) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر امریکا کے ایک رسالے نے مضامین کی ببلیوگرافی دینی شروع کی۔ نوائے ادب کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اردو میں اس مفید کام کی ابتدا کی۔ اس کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ اردو کے کئی رسائل نے اس کی تقلید کی۔ نوائے ادب نے اپنی زندگی کے بیس سال پورے کرلئے ہیں، اس لئے انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی اکیڈمک کمیٹی نے یہ طے کیا کہ اس کے بیس سال کے مضامین کا مقالہ نما تیار کیا جائے۔ مذکورہ بالا کمیٹی نے یہ کام میرے سپرد کیا۔ اب یہ مقالہ نما آپ کے سامنے ہے۔

نوائے ادب کے مضامین اردو ادب تک محدود ہیں۔ ان کو موضوعات کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے تاکہ ہر محقق یا مضمون نگار کو اپنے مخصوص موضوع سے متعلق مواد یا مضامین کی تلاش میں آسانی ہو۔

مقالہ نما تیار کرتے وقت اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مضمون کا مرکزی خیال اس میں ضرور آجائے۔ دوسری کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس خلاصے کو خود مضمون نگار کے الفاظ میں پیش کیا جائے۔ لیکن بعض حالات میں ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ اس صورت میں مضمون نگار کے منشا یا مرکزی خیال کو مرتبہ نے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔

میں شفیق محترم عبدالرزاق صاحب قریشی کی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس کام میں میری رہنمائی فرمائی۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی،

۲۰ مارچ ۱۹۷۱ء

رقیہ انعامدار

فہرست مندرجات

۱	ادب	۱
	ا متفرقات	۱
	ب دکنیات	۱۷
	ج گجراتیات	۲۵
۲	لسانیات	۲۸
۳	تذکرے اور تبصرے	۳۰
۴	نقد و نظر	۴۱
۵	ڈراما	۴۴
۶	اخبارات و رسائل	۴۶
۷	کتب خانے	۴۸
۸	مکتوبات	۵۲
۹	مسائل	۵۰
۱۰	وفیات	۵۴
۱۱	اشاریۂ مضمون نگاران	۶۲

۱ ۔ ادب

ا۔ متفرقات

آصفیہ خلیل
غالب کی عشقیہ شاعری
اپریل ۵۴، ص ۶۵ تا ۷۱

غالب کی عشقیہ شاعری میں انسانی فطرت کی سچی اور تابناک تصویر ملتی ہے. اس میں عشق کا وہ وسیع تصور ملتا ہے جسے خارجی دنیا میں حُسن کی مسلسل جستجو کہہ سکتے ہیں.

۲ آہ، صفدر

امیر خسرو بحیثیت ہندی شاعر
اکتوبر ۶۱، ص ۵ تا ۲۴
جنوری ۶۲، ص ۲۷ تا ۵۱

امیر خسرو کی بے اعتنائی سے ان کا ہندی کلام ضائع ہوگیا. صرف ایک غزل، ایک قطعہ اور چند دوہے دستیاب ہوئے ہیں خالق باری کو بھی انہیں سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق یہ ان کی تصنیف نہیں ہے. مگر کچھ شواہد امیر خسرو کے حق میں ہیں.

۳ احمر لاری، ڈاکٹر

حسرت موہانی بحیثیت تذکرہ نگار
اکتوبر ۶۹، ص ۳۲ تا ۴۵

حسرت تذکرہ نگاری کی طرف اس وقت متوجہ ہوئے جب انہوں نے اپنا رسالہ اردوے معلیٰ جاری کیا. ان کے تذکرۂ ارباب سخن کا پہلا اور دوسرا حصہ پہلے اردوے معلیٰ کے مختلف شماروں میں اور بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا. انہوں نے شعرا کے حالات کی فراہمی میں بڑی تحقیق و تلاش سے کام لیا.

۴ اختر، ڈاکٹر نورالسعید

تاج الحقائق کا اصلی مصنف
اکتوبر ۶۸، ص ۲۵ تا ۳۳

مختلف داخلی شہادتوں کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تاج الحقائق کا مصنف ملا وجہی ہے.

۵ اختر جونا گڑھی، قاضی احمد میاں

مرزا غالب اور امیر مینائی
اکتوبر ۵۴، ص ۲۱ تا ۲۵

غالب نے اپنے خط کے ساتھ منشی امیر احمد امیر مینائی کی غزلیں شیونرائن کو بھیجی تھیں اور سفارش کی تھی کہ وہ انہیں رسالۂ معیار الشعراء میں چھاپ دیں. مقالہ نگار نے اس خط سے غالب

اور امیر کے دوستانہ تعلقات پر استدلال کیا ہے، اور «ہنگامۂ دل آشوب» سے ایک قطعہ نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ قطعہ «قاطع برہان» کے مناقشے کے سلسلے میں امیر مینائی نے غالب کی حمایت میں لکھا تھا۔

٦ امام مرتضیٰ نقوی
اردو کی نشوونما میں سکھوں کا حصہ
اکتوبر ٦٧، ص ٦٧ تا ٧٥

اردو کی نشو و نما میں سکھوں نے کافی حصہ لیا ہے۔ گرونانک، ارجن سنگھ وغیرہ کے علاوہ اٹھارہویں صدی کے سردار موہن سنگھ دیوانہ، اودھم سنگھ وغیرہ، اور موجودہ دور میں کنور مہندر سنگھ بیدی، راجندر سنگھ بیدی، بلونت سنگھ وغیرہ کی نثری و شعری تخلیقات قابل تعریف ہیں۔

۷ امین چند شرما، پروفیسر
اکبر، ایک مطالعہ
اپریل ٦۲، ص ۵۷ تا ٦۵

اکبر اردو کا تنہا شاعر ہے جس نے ہماری سیاسی، تمدنی اور اخلاقی زندگی کے احساسات کو شعر کے حسین پیکر میں پیش کیا ہے۔ اس کے کلام میں ایک دور اندیش فنکار کا پختہ شعور ملتا ہے۔

۸ امین چند شرما، پروفیسر
رباعیات امجد
جولائی ٦١، ص ۵ تا ۱۵

امجد کی رباعیات ان کی قادرالکلامی اور فن کے کمال اور پختگی کی شاہد ہیں۔ ان رباعیات کا موضوع قرآنی آیات اور احادیث ہے۔ امجد عصر حاضر کے سعدی ہیں۔

۹ بسم اللہ بیگ، مرزا
ہم قافیہ اشعار
جنوری ۵۷، ص ۷۱ تا ٦۲

ردیف و قافیہ کی یکجائی سے اشعار میں جو حُسن اور خوبی پیدا ہوتی ہے اُسے مختلف مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

۱۰ بسمل، لال چند
مسلم صوفی کا ہندی کلام ـ اللہ نامہ
جولائی ٦۱، ص ۴۵ تا ۴۹

پرشو رام چتر ویدی نے اپنی ہندی تصنیف «صوفی کاویہ سنگرہ» میں لکھا ہے کہ «اللہ نامہ» کی رچنا کسی صوفی شاعر کو ملی ہے۔ شاعر نے نہ صرف اپنا نام بلکہ اپنے تخلص سے بھی آگاہ نہیں کیا۔ مضمون میں «اللہ نامہ» کے چند اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔

۱۱ بشیرالحق دسنوی
بام انشا پر شعرائے بہار کی پرواز
جنوری ۵۷، ص ۳۵ تا ۴۰

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی صراحیِ مے لا

یہ انشا کا مشہور شعر ہے۔ سنہ ۹۹-۱۸۹۸ میں بہار کے بعض شعراء نے اس زمین میں طبع آزمائی کی تھی اور یہ اشعار الپنچ، پٹنہ، میں شائع ہوئے تھے۔

۱۲ بیدار، عابد رضا
باغ و بہار کا قدیم انگریزی ترجمہ
جولائی ۶۰، ص ۳۵ تا ۴۱

میر امن کی باغ و بہار کا پہلی بار سنہ ۱۸۱۱ع اور ۱۸۱۳ع کے درمیان لیوس فرڈینںڈ اسمتھ نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ مضمون میں نمونے کے طور پر چند اقتباسات دئے گئے ہیں۔

۱۳ بیدار، عابد رضا
ذوق کے بارے میں ایک ہم عصر اخبار کا تبصرہ
جولائی ۵۸، ص ۴۱ تا ۴۹

کلکتہ کے سلطان الاخبار (۱۸۳۵ تا ۱۸۵۷ع) میں فارسی زبان میں دو تحریریں چھپی ہیں۔ پہلی میں ذوق کی حیات اور شاعری کے بارے میں ایک تقریظی نوٹ ہے اور دوسری میں صادق الاخبار سے منقول قطعات تاریخ انتقال۔ یہ دونوں تحریریں کسی نے نقل کر کے ۱۵ صفحے کا ایک کتابچہ بنا دیا جو انجمن ترقیء اردو (ہند) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۱۴ تاجدار النساء نقوی
غالب کے یہاں مدارج رشک
جولائی ۶۵، ص ۳۰ تا ۴۴

غالب کی ابتدائی زندگی یتیمی کے باوجود شان سے گذری لیکن آگے چل کر انہیں تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ اُن کا کلام مغلق تھا جسے فارسی نہ جاننے والے سمجھ نہ سکتے تھے۔ ذوق کے سر پر ملک الشعرائی کا تاج رکھا گیا۔ ان باتوں نے ان کے جذبۂ رشک کو پختہ کیا اور ان کے کلام کو رشک کے رنگا رنگ اشعار سے بھر دیا۔

۱۵ جمیل الدین، سید
دستنبو کا ایک خاص نسخہ
جنوری ۵۵، ص ۲۱ تا ۲۶ - اپریل ۵۵، ص ۲۷ تا ۴۰ - جولائی ۵۵، ص ۵۱ تا ۶۱

خطوط غالب کی روشنی میں دستنبو کی غایت تصنیف، نفس مضمون اور زبان سے بحث کی گئی ہے مضمون نگار نے غالب کے اس دعوے کو کہ دستنبو میں کوئی عربی لفظ نہیں ہے، غلط ثابت کیا ہے۔

۱۶ جمیل الدین، سید
مہر نیمروز کا ایک خاص نسخہ
جولائی و اکتوبر ۵۱، ص ۷۰ تا ۸۵
جنوری ۵۲ ص ۵ تا ۲۶

مرزا غالب نے مہر نیمروز کا ایک نسخہ نواب وزیرالدولہ، والی ٹونک کی خدمت میں بطور نذر بھیجا تھا جو دوسری خصوصیتوں کے علاوہ اس بنا پر بھی اہمیت رکھتا ہے کہ غالب نے اس کے حاشیوں پر بعض لغات کے معنی اپنے قلم سے لکھے ہیں اور کئی جگہ پر کتابت و طباعت کی غلطیوں کی تصحیح کی ہے۔ یہ نسخہ سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ع) کا مطبوعہ ہے۔

۱۷ جہاں بانو بیگم نقوی
میر کے مقطعے
اپریل ۵۲، ص ۶۰ تا ۶۴
میر کے الف کی ردیف کے مقطعوں کو پیش کیا گیا ہے اور اُن کا موازنہ غالب، حالی، مصحفی اور حسرت کے مقطعوں سے کیا گیا ہے۔

۱۸ حالی، پروفیسر علیم اللہ
بوطیقا اور ارسطو کا نظریۂ تنقید
جنوری ۶۵، ص ۴۹ تا ۵۵
ارسطو نے بوطیقا میں تنقید اور ڈرامے سے متعلق جو اصول پیش کئے ہیں وہ دور حاضر کے لئے شمع ہدایت نہیں بن سکتے۔ بوطیقا کی اہمیت اس لئے ہے کہ اس سے تنقید کی پہل ہوتی ہے۔

۱۹ حامد اللہ ندوی
بادشاہ مدراسی
جولائی ۵۰، ص ۷۳ تا ۷۶
اکتوبر ۵۰، ص ۵۵ تا ۶۴
بادشاہ مدراسی اپنی قومی نظموں اور اصلاحی مضامین کے باعث حالیِ مدراس کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے نثر میں بھی مذہبی، سیاسی اور ادبی عنوانوں پر مضامین لکھے ہیں۔

۲۰ حسینی، ایس۔ کے۔
اردو لغت نویسی سے اہل یورپ کی دلچسپی
جنوری ۶۷، ص ۶۶ تا ۷۴
گل کرائسٹ نے کئی ہندوستانی لغت مرتب کئے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر ہارس، رومک، ڈنکن فوربس وغیرہ نے اردو لغت نویسی سے کافی دلچسپی لی۔

۲۱ حفیظ ام۔ اے۔
امثال و اقوال
جولائی ۶۲، ص ۱۹ تا ۳۹
اکتوبر ۶۲، ص ۱۵ تا ۴۲
سنسکرت میں پنچ تنتر، ہتوپدیش مشہور کتابیں ہیں جن میں قصے، کہانیاں اور امثال و اقوال درج کئے گئے ہیں مضمون نگار نے غالب، اقبال، ناسخ وغیرہ کے اشعار بطور امثال دئے ہیں۔

۲۲ خلیق انجم، ڈاکٹر
سودا کی قصیدہ نگاری
اپریل ۶۴، ص ۵ تا ۲۷
سودا اردو کے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے قصیدہ نگاری کو باقاعدہ فن کی حیثیت سے اختیار کیا۔ اُن کے قصیدے اردو نظم کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ اُن کے پاس الفاظ کا بہت بڑا خزانہ ہے اور وہ ہر لفظ کے مزاج اور اس کے استعمال سے بخوبی واقف ہیں۔

۲۳ خورشید مظہر الحق نعمانی
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
جنوری ۶۹، ص ۶۷ تا ۷۳
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۴۷ع میں وجود میں آیا۔ (پروفیسر) سید نجیب اشرف ندوی اس کے پہلے ڈائرکٹر تھے۔ انسٹی ٹیوٹ سے متعدد تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۴ دیوانہ، موہن سنگھ
حسرت موہانی و مائل دہلوی
جنوری ۵۰، ص ۵۸ تا ۶۵

حسرت کی شاعری کی خصوصیات دکھاتے ہوئے ان کے کلام کا مائل دہلوی کے کلام سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ مضمون نگار نے جابجا خود اپنے اشعار بھی بطور استشہاد پیش کئے ہیں۔

۲۵ ذکیــــہ انجم، ڈاکٹر
ہیئت اور انداز بیان کے تجربے
اپریل ۶۸، ص ۴۹ تا ۶۴

اردو نثر و نظم کے مختلف ادوار میں انداز بیان کے جو نئے نئے تجربے اور قالب تیار ہوئے ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۶ رحیم حسن، ایس۔
نساخ اور مرزا غالب
اپریل ۵۹، ص ۲۵ تا ۲۷

نساخ کے خودنوشت حالات کا ایک اقتباس اور غالب کا ایک خط نساخ کے نام نقل کیا گیا ہے۔

۲۷ رشید حسن خاں
ملائی، بالائی
جنوری ۶۷، ص ۴۷ تا ۶۵

ملائی اور بالائی، یہ دونوں لفظ پہلے بھی فصیح تھے اور اب بھی فصیح ہیں۔ لفظ بالائی اگرچہ حضرات لکھنؤ کی تحریروں میں شامل ہو چکا تھا لیکن لغات میں ذرا بعد میں شامل ہوا۔ ملائی کا لفظ اہل دہلی استعمال کرتے ہیں اور بالائی لکھنؤ والے۔

۲۸ رضی الدین احمد، ڈاکٹر
مبتلا کا ایک مخطوطہ
اکتوبر ۶۳، ص ۵۲ تا ۶۰
جنوری ۶۴، ص ۱۹ تا ۵۴

شیخ غلام محی الدین مبتلا، عشق قریشی میرٹھی کی ایک غیرمطبوعہ تصنیف «قصۂ لیلیٰ مجنوں» کا تعارف ہے۔ یہ تصنیف کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ اس سے مبتلا کے بارے میں معلومات میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

۲۹ رفعت، سید مبارز الدین
چند منظوم شجرے
اکتوبر ۵۰، ص ۶۵ تا ۶۸

سلاطین اسلام کے منظوم شجرے بہت کم ہیں۔ پھر بھی دو ایک مسلم سلاطین کے منظوم شجرے ملتے ہیں۔ مضمون میں بطور نمونہ دو منظوم شجرے دئیے گئے ہیں۔

۳۰ رفیعہ سلطانہ
اردو شاعری میں گل و بلبل
اپریل ۵۲، ص ۶۹ تا ۷۲

گل و بلبل کے باہمی ربط کو ایرانیوں کے جمالیاتی ذوق نے گل و بلبل کا رمزیہ نام دے دیا۔ لیکن اس رمز میں کچھ حقیقت بھی ہے۔ مضمون میں اردو کے چند شاعروں کے اشعار سے بھی حقیقت واضح کی گئی ہے۔

۳۱ ساحل، مولوی عبد الحلیم
ندوی صاحب کی طرز تحریر

جنوری ٦٩ ، ص ٢٥ تا ٣٨

ندوی صاحب کی طرز تحریر میں جوش خطابت کے علاوہ اعتدال ، شبلی کا سنجیدہ مگر شگفتہ طرز نگارش اور سید سلیمان ندوی کا متین مگر پُرجوش عالمانہ انداز بیان ملتا ہے ۔

٣٢ سخاوت مرزا

ریختۂ ثنا گجراتی بزبان ہیکلی

جولائی ٦٢ ، ص ٦٦ تا ٧١

شیخ ثناء اللہ المتخلص بہ ثنا کا ریختہ ہیکلی زبان میں جو نادر و نایاب ہے ، پیش کیا گیا ہے ۔ ہیکلی زبان ایک صنعت شعری ہے جسے فارسی میں صنعت تنافر کہتے ہیں ۔

٣٣ سراج حسین نقوی

اکبر الہ آبادی

اپریل ٥٠ ، ص ٤٠ تا ٥٥

اکبر کے کلام سے اُن کی جدت تخیل اور زبان کے چند محاسن پیش کئے گئے ہیں ۔

٣٤ سعادت نظیر

علی اختر کی شاعری

اکتوبر ٦٢ ، ص ٤٩ تا ٥٦

علی اختر کی غزلوں اور مذہبی نظموں میں وہی آہنگ ، وہی انداز اور وہی آب و رنگ ہے جو اُن کی فلسفیانہ نظموں میں ملتا ہے ۔

٣٥ سعادت نظیر

مومن کی غزل

جولائی ٦٤ ، ص ٥٥ تا ٦٨

مومن کی غزلوں میں ایک خاص قسم کی شوخی اور البیلاپن ہے جو مومن کی طبیعت میں تھا ۔ اُن کی غزلوں میں عناصر کیف سے تعلق رکھنے والے لطیف جذبات کی رنگین داستانیں ہیں ۔

٣٦ سلام حسین برہانپوری

بوہرے اور ان کا ادب

اپریل ٥١ ، ص ٢٤ تا ٣٢

بوہروں کے چالیسویں داعی ہبۃاللہ بن ابراہیم (٩٣-١١٦٨ھ) نے لوگوں کو ہندی و گجراتی اشعار کے ذریعے دین و ایمان کی تلقین کی ۔ ان کے اشعار کا مجموعہ نصائح ہبۃ اللہ کے نام سے مشہور ہے ۔ داعیٔ موصوف کے دربار کے مشہور عالم شیخ نعمان جی نے ترقی یافتہ بھاشا میں بھی اشعار کہے ہیں ۔ ان کے کلام کا مجموعہ نصائح نعمان جی کے نام سے شائع ہوچکا ہے ۔

٣٧ سیتو مادھو راؤ ، پی ۔

سعادت یار خاں رنگین اور طہماس نامہ

جولائی ٦٣ ، ص ٣٩ تا ٤٦

طہماس نامہ سے طہماس بیگ کے حالات زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے ۔ اس کے علاوہ طہماس خاں کے صاحبزادے سعادت یار خاں رنگین کے بھی حالات زندگی اس سے معلوم ہوتے ہیں ۔

۳۸ سیدہ جعفر، ڈاکٹر

اردو نظم اور ہیئت

جولائی ۶۱، ص ۵۰ تا ۶۵

نظم کی ہیئت سے بحث کرتے ہوئے آزاد نظم نگاری کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔

۳۹ شہاب سرمدی

مثنوی پدماوت کے دو اچھوتے کردار

جنوری ۶۸، ص۵۷ تا ۶۶

پدماوت کے دو اچھوتے کردار ہیرامن طوطا اور بھنگ ہیں۔ ہیرامن طوطے کے ذریعے کہانی کی رفتار بڑھی ہے۔ یہ کردار جائسی کی تخلیق ہے اور بہت اہم تخلیق ہے۔ بھنگ نے مثنوی کو اہم ترین موڑ دیا ہے۔

۴۰ شہاب مالیر کوٹلوی، مہر محمد خاں

غالب و ذوق کے سہرے

جنوری ۶۲، ص ۵ تا ۲۶

شہزادہ جواں بخت کی شادی پر مرزا غالب اور ذوق نے جو سہرے لکھے تھے، مضمون نگار نے ان کا موازنہ کرتے ہوئے مرزا غالب کے سہرے کو ذوق کے سہرے پر فوقیت دی ہے۔

۴۱ صدرالدین، ڈاکٹر سید محمد

جوہری کا بارہ ماسہ

اکتوبر ۶۱، ص ۴۰ تا ۵۶

حضرت آیۃ اللہ جوہری بارہویں صدی ہجری کے بہار کے ایک بڑے صوفی اور شاعر تھے۔ انھوں نے اردو شاعری کے ساتھ ساتھ ایک ہندی بارہ ماسہ بھی لکھا ہے۔ مضمون میں صنف بارہ ماسہ کی ابتدا اور ارتقا بتانے کے بعد جوہری کے بارہ ماسے پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔

۴۲ ضمیر احمد خاں

دیوان نظیر اکبرآبادی

اپریل ۶۰، ص ۵ تا ۱۹

نظیر اکبرآبادی کا دیوان فرحت اللہ بیگ نے مرتب کیا تھا اور انجمن ترقیء اردو، ہند، کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر (پروفیسر) نجیب اشرف ندوی کی ذاتی لائبریری میں بھی ایک مطبوعہ دیوان ہے۔ مضمون میں ان دونوں اڈیشنوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

۴۳ طالب کاشمیری

سرمایۂ کلام غالب

اکتوبر ۶۱، ص ۲۵ تا ۳۹
اپریل ۶۲، ص ۲۱ تا ۲۹
اکتوبر ۶۲، ص ۲۳ تا ۳۹
اپریل ۶۳، ص ۱۰ تا ۲۶
جولائی ۶۳، ص ۶۱ تا ۶۶
اکتوبر ۶۳، ص ۲۱ تا ۳۶
جنوری ۶۴، ص ۵ تا ۱۸
جولائی ۶۴، ص ۴۳ تا ۵۴
اکتوبر ۶۴، ص ۳۰ تا ۴۱
جنوری ۶۵، ص ۵۶ تا ۶۸
اپریل ۶۵، ص ۶۲ تا ۷۶
جولائی ۶۵، ص ۶۹ تا ۸۱
اکتوبر ۶۵، ص ۳۹ تا ۵۵

جولائی ٦٦، ص ۴۳ تا ٦۳
اکتوبر ٦٦، ص ۳۲ تا ۵۴
جنوری ٦٧، ص ۵ تا ۲٦
اپریل و جولائی ٦٧، ص ۴۹ تا ٦۹
اکتوبر ٦٧، ص ۵۰ تا ٦۲
اپریل ٦۸، ص ۱۸ تا ۳۲

مرزا غالب کی شاعری کی مختلف خصوصیات مثلاً تصوف، سوز و گداز، تشبیہ و استعارہ، تمثیل و کنایہ، خمریات، معنی آفرینی وغیرہ پر بحث کے علاوہ ان کی شاعری سے متعلق مختلف نقادوں کی رایوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ مرزا غالب کے کلام کی خصوصیات مومن، مصطفیٰ خاں شیفتہ، اکبر الہ آبادی وغیرہ کے کلام میں ملتی ہیں۔

۴۴ طلحہ رضوی

غالب و ذوق کے سہرے

اپریل ٦۳، ص ۴۹ تا ٦۱

نوائے ادب، جنوری ۱۹٦۲ء، میں غالب و ذوق کے سہرے پر جناب مہر محمد خاں شہاب کا ایک تفصیلی تبصرہ و موازنہ شائع ہوا تھا۔ مضمون نگار کو اس سے چند اختلافات ہیں جن کا اظہار اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

۴۵ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر

غالب اور نفسیاتی کشمکش

اپریل ٦۳، ص ۳۹ تا ۴۸

غالب کی اس نفسیاتی کشمکش پر اظہار خیال کیا گیا ہے جو ان کے یہاں تصوف اور انانیت کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ وہ ایک راسخ العقیدہ صوفی نظر آتے ہیں جس کا مسلک (انا) خودی کو مٹاکر وحدت کی جستجو ہے۔

۴٦ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر

فانی کا تصوف

جولائی ٦۸، ص ٦۱ تا ٧٦

فانی کے کلام میں تصوف کا عنصر اس قدر وافر اور انداز بیان اتنا مؤثر ہے کہ ان کی صوفیانہ شاعری کو ہرگز ہرگز روایتی نہیں کہہ سکتے۔

۴٧ عبدالرزاق قریشی

اردو شاعری اور مسائل حیات

جنوری ۵۱، ص ۴۵ تا ۵۲
اپریل ۵۱، ص ۲۳ تا ۴۹

اردو شاعری نے زندگی کے اکثر مسائل کی طرف توجہ کی ہے۔ جدید شعرا نے خصوصاً معاشرت اور معاش کے مسائل کی طرف کافی توجہ کی۔ قدیم شاعری میں سیاست کا عنصر کم تھا۔ جدید شاعری نے اس کمی کی تلافی کردی۔

۴۸ عبد الرزاق قریشی

اردو کی تمثیلی شاعری

جولائی ۵۹، ص ۲۸ تا ۴۴

مثنوی، قصیدہ، غزل وغیرہ کی طرح یہ صنف بھی اردو میں فارسی شاعری کے اثر سے آئی۔ فارسی شعرا نے زندگی

کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کی اور اس کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی۔ اردو کے شعرا نے زندگی کی سطح پر نگاہ رکھی، گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ پھر بھی کچھ اچھے اشعار اس صنف میں مل جاتے ہیں۔

۴۹ عبدالرزاق قریشی

اشعار مرزا مظہر جان جاناں

اپریل ۵۳، ص ۴۲ تا ۵۶

مرزا مظہر جان جاناں اردو شاعری کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جو اصلاح کا دور کہلاتا ہے۔ حضرت مرزا نے اردو شاعری سے ایہام کی صنعت کو دور کیا اور اس میں لطافت تخئیل اور صفائی و سادگی پیدا کی۔ مرزا مظہر جان جاناں کے ۹۲ اشعار مختلف تذکروں سے جمع کرکے شائع کئے گئے ہیں۔

۵۰ عبدالرزاق قریشی

اشعار مرزا مظہر جان جاناں

جولائی ۵۳، ص ۲۵ تا ۳۶

جامع مسجد (بمبئی) کے کتب خانہ میں ایک ناقص الطرفین بیاض تھی جو اب ناپید ہو چکی ہے۔ مولوی یوسف کھٹکھٹے مرحوم نے اس کتب خانہ کی فہرست بناتے ہوئے اس بیاض کو مجموعۂ اشعار مظہر بتایا ہے۔ یہ اشعار یہاں شائع کئے گئے ہیں۔

۵۱ عبدالقادر سروری

غالب کی اخلاقی شاعری

جنوری ۵۰، ص ۱۴ تا ۲۱

اپریل ۵۰، ص ۳۲ تا ۳۹

اخلاقیات کے بعض اہم پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے غالب کی اخلاقی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۵۲ عبدالودود، قاضی

آزاد بحیثیت محقق

اپریل ۵۶، ص ۷ تا ۳۲

جولائی ۵۶، ص ۵ تا ۳۲

اکتوبر ۵۶، ص ۵ تا ۳۰

محمد حسین آزاد کی آب حیات، نگارستان فارس اور سخندان فارس کے تسامحات کی نشاندہی کی گئی ہے جو تعداد میں سو ہیں۔

۵۳ عبدالودود، قاضی

اقتباسات سفینۂ خوش گو

جولائی ۵۷، ص ۵ تا ۲۲

فارسی کے ادیب خوش گو کی تصنیف «سفینۂ خوش گو» جلد ثالث کے کچھ اقتباسات دئے گئے ہیں۔ اُن میں سے بیشتر کا تعلق ریختہ گو شعرا سے ہے۔

۵۴ عبدالودود، قاضی

انتخاب دیوان انند رام مخلص

اکتوبر ۵۰، ص ۱۳ تا ۴۲

انتخاب دیوان مخلص کا جو خود مخلص نے کیا ہے، تعارف کرانا گیا

ہے ۔ ان کا دیوان ۱۶۰ صفحوں پر مشتمل ہے جن میں سے ۳۴ صفحے مخلص نے سادہ چھوڑ دئے تھے ۔ دوسرے لوگوں نے ان سادہ جگہوں پر دوسرے شعرا کے اشعار لکھے ہیں مضمون نگار نے مخلص کے ۷۲ اردو اشعار نقل کئے ہیں ۔

۵۵ عبدالودود ، قاضی

برہان قاطع اور ہندوستان

اکتوبر ۶۳ ، ص ۵ تا ۲۰

اپریل ۶۵ ، ص ۵ تا ۱۳

برہان قاطع مؤلفہ محمد حسین ایران میں نہیں بلکہ ہندوستان میں لکھی گئی ۔ آخر میں برہان قاطع کے چند الفاظ اور ان کے معنی بھی درج کئے گئے ہیں ۔

۵۶ عبدالودود ، قاضی

تذکرۃ الاسلاف

جنوری ۶۳ ، ص ۵ تا ۱۳

فرزند علی خاں نے اپنے اسلاف کے حالاتِ زندگی کو تذکرۃ الاسلاف کے نام سے شائع کیا ۔ یہ کتاب ۹۹ صفحات پر مشتمل ہے ۔ سرورق کی پشت پر « سبب طبع کتاب » فارسی میں درج ہے ۔

۵۷ عبدالودود ، قاضی

تذکرۂ یوسف علی خاں

اپریل ۵۱ ، ص ۳ تا ۱۴

یوسف علی‌خاں کی تین کتابیں ہم تک پہنچی ہیں : حدیقۃ الصفاء، احوال علی وردی خاں اور تذکرۂ شعرائے فارسی ۔ تذکرۃ الشعراء کا غالباً کوئی نام نہیں ۔ حدیقۃ الصفا کے خاتمے میں ۲۰ شعرا کے تراجم ہیں جن کا حال کہیں اور نہیں ملتا ۔ مضمون نگار نے ان بیس شعرا کے تراجم حواشی کے ساتھ شائع کئے ہیں ۔

۵۸ عبدالودود ، قاضی

خاتمۂ خلاصۃ الافکار

جولائی و اکتوبر ۵۱ ، ص ۵ تا ۲۷

خلاصۃ الافکار مرزا ابو طالب کی تصنیف ہے ۔ یہ فارسی‌گو شعرا کا تذکرہ ہے ۔ اس کے خاتمے میں بہ شمول مصنف ۲۳ شاعروں کے تراجم اور منتخب اشعار ہیں ۔ خاتمے میں معاصرین سے متعلق کچھ قیمتی اطلاعات ہیں اور بعض تاریخی واقعات پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔

۵۹ عبدالودود ، قاضی

سرب‌سکھ دیوانہ

جولائی ۵۸ ، ص ۵ تا ۱۰

اکتوبر ۵۸ ، ص ۵۲ ، ۵۱

مضمون نگار نے سرب‌سکھ دیوانہ کے حالاتِ زندگی کو کتابی صورت میں شائع کیا تھا ۔ شائع ہونے پر معلوم ہوا کہ اس میں بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں ۔ اس مضمون میں ان غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے ۔

٦٠ عبدالودود، قاضی
سفینۂ ہندی اور ریختہ گو شعرا
اکتوبر ۵۷، ص ۵ تا ۲۴
بھگوان داس ہندی کے تذکرۂ سفینۂ ہندی میں اردو شعرا کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کے اقتباسات مضمون میں دئیے گئے ہیں۔

٦١ عبدالودود، قاضی
فارسی تذکرے اور ریختہ گو شعرا
اپریل ۵۷، ص ۵ تا ۱۸
تین فارسی تذکروں (۱) ہمیشہ بہار (۲) باغ معانی (۳) انیس الاحباء میں سے ان شعرا کے حالات کے اقتباسات جن کی ریختہ گوئی متعین ہے۔ جملہ ۴۷ شعرا کے حالات ہیں۔

٦٢ عبدالودود، قاضی
کچھ انشا کے بارے میں
جنوری ۵۱، ص ۲۸ تا ۳۵
اکتوبر ۵۲، ص ٦ تا ۱۸
مندرجۂ ذیل عنوانات کے تحت انشا کے متعلق بعض نئی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں: (۱) انشا کا معزولی کا زمانہ (۲) سید شکراللہ خلف انشا (۳) نورالعین واقف و مکین (۴) سبحان قلی بیگ راغب (۵) مرزا قاسم علی خاں (٦) خوش معرکۂ زیبا۔

چند تذکروں مثلاً معدن الفوائد، ثمرات البدائع وغیرہ میں انشا سے متعلق جو نئی معلومات ملتی ہیں ان کے اقتباسات دئیے گئے ہیں۔ دیوانِ انشا کے ایک قلمی نسخے سے ایک منظوم خط پیش کیا گیا ہے۔

٦٣ عبدالودود، قاضی
کلیات سودا کا خطی نسخہ
جولائی ٦١، ص ۵۹ تا ٦۵
کلیات سودا کے ایک نسخہ کا تعارف کرایا گیا ہے جو کتب خانۂ خدا بخش خاں میں ہے۔

٦۴ عبدالودود، قاضی
گلشن بے خار
اپریل ۵۳، ص ٦ تا ۲۳
نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے تذکرۂ گلشن بے خار کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور دہلی اور نول کشور کے مطبوعہ نسخوں اور کتب خانۂ مشرقیہ، پٹنہ، کے مخطوطے کا موازنہ کیا گیا ہے۔

٦۵ عبدالودود، قاضی
محرق قاطع برہان
اپریل ٦۲، ص ۵ تا ۱۲
میر سعادت علی کی تصنیف «محرق قاطع برہان» پر تبصرہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ میر سعادت علی کو نثر لکھنا نہیں آتا تھا۔

٦٦ عرشی، امتیاز علی
دیوانِ غالب
اکتوبر ٦۴، ص ۵ تا ۱۸

عرشی کے مرتبہ دیوان غالب پر مالک رام نے علی گڑھ میگزین ، جلد ۲ ، شمارہ ۱ (جنوری ۱۹۶۱ع) میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ انتخاب کلکتے میں گل رعنا کے بعد عمل میں آیا ۔ مضمون نگار نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ دیوان متداول گل رعنا سے پہلے تیار ہوا تھا مضمون کے آخر میں دیوان کے مختلف نسخوں کی لفظی ترمیموں کو بتایا گیا ہے ۔

۶۷ غلام ربانی

سکّے اور شاعری

اپریل و جولائی ۶۷ ، ص ۴۱ تا ۴۵

ہندوستان کی قدیم تاریخ میں جو خلا موجود تھے اور اب بھی ہیں ان کو سکوں اور کتبوں کی مدد سے پُر کیا جارہا ہے مغلوں کے عہد میں سکوں کی تحریر نستعلیق خط میں ہونے لگی ا ر سکوں پر نثر کی بجائے شعر نقش ہونے لگے ۔ گجرات اور دکن کے بعض سکوں پر بھی اشعار نظر آتے ہیں ۔

۶۸ فضل اللہ فاروقی

غالب کی مثنوی دعاے صباح کا مطبوعہ نسخہ

اپریل ۵۰ ، ص ۵۶ تا ۶۱

دعاے صباح امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے ۔ غالب نے اس کا فارسی نظم میں ترجمہ کیا ۔ یہ پہلا مطبوعہ نسخہ معلوم ہوتا ہے ۔ مثنوی میں کل ۱۱۲۴ اشعار دعاے صباح کے ہیں اور سات شعر امام زین العابدین کی مناجات کے ۔

۶۹ قاسم علی سجن لال

دلی کا نوابی مشاعرہ اور مولانا حالی

اپریل ۵۵ ، ص ۳۳ تا ۴۰

اخبار نظام الملک ، مراد آباد ، (جلد اول ، نمبر ۱۶ ، ۲۸ جون ۱۸۵۴ ع) کے تیسرے صفحے پر «دلی کا نوابی مشاعرہ اور مولانا حالی» کی سرخی کے ساتھ نواب علاءالدین احمد خاں ، رئیس لوہارو ، کے منعقد کئے ہوئے ایک مشاعرہ کا حال درج ہے ۔ اس روئداد کو ضروری حاشیوں کے ساتھ چھاپا گیا ہے ۔ آخر میں وہ تعزیت نامے دئیے گئے ہیں جو نواب لوہارو کے انتقال پر ان کے عزیزوں کو لکھے گئے تھے ۔

۷۰ قاسم علی سجن لال مترجم احمد ملک

دہلی سوسائٹی

اپریل ۵۲ ، ص ۱۹ تا ۲۷

اکتوبر ۵۲ ، ص ۷۷ تا ۸۸

۱۸۶۴ع میں دہلی میں ایک سوسائٹی قائم ہوئی جس کے معتمد راے بہادر پیارے لال آشوب تھے ۔ سوسائٹی نے انگریزی کتابوں کے تراجم کی اشاعت

کے لئے فنڈ جمع کیا اور بہت سی کتابوں کا اردو میں ترجمہ شائع کیا۔ اس کے مقاصد میں سے ایک مقصد ایک کتب‌خانہ اور دار المطالعہ کا قیام بھی تھا، چنانچہ اس نے اپنے اس مقصد کو پورا کیا۔

۷۱ قاسم علی سجن لال

راجہ شیو پرشاد، ستارۂ ہند

اپریل ۵۴، ص ۲۰ تا ۳۴

۱۸٦۸ع میں راجہ شیو پرشاد نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا «کچھ بیان اپنی زبان کا»۔ اس میں انہوں نے اردو اور ہندی کے سلسلے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ اردو زبان میں جو عہد بعہد تغیر و تبدل ہوا ہے اسے مع مثالوں کے بتایا گیا ہے۔

۷۲ قیصر، محمود حسن

کلام مصحفی پر اسیر کی اصلاحات

جنوری ٦۰، ص ۲۱ تا ۴۰

دیوان مصحفی کے اس مخطوطہ کا تعارف کرایا گیا ہے جو رضا لائبریری، رام پور، میں محفوظ ہے اور جس میں اسیر کے قلم کی اصلاحات موجود ہیں۔

۷۳ کلیم سہسرامی، پروفیسر

بیسویں صدی کے بنگالی نژاد شعرائے اردو

اپریل ٦۴، ص ۵۳ تا ٦۴

بیسویں صدی کے آغاز میں خواجہ عتیق اللہ شیدا، سید محمود آزاد، خواجہ محمد افضل، خواجہ بیدار بخت بیدار، خواجہ ممتاز وغیرہ قابل قدر شعرا تھے۔

۷۴ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر

اردو ادب میں اتحاد پسندی کے رجحانات

جنوری ۵۴، ص ۲۰ تا ۴۰
اپریل ۵۵، ص ۱۸ تا ۳۲

ہندوستانی تہذیب و تمدن کی طرح سے اردو ادب کا بھی کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات اور ان کے اثرات کا حامل نہ ہو۔ اردو ادب میں اتحاد پسندی کے رجحانات کی انتہا یہ ہے کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے پیغمبروں اور دیوی دیوتاؤں کا ذکر گہرے عجز و عقیدت کے ساتھ کرتی ہیں۔

۷۵ گیان چند، ڈاکٹر

مرزا ہوس کی ایک نادر مثنوی

اپریل ۵۸، ص ۴۹ تا ۵٦

نواب مرزا محمد تقی خاں ہوس کی شہرت ان کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کی وجہ سے ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم ان کی ایک اور مثنوی ہے جس کا کوئی نام نہیں۔ شعری حیثیت سے ان کی یہ مثنوی لیلیٰ مجنوں سے کہیں بہتر ہے۔

۷٦ مالک رام

استادِ غالب (ملا عبدالصمد)

جنوری ۵۲، ص ٦۴ تا ۷۵

قاضی عبد الودود نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ علی گڑھ میگزین (غالب نمبر) میں مختلف دلیلوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ملا عبد الصمد ایک فرضی نام ہے جس کا غالب نے موقع موقع سے استعمال کیا ہے۔ مضمون نگار نے غالب کے مختلف خطوط کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملا عبد الصمد فرضی نام نہیں بلکہ اس کا وجود تھا اور وہ غالب کا استاد تھا۔

۷۷ مالک رام

مرزا غالب اور امیر مینائی

جنوری ۵۵، ص ۲۷ تا ۲۹

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے نوائے ادب میں قاضی احمد میاں اختر جونا گڈھی کا ایک مضمون مذکورہ بالا عنوان کے تحت شائع ہوا تھا۔ اس میں ایک قطعہ غلطی سے امیر مینائی سے منسوب کیا گیا ہے جو دراصل محمد امیر امیر لکھنوی کا ہے۔

۷۸ محمد حسین، سید

ایک مختلف فیہ مسدس

جنوری ۵۷، ص ۲۸ تا ۳۴

سید محمد محسن فدوی شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک مسدس ہے جو سات بیاضوں اور دیوانوں میں ملتا ہے۔ مضمون میں اس کو نقل کیا گیا ہے اور حاشیے میں اختلافات نسخ بتائے گئے ہیں۔

۷۹ مرتضیٰ حسین بلگرامی

رشحات صفیر کے نسخے

جنوری ۶۳، ۴۰ تا ۵

رسالۂ فیض صفیر کے گم ہوجانے کے بعد صفیر بلگرامی نے ایک نیا رسالہ رشحات صفیر کے نام سے ترتیب دیا اور اس کے کئی اڈیشن نکلے۔ آخری ایڈیشن ۱۹۱۴ء میں نکلا تھا۔ تذکیر و تانیث کے مسئلے کی دقتوں کو حل کرنے کے لئے یہ رسالہ مفید ہے۔

۸۰ مسعود احمد، پروفیسر

اردو زبان کے مختلف نام اور ان کی تاریخ

جولائی ۶۶، ص ۶۴ تا ۸۰

اکتوبر ۶۶، ص ۵ تا ۳۱

اردو مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے یاد کی گئی ہے۔ مضمون میں ان کی وجہ تسمیہ بتائی گئی اور تاریخ دی گئی ہے۔

۸۱ مسعود احمد، پروفیسر

بارہویں صدی ہجری میں قرآن پاک کے اردو تراجم اور تفاسیر

جولائی ۶۳، ص ۵ تا ۲۲

ہند و پاک میں قرآن پاک کے اردو تراجم اور تفاسیر کا باقاعدہ سلسلہ بارہویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ سید بابا قادری، مراد اللہ انصاری،

حکیم محمد شریف خاں ، رفیع الدین دہلوی ، شاہ عبد القادر وغیرہ کی تفسیروں اور اسلامیات سے متعلق بعض دوسری کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔

۸۲ مسیح الزماں ، ڈاکٹر

لکھنؤ کا ایک قدیم مرثیہ گو ۔ گدا

جنوری ۶۸ ، ص ۶۷ تا ۷۱

مرزا گدا علی گدا کی مرثیہ گوئی اور ان کے آرٹ پر تبصرہ ہے ۔ ان کے مرثیوں کی زبان کی خوبیاں اور خامیاں دونوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے ۔

۸۳ منیژہ کاوس جی

حالی اور ان کا تغزّل

جنوری ۵۳ ، ص ۱۸ تا ۳۲

مولانا حالی کی تحریروں میں مسائل حیات ، شعور عشق اور شعور حسن کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ جدید غزلیں ان کی زندگی کے اس دور کی یادگار ہیں جب ان کے خیالات میں انقلاب پیدا ہو چکا تھا ۔

۸۴ منیژہ بانو ، مس

حالی بحیثیت مصلح

جنوری ۵۲ ، ص ۶۰ تا ۶۶

حالی ایک با کمال شاعر اور بلند پایہ ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کے سچے رہنما اور دل سوز مصلح ہیں ۔ مسدس حالی ان کا سب سے اعلیٰ اصلاحی و ادبی کارنامہ ہے ۔ ان کی رباعیاں بھی اصلاحی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں ۔

۸۵ نادم سیتاپوری

ایک دلچسپ دستاویز

اپریل ۶۳ ، ص ۲۷ تا ۳۸

شاد عظیم آبادی کے خودنوشت حالات نے ساٹھ برس سے زائد کی مسافت طے کر کے ایک ” ادبی دستاویز “ کا درجہ حاصل کرلیا ہے ۔ اس میں کچھ ایسے نسب نامے اور ان کے ذاتی حالات ہیں جن سے شاد پر تحقیقی کام کرنے والے کچھ نہ کچھ حاصل ہی کرسکیں گے ۔

۸۶ نجیب اشرف ندوی

مراثیء جواد

جنوری ۶۱ ، ص ۵ تا ۱۶

بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانے میں چند قلمی کتابیں فروخت کے لئے آئی تھیں ۔ انہیں میں جواد کے بارہ مرثیوں کا یہ مجموعہ بھی تھا ۔ نسخہ بہت خوش خط ہے ۔ ہر مرثیے کے خاتمے پر آغا میر کے لئے دعا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جواد نے یہ مرثیے معتمد الدولہ آغا میر کی فرمایش پر لکھے تھے ۔

۸۷ نجیب اشرف ندوی

ہندوستانی سلکشن

اکتوبر ۶۱ ، ص ۳۰ تا ۳۹

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب حل و عقد نے فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد یہ محسوس کیا کہ بمبئی اور مدراس

میں بھی انگریز افسروں کے لئے ہندوستان کی مشترکہ زبان اردو میں تعلیم کا انتظام کیاجائے۔ چنانچہ ایک نصاب تیار کیا گیا جس میں اخلاق ہندی، باغ و بہار، باغ اردو جیسی کتابیں شامل تھیں۔ اخلاق ہندی میں جو ترمیم ہوئی تھی اس کو اس مضمون میں بتایا گیا ہے۔

٨٨ نذیر احمد، ڈاکٹر
اردو کی ابتدائی نشو و نما میں علما و فضلا کی خدمات
جولائی ٥٨، ص ١١ تا ٢١

اردو کی ابتدائی نشو و نما کے سلسلے میں دکن کے چند علما و فضلا کی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

٨٩ نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر
محمد غوث زریں اور ان سے منسوب نو طرز مرصع
جنوری ٦٦، ص ٥٩ تا ٦٥

محمد غوث (نہ کہ محمد عوض) زریں نے اپنے آقا راجا رام دین کی تفریح طبع کے لئے فارسی قصۂ چہار درویش کو جو طویل تھا مختصر کرکے ١١٩٨ھ میں لکھا۔ پھر ١٢١٧ھ میں اسے اور مختصر کرکے اردو میں منتقل کیا۔ لیکن غلطی سے اس کا نام بجائے چہار درویش کے نو طرز مرصع لکھ دیا۔

٩٠ نصیر الدین ہاشمی
ایک صدی پہلے اردو میں علم سائنس کی تعلیم
اپریل ٥١، ص ١٥ تا ٢٣

نواب فخر الدین امیر کبیر شمس الامراء پہلے شخص ہیں جنھوں نے سائنس کی کتابوں کے اردو ترجمے کا انتظام کیا تھا۔ ان کا دار الترجمہ ١٨٥٢ء میں قائم ہوا تھا جس میں سات مترجمین کام کرتے تھے۔ جو کتابیں تیار ہوئی تھیں ان میں سے اکثر شائع ہوگئی ہیں۔ لیکن بعض مسودے نواب ظہیر یار جنگ کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ستۂ شمسیہ (٦ رسائل کا مجموعہ) کے مضامین اور طرز بیان پر مضمون نگار نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔

٩١ نصیر الدین ہاشمی
حیدرآباد میں جنگ آزادی کا اردو ادب
جنوری ٦٠، ص ٤١ تا ٦١

١٨٠٣ء سے لے کر ١٩٢٠ء تک کے حیدرآباد کے جنگ آزادی سے متعلق اردو ادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

٩٢ نصیر الدین ہاشمی
مولانا محمد امین زبیری کی سوانح نگاری
جولائی ٥٠، ص ٤٤ تا ٦٣

مولانا محمد امین زبیری ایک ممتاز اور بلند پایہ سوانح نگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی متعدد سوانح عمریاں ہیں۔ یہ سوانح عمریاں فنی حیثیت سے کامیاب ہیں۔

۹۳ یوسف سرمست

مومن کی عشقیہ شاعری

اپریل ۶۲، ص ۳۰ تا ۳۸

مومن نے اپنی عشقیہ شاعری میں ناز حسن اور نیاز عشق کی تفصیل کو پیش کرتے ہوئے گہرے نفسیاتی شعور کا ثبوت دیا ہے۔

ب ۔ دکھنیات

۹۴ آصفیہ خلیل

محمد قلی قطب شاہ کے کلام پر ایک نظر

اکتوبر ۶۴، ص ۴۸ تا ۵۴

سلطان محمد قلی قطب شاہ کا اردو کلام تقریباً پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ان کے کلام میں حافظ کے اثر سے صوفیانہ اشعار کی فراوانی ہے۔

۹۵ ابو النصر محمد خالدی

کچھ دکھنی کلام

چند دکھنی مثنویوں کا ذکر جن سے دکھن کی تمدنی، تہذیبی اور معاشرتی حالت واضح ہوتی ہے۔ ایک مثنوی (مصنفہ محبی) پر تفصیلی تبصرہ۔

۹۶ ادیب، ایس۔ ایف۔

کشف الخلاصہ، فقیر کی فقہی مثنوی

شجاع الدین فقیر نواب ناصر جنگ کے ساتھ اورنگ آباد گئے اور ان کی شہادت کے بعد برہان پور چلے آئے۔ زندگی کے آخری ایام انہوں نے حیدرآباد میں گذارے۔ کشف الخلاصہ ایک نامعلوم مصنف کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کا موضوع تصوف اور اس کے مسائل ہیں۔

۹۷ اکبرالدین صدیقی، محمد

کچھ قدیم کلام

جولائی ۶۶، ص ۵ تا ۱۱

سید شاہ ابوالحسن قادری کی مثنوی سکھ رنجن جو ۴۱۱ اشعار پر مشتمل ہے، تصوف کے موضوع پر ہے۔ ان کی دوسری نظم «توصیف» ہے جس کا انداز سراپا کا ہے۔ دونوں نظموں کے چند اشعار نقل کرنے کے علاوہ شاعر کی چند غزلیں بھی بطور نمونہ دی گئی ہیں۔

۹۸ جلیل، رائے انیل پرشاد

دکھنی انوار سہیلی

اکتوبر ۶۲، ص ۵۷ تا ۷۶

مولانا حسین واعظ کا شفی کی تصنیف «انوار سہیلی» کے کئی اردو ترجمے ہوچکے ہیں، لیکن ان میں سب سے اہم دکنی ترجمہ محمد ابراہیم بن

ملک بیجاپوری کا ہے۔ مترجم کا مقدمہ پاکیزہ مطالب اور دلکش اسلوب بیان کے لحاظ سے خاص قدر و قیمت کا حامل ہے۔ اس نے ترجمہ میں دکن کی عام بول چال کی زبان استعمال کی ہے جو اس کے وقت میں مروّج تھی۔

۹۹ حبیب النساء بیگم

بیجاپور کے ایک صوفی خاندان کے چند نادر رسالے

اپریل ٦٦ ، ص ۲۸ تا ۳۷

بیجاپور کے ایک صوفی خاندان کے مختلف افراد مثلاً میراں جی ، شمس العشاق ، شاہ برہان الدین جانم ، امین الدین ولی وغیرہ نے کافی مذہبی رسالے لکھے ہیں۔ مضمون میں اس خاندان کے حالات دئے گئے ہیں اور اس کے بزرگوں کے لکھے ہوئے رسالوں پر تبصرہ یا گیا ہے۔

۱۰۰ حسینی شاہد ، ڈاکٹر

گلزار چشت

اکتوبر ٦۹ ، ص ۱۹ تا ۳۱

گلزار چشت شاہ معظم کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانۂ سالار جنگ (حیدرآباد) میں محفوظ ہے۔ اس کا موضوع تصوف ہے۔ پیش نظر نسخے میں ۳۷۰ اشعار ہیں لیکن بعض دوسرے نسخوں میں اشعار کی تعداد چارسو ہے۔

۱۰۱ دیوی سنگھ چوہان

پنچھی باچھا پر ایک روشنی

اپریل ٦۸ ، ص ٦۵ تا ٦۸

وجدی کی اس مثنوی میں تقریباً ۲۵۰۰ ابیات ہیں۔ یہ درحقیقت فریدالدین عطار کی منطق الطیر ہے جس کو وجدی نے دکھنی میں پیش کیا ہے۔ منطق الطیر کو شیخ صفان نے بھی دکھنی میں نظم کیا تھا۔ یہ مضمون صفان اور وجدی کی مثنویوں کے تقابلی مطالعہ کا حامل ہے۔

۱۰۲ دیوی سنگھ چوہان

تاریخ ابراہیم نامہ

اکتوبر ٦۴ ، ص ۴۲ تا ۴۷

ڈاکٹر شریمتی اتھاپے نے ابراہیم عادل ثانی اور اس کے درباری شاعر عبدل کے بارے میں معلومات پیش کرتے ہوئے ابراہیم نامہ منظومۂ عبدل کی تاریخ تصنیف سے بھی بحث کی ہے۔ مضمون نگار نے مختلف دلیلوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ مثنوی میں سنہ ۱۰۱۲ھ کا ذکر ہے، اس لئے سرخی میں اس کو سنہ شہور سے مخصوص کردیا ہے۔

۱۰۳ دیوی سنگھ چوہان

لفظ گرتی کی قرأت

اپریل ٦۹ ، ص ۲۰ تا ۲۷

گرتی کا لفظ دکھنی میں عام ہے۔ لیکن جو دکھنی مخطوطات مرتب ہوکر شائع ہوئے ہیں ان میں اس کی قرأت

صحیح نہیں کی گئی ہے۔ اس کی اصل سنسکرت لفظ گرہ وتی ہے اور اس کے معنی ہیں با عصمت یا با وفا عورت۔ یہ لفظ دیہاتی اور ناخواندہ طبقے میں زیادہ بولا جاتا ہے۔ کتابوں میں اس کا استعمال کم ہوا ہے۔

۱۰۴ دیوی سنگھ چوہان
نور اللہ اور نصرتی
اپریل ۶۶، ص ۴۸ تا ۵۳

نور اللہ کی تاریخ عادل شاہی اور نصرتی کے علی نامہ کا موازنہ کیا گیا ہے۔ نور اللہ میں عمق اور گہرائی بہت کم ہے۔ نصرتی نے تاریخی پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ وہ شاعر ہونے کے باوجود نور اللہ سے بدرجہا بہتر و برتر مؤرخ ثابت ہوتا ہے۔

۱۰۵ رفعت، مبارز الدین
اورنگ آباد کی اردو اور فارسی مطبوعات
جنوری ۵۷، ص ۴۱ تا ۵۲

اورنگ آباد میں چھپی ہوئی مندرجۂ ذیل سات اردو اور تین فارسی کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

اردو : ۱ ـ شہادت نامۂ قاری عبدالولی ۲ ـ تاریخ الخلفاء ۳ ـ تحفۂ صحت و فیض عام ۴ ـ برکات ائمۃ الطاہرین ۵ ـ دیوان افسر ۶ ـ نسخۂ دافع بلا المعروف بہ درطاعون و بلا ۷ ـ کلمات کلیمی •

فارسی : ۱ ـ ضیاء القلوب ۲ ـ روضۃ الاولیاء ۳ ـ حقائق و معارف القدر

ان کتابوں کا سنہ طباعت ۱۳۰۳ اور ۱۳۲۲ ھجری کے درمیان ہے۔

۱۰۶ زور، ڈاکٹر سید محی الدین قادری
بہمنی ادب
اکتوبر ۵۰، ص ۴ تا ۱۲

بہمنی دور میں اردو کی کافی سرپرستی کی گئی۔ خواجہ بندہ نواز، سید عبداللہ حسینی، میر شاہ میراں جی، شمس العشاق وغیرہ بڑے پائے کے مصنف تھے۔ بہمنیوں نے دکن میں علم و فضل کی جو فضا پیدا کی تھی وہ ان کی سلطنت کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ اس نے گولکنڈہ اور بیجاپور میں ایسی نشو و نما پائی کہ دنیائے اردو اس پر جتنا ناز کرے کم ہے۔

۱۰۷ زور، ڈاکٹر محی الدین قادری
دکن کی آخری طویل اردو مثنوی
جنوری ۵۰، ص ۸ تا ۱۳

اسحٰق سرزمین دکن کا ایک غیر معروف شاعر ہے جس نے بائیس سال کی عمر میں ایک طویل مثنوی ریاض العارفین لکھی جو اپنے مطالب اور طرز ادا کے لحاظ سے اردو کی عمدہ مثنویوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ لیکن اردو دنیا اب تک اس مثنوی سے نا واقف رہی۔ ریاض العارفین کے دو نسخے ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد، کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

۱۰۸ سخاوت مرزا ، محمد

ترجمہ واگ بھٹ و خیل نامۂ ہاشمی

اکتوبر ۵۹ ، ص ۳۵ تا ۴۶

سنسکرت کتاب واگ بھٹ کا ترجمہ محمود شاہ بہمنی کے عہد میں فارسی میں ہوا تھا ۔ یہ طب کی کتاب ہے ۔ اس میں ہندی دواؤں کے نام ملتے ہیں ۔ خیل نامہ گھوڑوں کے علاج کے بارے میں ہے ۔ یہ بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہوئی ۔

۱۰۹ سخاوت مرزا ، محمد

ریاض غوثیہ (مصنفہ غوثی بیجاپوری)

اپریل و جولائی ۶۷ ، ص ۰ ۷ تا ۷۹

ریاض غوثیہ میں تقریباً ۱۶۲۸۸ اشعار ہیں ۔ کل کتاب گیارہ چمن پر مشتمل ہے اور ہر چمن گیارہ گلدستے پر منقسم ہے ۔ مثنوی میں مختلف رنگوں کے پھولوں ، میوہ جات اور طیور کے نام آتے ہیں ۔

۱۱۰ سخاوت مرزا ، محمد

شاہ صدرالدین میسوری اور دکھنی تصنیفات

اپریل ۶۳ ، ص ۶۳ تا ۷۱

جولائی ۶۳ ، ص ۴۷ تا ۶۰

شاہ صدرالدین نواب دلاور خاں کے ہم عصر تھے ۔ ان کی وفات بارہویں صدی ہجری میں ہوئی ۔ وہ کثیرالتصانیف تھے ۔ ان کی دو مثنویاں (۱) مثنوی درپن اور (۲) مثنوی علم مہوسی یعنی کیمیاگری نقل کی گئی ہیں اور ان پر تفصیلی بحث بھی کی گئی ہے ۔

۱۱۱ سخاوت مرزا ، محمد

قصۂ کفن چور منظوم

جنوری ۶۶ ، ص ۴۹ تا ۵۸

شیخ داؤد ضعیفی شیخ محمود بحری اور مختار بیجاپوری کے برادر طریقت تھے ۔ ان کی زبان وہی ہے جو ان کے معاصرین کی ہے ۔ قصۂ کفن چور کا ایک مخطوطہ کتب خانۂ سالارجنگ ، حیدرآباد ، میں محفوظ ہے ۔ مضمون میں پوری مثنوی نقل کی گئی ہے ۔

۱۱۲ سخاوت مرزا ، محمد

مثنوی بلقیس و سلیمان

اپریل ۵۷ ، ص ۳۷ تا ۵۸

مثنوی بلقیس و سلیمان ارکاٹ کے ایک شاعر اعزالدین نامی کی تصنیف ہے ۔ یہ چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے اور ایک سال کے عرصہ میں لکھی گئی تھی ۔ مذکورہ بالا مثنوی کے علاوہ نامی نے چھ اور مثنویاں لکھی ہیں ۔

۱۱۳ سخاوت مرزا ، محمد

مثنوی تحفۂ اعظم مصنفہ غلام علی کوکنی

جولائی ۵۸ ، ص ۲۲ تا ۴۰

شیخ غلام علی مہری بمبئی کے رہنے والے تھے ۔ ان کی مثنوی تحفۃ الاعظم مثنوی سحرالبیان کے مقابلے میں لکھی

گئی ۔ اس کا سال تصنیف ۱۲۶۱ھ ہے ۔ اس کی زبان اس علاقے کے اردو شعرا کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے ۔ مثنوی کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ جامعۂ عثمانیہ میں محفوظ ہے ۔

۱۱۴ سخاوت مرزا ، محمد

مثنوی ریاض العارفین

جولائی و اکتوبر ۵۱ ، ص ۵۰ تا ۶۹

نوائے ادب ماہ جنوری ۱۹۵۰ء میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے مثنوی ریاض العارفین مصنفہ مولانا اسحٰق بیجاپوری کا تعارف کراتے ہوئے اسحٰق کو دکن کا ایک غیر معروف شاعر بتایا ہے ۔ لیکن نہ تو یہ مثنوی غیر معروف ہے اور نہ اُس کا مصنف ۔ یہ مثنوی مدراس ، بمبئی اور بنگلور میں آج سے کئی قرن پہلے خاص اہتمام کے ساتھ طبع ہوچکی ہے ۔ بمبئی میں حسب ایماے محمد سلیم قادری (متوفی ۱۲۶۵ھ) حافظ محمد اکبرخاں مرادآبادی نے اس کو بامحاورہ اردو میں منتقل کیا ۔

۱۱۵ سخاوت مرزا ، محمد

مثنوی مرآۃ الحشر

جولائی ۶۱ ، ص ۲۶ تا ۴۴

سید محمد فراقی بیجاپوری محمد عادل شاہ اور نصرتی کے ہم عصر تھے ۔ ان کی مثنوی مرآۃ الحشر کے دو نسخے کتب خانۂ آصفیہ میں محفوظ ہیں ۔ اس کا ماخذ مثنوی مطلع الانوار ہے ۔ فراقی نے اس کے باب «آخرت نامہ» کو اردو کا جامہ پہنایا ہے ۔ مثنوی لسانی اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے ۔

۱۱۶ سخاوت مرزا ، محمد

مجمع علم و ہنر ، مدراس

جولائی ۵۷ ، ص ۲۳ تا ۳۲

مدراس میں مجمع علم و ہنر یعنی سائنٹفک سوسائٹی ہندوستان کی دوسری سوسائٹیوں کے مقابلے میں بارہ سال قبل قائم ہوچکی تھی ۔ اس کی طرف سے بہت سی انگریزی اور عربی کتابوں کا اردو (ہندی) میں ترجمہ کیا گیا ۔

۱۱۷ سخاوت مرزا ، محمد

معراج نامۂ مختار دکھنی (بیجاپوری)

اکتوبر ۵۶ ، ص ۴۱ تا ۶۴

مختار دکھنی بیجاپوری کے کمیاب معراج نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ ہے ۔ ابیات کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۶۶۲ ہے ۔ یہ اس زمانے کی تصنیف ہے جب بیجاپور پر شہنشاہ عالمگیر کے حملے ہو رہے تھے ۔ شاعر نے اپنے وقت کی مروّجہ زبان اور محاوروں کو خوبی و لطافت کے ساتھ استعمال کیا ہے ۔

۱۱۸ سعید ، م ۔ ن ۔

ضمیمۂ قطب مشتری

اکتوبر ۶۹ ، ص ۵۹ تا ۷۰

ملا وجہی کی قطب مشـــتری کے خـاتمے پر ایک ضمیمـہ ہے جو بائیس صفحـات پر مشتمل ہے ۔ اس میں جن واقعات کا اور جس انـداز سے ذکر ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ مثنوی قطب مشتری کا ضمیمـہ نہیں بلکـہ ایک مستقل نظم ہے اور قطب مشتری میں اس کی شمولیت غلط ہے ۔

۱۱۹ عبدالقادر سروری

شاہ سراج کا منتخب دیوانہا

جولائی ۶۰ ، ص ۵ تا ۱۱

منتخب دیوانہا کا یہ مخطوطہ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے ۔ اس میں کوئی ترقیمہ نہیں ہے ۔ اس میں کل ۲۴۷ شعرا کا انتخاب شامل ہے ۔ مخطوطے میں سب سے اہم چیز اس کا دیبـاچہ ہے کیونکہ اس سے سراج اورنگ آبادی کے حالات ہماری دسترس میں آجاتے ہیں ۔

۱۲۰ عصمت جاوید

پھـــول بن

جولائی ۶۹ ، ص ۵ تا ۳۹

ابن نشاطی کی مثنوی پھول بن کے دو ایڈیشن عبدالقادر سروری اور شیخ چاند کے مرتب کئے ہوئے منظر عام پر آچکے ہیں ۔ دونوں نسخوں کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے کے بعد پھول بن کی ادبی و لسانی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔

۱۲۱ عندلیب زہرا کاظمی

دکن میں اردو ادب کا ارتقـا اور ہر صنف کے اہم نمایندوں کے کارنامے

اپریل ۶۸ ، ص ۴۷ تا ۹۹

دکن میں اردو کی ابتدا و ارتقـا کے لحـاظ سے اس کو سات ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ۔ ہر دور میں اردو ادب نے نہ صرف نـثر بلکہ شاعری کی بھی ہر صنف میں ترقی کی ۔ اردو ادب کی تاریخ میں دکـن کے شعرا اور نـثر نگاروں کا مقام بہت بلند ہے ۔

۱۲۲ فرید برہان پوری ، شیخ

وفات نامۂ شاہ عیسیٰ جند اللہ

جنوری ۵۷ ، ص ۵ تا ۲۷

برہان پور میں شاہ عیسیٰ جند اللہ نامی ایک بزرگ (پیدایش ۹۶۳ھ ، وفات ۱۰۳۱ ھ) گـذرے ہیں جنھوں نے اپنے باطن کی گوناگوں تجلیات سے وہاں کے عوام کو بہت فیض پہنچایا تھا ۔ ان کی وفات پر ان کے ایک شاگرد نے ایک وفات نامـہ لکھـا تھا ۔ مضـمون میں اسـی کا تعارف کرایا گیا ہے ۔

۱۲۳ گوپی چند نارنگ ، ڈاکٹر

مثنوی لورک چندا (اردو)

اکتوبر ۶۴ ، ص ۲۰ تا ۲۹

چندائن کے قصے کو ملا داؤد نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۷۷۹ھ میں نظم کیا ۔ انہوں نے اپنی مثنوی کی

بنیاد غالباً کسی قدیم لوک گیت یا عوامی کتھا پر رکھی اور اسے اودھی زبان میں لکھا ۔ اس مثنوی کو اردو کے کئی قدیم شعرا نے نظم کیا ۔ مضمون میں غواصی اور مہدوی کی مثنویوں پر خصوصاً تبصرہ کیا گیا ہے ۔

۱۲۴ محمود قادری ، ابوالفضل

اوراقِ پارینہ

اپریل ۵۶ ، ص ۳۳ تا ۴۷
جولائی ۵۶ ، ص ۵۵ تا ۶۳
جنوری ۵۷ ، ص ۵۳ تا ۶۵
اپریل ۵۷ ، ص ۵۹ تا ۶۲
جولائی ۵۷ ، ص ۴۱ تا ۵۳

(پروفیسر) نجیب اشرف ندوی ، ڈائرکٹر اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذاتی ذخیرے میں قدیم اردو سے متعلق جو کتابیں ہیں ان میں ایک نایاب قلمی بیاض بھی ہے ۔ اس میں سے چند نظمیں پیش کی گئی ہیں اور ان کی لسانی خصوصیات بتائی گئی ہیں ۔

۱۲۵ نجیب اشرف ندوی

ایک کہانی چار شاعروں کی زبانی

اکتوبر ۵۰ ، ص ۴۳ تا ۵۴

ابو شحمہ کی علالت کے قصے کو اردو کے چار شاعر ابوالحسن تانا شاہ ، عاصم ، شاہد قاضی اور محمد بن عبدالکریم نے نظم کیا ۔ ان میں سے دو پیش رو ہیں اور دو مقلد۔ دو موحد ہیں اور دو ناقل ۔ مضمون میں چاروں نظموں کے مخطوطات سے بحث کی گئی ہے ۔

۱۲۶ نجیب اشرف ندوی

بمبئی سے متعلق دو قدیم مثنویاں

اکتوبر ۶۰ ، ص ۵ تا ۱۶

انیسویں صدی کے مشہور دکنی شاعر بابو میاں فقیہ کی دو مثنویاں جو آتش زدگی اور عمارتوں کے انہدام سے متعلق ہیں ، نقل کی گئی ہیں ۔ یہ حادثہ ۱۷ فروری ۱۸۰۳ کو بمبئی میں پیش آیا تھا ۔ مثنویوں کی زبان میں اس عہد کی گجراتی اور دکنی اردو کی اکثر خصوصیات موجود ہیں ۔

۱۲۷ نذیر احمد ، ڈاکٹر

کتاب نورس کا ایک اہم اور سب سے مکمل نسخہ

اکتوبر ۶۶ ، ص ۵۵ تا ۶۳

کتاب نورس ابراہیم عادل شاہ ثانی ، والیء بیجا پور ، کے گیتوں کا مجموعہ ہے ۔ لیکن مختلف نسخوں میں گیتوں کی تعداد میں فرق پایا جاتا ہے ۔ مضمون میں مختلف مخطوطات کا جائزہ لیا گیا ہے اور سب سے مکمل نسخے (نسخۂ سالار جنگ میوزیم) پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔

۱۲۸ نذیر احمد ، ڈاکٹر

معراج العاشقین

اکتوبر ۶۷ ، ص ۷۶ تا ۸۰
جنوری ۶۸ ، ص ۵ تا ۲۱

حضرت خواجہ بندہ نواز ، گیسو دراز کے حالات زندگی کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے رسالۂ معراج العاشقین کی لسانی اہمیت بتائی گئی ہے ۔ اس کے مختلف

نسخوں سے بحث کرنے کے علاوہ اس کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔

۱۲۹ نصیرالدین ہاشمی

دکن میں اردو کے ہندو شعرا

اپریل ۵۲، ص ۲۸ تا ۳۹

تقریباً ساڑھے پانسو سال سے اردو زبان دکن کے ایک وسیع حصے میں رائج ہے۔ اس مدت میں مسلمان شعرا کے ساتھ ساتھ ہندو شعرا نے بھی اردو میں طبع آزمائی کی۔ مضمون میں کئی ہندو شعرا کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۱۳۰ نصیرالدین ہاشمی

دکھنی حکمراں اور دیسی بولیوں کی سرپرستی

جنوری ۵۶، ص ۴۱ تا ۵۳

گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان کے حکمرانوں نے نہ صرف اردو کی بلکہ مقامی زبان تلنگی کی بھی سرپرستی کی۔ غواصی، ابن نشاطی اور جنیدی کے علاوہ تلنگی شعرا گنگادھر، ملا ریڈی اور ویمنا بھی قطب شاہی دربار سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۳۱ نصیرالدین ہاشمی

دکھنی کلچر

جنوری ۵۳، ص ۶ تا ۱۷

دکن میں پہلے برہمنوں کی حکومت رہی۔ پھر مسلمان آئے، اور ان کے بعد انگریزوں نے حکمرانی کی۔ اس طرح یہاں یکے بعد دیگرے تین کلچروں کا دور رہا۔ دکن یا حیدرآباد کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہاں اب بھی یہ تینوں کلچر ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس لطیف کلچر کو دکھنی کلچر سے موسوم کرنا چاہیئے۔ مضمون میں کلچر کے مختلف اجزاء مثلاً زبان، کھانا پینا، لباس، رہن سہن وغیرہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

۱۳۲ نصیر الدین ہاشمی

دکھنی مرثیوں کا ایک نایاب مجموعہ

اکتوبر ۵۹، ص ۱۷ تا ۲۶

عبدالجلیل المتخلص بہ جلیل، غالباً قطب شاہی دور کا شاعر تھا۔ اس کے مرثیوں کا ایک مجموعہ نواب سالارجنگ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مضمون میں اسی مجموعے کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۱۳۳ نصیر الدین ہاشمی

شاہان دکن کی اردو شاعری

اکتوبر ۶۴، ص ۵۵ تا ۶۹
جنوری ۶۵، ص ۳۰ تا ۴۸
جولائی ۶۵، ص ۱۲ تا ۲۴

بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد دکن میں پانچ ریاستیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے بیجاپور کی عادل شاہی اور گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کے علاوہ سلسلۂ آصفیہ کے بادشاہوں نے بھی اردو شاعری میں اپنے نقش ثبت کئے ہیں۔ اُن کے عہد میں شاعری کی ہر صنف سخن نے ترقی کی۔

۱۳۴ نصیرالدین ہاشمی

مدراس میں اردو کا کچھ نیا مسالہ
اپریل ۵۷، ص ۱۹ تا ۳۶
۱۹۳۸ع میں مضمون نگار کی کتاب مدراس میں اردو شائع ہوئی تھی. اس کے بعد سے تقریباً ۲۰ سال کے عرصے میں جو کچھ نیا مسالہ انھیں اس سلسلے میں مل سکا ہے اس کو انہوں نے یہاں پیش کیا ہے. یہ مسالہ بارہ شاعر، چار نثرنگار اور بعض اخبارات کے ذکر پر مشتمل ہے.

۱۳۵ نصیرالدین ہاشمی

نصرتی کا سن وفات
اپریل ۵۴، ص ۴۹ تا ۵۱
مختلف ماخذوں کو سامنے رکھ کر نصرتی کے سن وفات سے متعلق بحث کی گئی ہے اور آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ ان کا سن وفات ۱۰۸۵ھ ہے.

۱۳۶ نعیم‌الدین، ڈاکٹر سید

حضرت شاہ غلام حسین ایلچ پوری کی ایک نادر مثنوی
اپریل ۵۸، ص ۵۷ تا ۶۰
یکرنگ نامہ میں بعض صوفیانہ مسائل کو بڑی لطافت کے ساتھ نظم کیا گیا ہے. اس کی زبان قدیم ہونے کے باوجود صاف اور سلیس ہے.

۱۳۷ نعیم‌الدین، ڈاکٹر سید

دکنی زبان کی ایک کمیاب مثنوی
جولائی ۵۷، ص ۳۳ تا ۴۰
عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مثنوی لگن نامہ ایلچ پور کے مشہور بزرگ شاہ غلام حسین کی تصنیف ہے. چونکہ شاہ غلام حسین کی وفات ۱۷۹۵ء میں ہوئی اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ۱۷۹۵ء سے پہلے کی تصنیف ہے. ہندی کے سرل اور کومل شبدوں نے مثنوی میں رس اور ترنم پیدا کردیا ہے. یہ تمثیلی انداز میں لکھی گئی ہے.

۱۳۸ نعیم‌الدین، ڈاکٹر سید

غلام حسین ایلچ پوری کا اشغال نامہ
جنوری ۶۵، ص ۵ تا ۲۹
یہ نظم ترجیع بند کی شکل میں ہے. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہویں صدی میں دکن کے صوفیوں میں اشغال و اذکار نے کس قدر مقبولیت اور اہمیت حاصل کرلی تھی.

ج - گجراتیات

۱۳۹ باقر علی ترمذی، ڈاکٹر

گجرات کی ایک غیرمعروف اردو مثنوی
جولائی ۵۰، ص ۸ تا ۱۹
بارہویں صدی کے ربع اول میں رستم علی خاں گجرات کا ایک فیاض اور

ہر دلعزیز سردار تھا ۔ اس نے مرہٹوں سے کئی بار جنگ کی اور فتح پائی ۔ لیکن ۱۱۳۶ھ کی جنگ میں وہ مارا گیا ۔ مضمون میں اس جنگ کا تاریخی پس منظر پیش کرنے کے بعد مثنوی کے مخطوطے کا تعارف کرایا گیا ہے ۔ اس کا مصنف سلیمان ہے ۔ مثنوی کا سنہ تالیف ۱۱۵۰ھ ہونا چاہئے ۔

۱۴۰ راشد ، مطیع اللہ برہانپوری
صوفیائے گجرات کا ایک عجیب قلمی مجموعہ
جولائی و اکتوبر ۵۱ ، ص ۲۸ تا ۴۹

اس مجموعے میں صوفیائے رفاعی کے وہ عملیات ، وظائف ، منتر وغیرہ درج ہیں جن کی برکت و تاثیر سے رفاعی فقرا کھلے ہوئے سینے پر بے تحاشا ضربیں لگانے کے باوجود زخموں سے محفوظ رہتے ہیں ۔ ان عملیات کے علاوہ سلسلۂ رفاعیہ کے چند بزرگوں کے رسالے بھی اس میں شامل ہیں ۔

۱۴۱ ضیاء الدین احمد دیسائی
شغل طوبیٰ
اکتوبر ۵۵ ، ص ۶ تا ۱۲

شغل طوبیٰ خان محمد بن ولی محمد منیرشاہ غزنی منجھن شاہی متوفی ۱۰۲۸ھ کی تصنیف ہے جس میں صوفیانہ اشغال بیان کئے گئے ہیں ۔ کتاب کی زبان خوب ترنگ کی زبان سے ملتی جلتی ہے ۔ مصنف خوب محمد چشتی کا ہم عصر ہے ۔ آخر میں مقالہ نگار نے کتاب کے ہندی اشعار (۱۷) نقل کئے ہیں اور اُن میں سے گجراتی الفاظ الگ کر کے مع معنی لکھے ہیں ۔

۱۴۲ ضیاء الدین احمد دیسائی
گفتار ملک احمد
جولائی ۵۵ ، ص ۱۰ تا ۱۲

گیارہویں صدی ہجری کے وسط کی ایک مختصر نظم جو کتب خانۂ درگاہ پیر محمد شاہ ، احمدآباد ، میں ایک کتاب (فن ۸ کتاب ۲۶۵) کی پشت پر لکھی ہوئی ہے ۔ یہ نظم ملک محمد کی ہے جو شہر بھڑوچ کا رہنے والا تھا ۔ اس نے اس نظم میں اپنے دور کی عام حالت کا نقشہ کھینچا ہے ۔ مضمون میں نظم نقل کی گئی ہے ۔ مخطوطے کی خصوصیات اور لسانی کیفیات دکھانے کے علاوہ مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی درج مقالہ ہے ۔

۱۴۳ ظہیر الدین مدنی ، ڈاکٹر سید
گجرات کی مثنویاں
جولائی ۵۴ ، ص ۵ تا ۳۲

گیارہویں ، بارہویں ، تیرہویں اور چودہویں صدی کی چند تازہ دریافت شدہ مثنویوں کا تعارف کرایا گیا ہے ۔ ان میں عبد الملک بھڑوچی ، رحمت احمدآبادی ، غلام رسول سرور ، سنمجھو

سورتی اور ان کے شاگرد منظور کی چند مثنویاں شامل ہیں۔ سمجھو کے افیونی نامہ کے چند اقتباسات دئے گئے ہیں۔

۱۴۴ ظہیر الدین مدنی، ڈاکٹر

گجرات میں مذہبی مثنویاں

جنوری ۵۰، ص ۶۶ تا ۷۲
اپریل ۵۰، ص ۱۳ تا ۲۸
جولائی ۵۲، ص ۵ تا ۲۶

خدا رسیدہ بزرگوں نے مثنوی سے تبلیغ مذہب اور اخلاق آموزی کا کام لیا۔ گجرات میں قدیم مثنوی نگاروں کے جتنے کارنامے دستیاب ہوئے ہیں وہ تمام بہ استثنائے چند مذہبی ہیں اور انھیں کی زبان اُس وقت کی معیاری زبان تھی۔ مضمون میں اکثر مثنویوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۴۵ عالی جعفری، ڈاکٹر

شہر بمبئی کے کتب خانوں میں دیوان ولی کے قلمی نسخے

جولائی ۵۲، ص ۲۷ تا ۶۸

شہر بمبئی کے مختلف کتب خانوں میں دیوان ولی کے جو قلمی نسخے پائے جاتے ہیں ان کا تعارف کرایا گیا ہے اور جامع مسجد بمبئی اور کاما لائبریری کے مخطوطوں پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

۱۴۶ عالی جعفری، ڈاکٹر

مثنوی خوب ترنگ ـ فنی و ادبی خصوصیات

اکتوبر ۶۸، ص ۵ تا ۲۴

خوبِ محمد چشتی کی مثنوی خوب ترنگ اردو، فارسی کی مثنویوں کی عام روش سے ہٹ کر ہے۔ اس میں عقائد اور علم کلام کے موضوعات پر سیرحاصل اور دلچسپ گفتگو ملتی ہے۔ اس میں مثنویٔ معنوی کی طرح سے تمثیلوں اور فرضی حکایتوں کے ضمن میں اخلاقی مسائل کی تعلیم ایک ماہر نفسیات کے انداز میں دی گئی ہے۔

۱۴۷ عبدالرزاق قریشی

اردو کا قدیم ترین دیباچہ

اکتوبر ۵۸، ص ۵۴ ـ ۵۳

اردو کے ایک قدیم شاعر عبدالولی عزلت نے اپنے دیوان کا دیباچہ اردو میں لکھا ہے جو وقت کی عام رسم سے ہٹ کر ہے۔ یہ اردو زبان میں پہلا دیباچہ ہے۔

۱۴۸ عبدالرزاق قریشی

ساقی نامۂ عزلت

جولائی ۶۴، ص ۵ تا ۲۶

ساقی نامۂ عزلت میں ۳۳۱ اشعار ہیں۔ اس کا تاریخی نام «بیان ظہور» ہے۔ چونکہ یہ ساقی نامہ ساقی نامۂ دردمند کو سامنے رکھ کر لکھا گیا تھا اس لئے اس کا انداز مجموعی حیثیت سے وہی ہے جو ثانیٔ الذکر کا ہے۔ یہ ساقی نامہ ایک ناقص نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

۱۴۹ عبدالستار دلوی ، ڈاکٹر

مناجات بدرگاہِ قاضیء الحاجات

در مدح حضرت شاہ عالم

جنوری ۶۵ ، ص ۶۹ تا ۷۴

یہ حضرت شاہ عالم رح سے متعلق تیرہویں صدی ہجری کے گجرات کے ایک صوفی شاعر شیخ دین کی نظم ہے۔ یہ مثنوی اب تک شائع نہیں ہوئی ہے ۔ اس کے دو قلمی نسخے بمبئی یونیورسٹی لائبریری کے کھٹکھٹے کلکشن میں محفوظ ہیں ۔ مضمون کے آخر میں مثنوی نقل کی گئی ہے ۔

۱۵۰ محمد عبدالحمید فاروقی ، ڈاکٹر

امین گجراتی کی یوسف زلیخا

جنوری ۵۵ ، ص ۶ تا ۲۰

اپریل ۵۵ ، ص ۶ تا ۱۷

جولائی ۵۵ ، ص ۶ تا ۹

امین گجراتی مصنف یوسف زلیخا کے ممکن الحصول حالاتِ زندگی ، ان کے معاصرین اور مثنویء مذکور کی روشنی میں امین کی شخصیت اور مذہب کا ذکر کیا گیا ہے ۔ پھر خود مثنوی کا تعارف اور اس کے مندرجات کی تفصیل ہے ۔ مثنوی حسن ترتیب کے ساتھ ساتھ کردارنگاری اور جذبات کی عکاسی کے لحاظ سے بھی قابل تعریف ہے ۔

۱۵۱ نورالدین حسین ، قاضی سید

گجراتی مسلمان اور گجری زبان

جولائی ۵۷ ، ص ۴۵ تا ۶۵

گیارہویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی تک گجراتی مسلمانوں نے گجری زبان کی نشو و نما میں جو حصہ لیا اسے تین ادوار میں تقسیم کر کے ہر دور کے اساتذہ کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے ۔

۲ ـ لسانیات

۱۵۲ تنویر احمد علوی ، ڈاکٹر

بکٹ کہانی (مصنفہ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی)

اپریل ۶۹ ، ص ۵ تا ۱۹

مفتی الہی بخش کاندھلوی کی بکٹ کہانی کی زبان کا مطالعہ ہمیں کھڑی بولی کے روپ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے جو اردو کی اصل روپ ریکھا ہے ۔ مضمون میں نظم کا لسانیاتی نقطۂ نگاہ سے مطالعہ پیش کیا گیا ہے ۔

۱۵۳ دیوی سنگھ چوہان

پرت نامہ ، لسانیاتی پہلو

اکتوبر ۶۷ ، ص ۱۶ تا ۲۶

قطب الدین قادری کی مثنوی پرت نامہ کو فیروز بیدری نے مرتب کیا ہے۔ مضمون

نگار نے اس پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے اور اس کے لسانیاتی پہلوؤں سے خصوصاً بحث کی ہے ۔

۱۵۴ دیوی سنگھ چوہان

پھول بن کے چند الفاظ

جولائی ۶۵، ص ۵ تا ۱۱

عبدالقادر سروری اور شیخ چاند کے مرتب کئے ہوئے پھول بن کے اڈیشنوں سے چند الفاظ لے کر ان کا لسانیاتی تجزیہ کیا گیا ہے ۔

۱۵۵ دیوی سنگھ چوہان

کلمۃ الحقائق کا لسانیاتی مطالعہ

جولائی ۶۸، ص ۲۷ تا ۶۰

کلمۃ الحقائق سید شاہ برہان الدین جانم بیجاپوری کی تصنیف ہے۔ یہ تصوف کے موضوع پر ایک چھوٹا سا نثری رسالہ ہے ۔ لسانی نقطۂ نگاہ سے اس کی اہمیت کافی ہے ، چنانچہ اس مضمون میں اس کا لسانیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے ۔

۱۵۶ دیوی سنگھ چوہان

معراج العاشقین ـ لسانیاتی پہلو

جولائی ۶۶، ص ۱۲ تا ۳۴

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تصنیف معراج العاشقین کی لسانیاتی خصوصیات تفصیل سے بتائی گئی ہیں ۔

۱۵۷ عبدالستار دلوی ، ڈاکٹر

اردو میں دخیل آوازیں

جولائی ۶۸، ۵ تا ۱۱

اردو میں دخیل آوازوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ، مصوتے اور مصمتے ۔ اردو میں دس مصوتے مانے جاتے ہیں ۔ اردو میں عربی و فارسی کی دخیل آوازوں میں ع غ ف ق ص ض ط ظ اور ح کو پیش کیا جاتا ہے ۔ لیکن ہند آریائی زبانوں کے جدید دور میں ان دخیل آوازوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ مگر ف کی آواز کا استعمال اب بھی ہوتا ہے۔

۱۵۸ عبدالستار صدیقی ، ڈاکٹر

وضع اصطلاحات

اپریل ۶۱، ص ۵ ا ۵۸

مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی کی وضع اصطلاحات پر تفصیلی تبصرہ جو خود مصنف کی فرمایش پر کیا گیا تھا ۔ ابتدا میں مصنف کے حالات زندگی بھی دئے گئے ہیں ۔

۱۵۹ کالا سنگھ بیدی ، ڈاکٹر

پنجابی اور اردو مختلف نظریوں کے آئینے میں

جنوری ۶۶، ص ۶۶ تا ۷۶

اپریل ۶۶، ص ۵ تا ۲۷

پنجابی اور اردو سے متعلق گریرسن، پنڈت کیفی ، ڈاکٹر سدھیشور ورما وغیرہ کے نظریوں پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔ مضمون کی ابتدا میں زبان کی تاریخ بتائی گئی ہے ۔

۱۶۰ گرناتھ راج دیویکر

قطب مشتری میں گجراتی، کنڑ اور مرہٹی الفاظ

اپریل ۵۲ء ص ۶۵ تا ۶۸

ملا وجہی کی قطب مشتری کا لسانیاتی تجزیہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں مرہٹی، کنڑ اور گجراتی کے الفاظ اور محاورے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

۱۶۱ گرناتھ راج دویکر

کنڑی زبان میں رائج ہندوستانی الفاظ اور محاورے

اپریل ۶۶، ص ۶۵ تا ۶۸

کرناٹک کی زبان بہت پرانی ہے اور تامل سے بڑی حد تک مشابہت رکھتی ہے۔ اس میں عربی، فارسی، ترکی، مراٹھی اور گجراتی الفاظ بھی ملتے ہیں، لیکن معنی ان کے اصل سے کافی حد تک مختلف ہوگئے ہیں۔

۱۶۲ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر

کچھ علامت «نے» اور جمع اضافت کے بارے میں

اپریل و جولائی ۶۷ء ص ۴۶ تا ۴۸

دیوی سنگھ چوہان کا مضمون «معراج العاشقین۔ لسانیاتی پہلو» نوائے ادب کے جولائی ۱۹۶۶ع کے شمارے میں شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے معراج العاشقین مرتبہ گوپی چند نارنگ کے بعض مشتبہ مقامات کی طرف اشارے کئے تھے مضمون نگار نے ان کی وضاحت کی ہے۔

۱۶۳ مہدی حسن، ڈاکٹر

چینی زبان کے الفاظ قرآن میں

جولائی ۵۳ء ص ۸۱ تا ۸۶

بہت سے الفاظ قرآن میں ایسے ہیں جو چینی زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند عربی الفاظ دئے گئے ہیں اور ان کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

۳۔ تذکرے اور تبصرے

۱۶۴ آمنہ خاتون، ڈاکٹر

سید عارف شاہ میسوری کا خاندان

جولائی ۶۶، ص ۳۵ تا ۴۲

سید شاہ عارف اللہ حسینی کے آباو اجداد بیجاپور کی ایک شاخ ارکاٹ میں مقیم تھے۔ اس خاندان میں حکمت یعنی یونانی علاج کا سلسلہ موروثی بن کر چلا آتا ہے۔ ان کے بھائی سید محمد بدرالدین حسینی کو میسور کے راجہ نے اپنا قاصد بھیج کر دربار میں بلایا تھا۔ سید شاہ عارف اللہ حسینی کے صاحبزادے سید شاہ قادری محی الدین حسینی ہیں۔

۱۶۵ آمنہ خاتون، ڈاکٹر
شاہ صدرالدین اور ان کی مثنویاں
اپریل و جولائی ٦٧، ص ۹۴ تا ۱۰۴

شاہ صدرالدین باپ کے انتقال کے بعد ویلور سے تلونگل چلے آئے۔ ان کی تاریخ وفات کتب خانۂ آصفیہ کے ایک مخطوطے (۳۹۳۸ جدید) میں ۱۱۷۷ ھ ۶۴-۱۷۶۳ ع درج ہے۔ ان کے چند رسالے اورینٹل لائبریری، میسور، میں موجود ہیں۔ ان کی مثنویوں میں سے کسب محویت، رسالۂ کیمیا اور مرآۃ الافکار زیادہ مشہور ہیں۔ ان کی زبان ڈھائی سو سال پہلے کی میسوری اردو کا نمونہ ہے۔

۱۶۶ ابو رفاعہ سعید انصاری
امراؤ مرزا انور دہلوی
جنوری ٦٦، ص ۱۷ تا ۲۵

سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا انور کے والد سید جلال الدین خوش‌نویسی میں بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ مرزا انور کا شمار خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق کے نامور شاگردوں میں ہوتا ہے۔ مضمون نگار کو ایک قلمی بیاض ملی ہے جس میں انور کی ۹ غزلیں اور ۹۳ متفرق اشعار ہیں۔

۱۶۷ اختر جونا گڑھی، قاضی احمد میاں
میر فخرالدین حسین خاں سخن دہلوی
جولائی ۵۰، ص ۲۰ تا ۲۴

غالب کے بعض تلامذہ اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں۔ انہیں میں میر فخرالدین حسین خاں سخن بھی ہیں۔ میر صاحب غالب کے نواسے اور انہیں کے تربیت یافتہ تھے۔ مضمون میں میر صاحب کے دو دیوان سروشِ سخن اور دیوان سخن کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۶۸ اکبر الدین صدیقی، محمد
برہان بیجاپوری
اپریل ٦٨، ص ٦٩ تا ۷۳

برہان بیجاپوری گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے جن کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ ان کی تین غزلیں دی گئی ہیں۔ پہلی غزل کی ردیف میں اس عہد کے کئی اور شعرا نے غزلیں کہی ہیں۔ ان کا بھی مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

۱۶۹ اکبرالدین صدیقی، محمد
مرزا محمد مقیم
اکتوبر ۵۷، ص ۴۴ تا ۵۶
جنوری ۵۸، ص ۳۸ تا ۵۹

مرزا محمد مقیم ۱۰۱۰ اور ۱۰۱۵ھ کے درمیان بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ وہ فارسی میں مقیم اور سلمی تخلص کرتے تھے اور دکھنی میں مقیمی۔ ان کے معاصرین میں حکیم محمد امین آتشی، کمال خاں رستمی اور فارسی گو شعراء میں ملا ملک قمی، عبداللطیف، عبدالقادر

اور عبدالنبی وغیرہ جیسے شعراء تھے ۔
مقیمی کی تصانیف میں ایک فارسی دیوان
اور ایک اردو مثنوی چندربدن و مہیار ہیں ۔

۱۷۰ اکبر علی
جلالی احمد آبادی
جنوری ۵۱ ، ص ۵۳ تا ۷۱
اپریل ۵۱ ، ص ۵۳ تا ۷۱
جولائی ۵۴ ، ص ۵۶ تا ۶۲
اکتوبر ۵۴ ، ص ۲۶ تا ۳۳

جلالی کا پورا نام سید محمد مقبول عالم ہے ۔ جہانگیر ان سے آسان فارسی میں قرآن کے ترجمے کی فرمایش کرتا ہے ۔ ان کے فارسی دیوان کا ایک مخطوطہ احمدآباد میں پیرمحمد شاہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے ۔ جلالی ایک بلندپایہ شاعر ہونے علاوہ نثار بھی تھے ۔ مآثرالامراء کا مصنف انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو مذہب امامیہ کا پیرو بتاتا ہے ۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں ۔

۱۷۱ بسم اللہ بیگ ، مرزا
منشی امیراللہ تسلیم
جنوری ۵۲ ، ص ۴۹ تا ۵۹

نام محمدحسین تھا لیکن منشی امیر اللہ کے نام سے مشہور ہوئے ۔ تیرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا ۔ ابتدا میں کسی استاد سے اصلاح نہیں لی ، لیکن بعد میں مرزا اصغر علی خاں نسیم کے لکھنؤ تشریف لانے پر انہیں اپنی غزلیں دکھانے لگے ۔ غزل کے علاوہ انہیں قصیدے اور مثنوی میں بھی کمال حاصل تھا ۔

۱۷۲ تنویر احمد علوی ، ڈاکٹر
افضل اور ان کا وطن
اکتوبر ۶۹ ، ص ۵ تا ۱۸

افضل کی بکٹ کہانی شعری محاسن کے علاوہ غیرمعمولی طور پر لسانی اہمیت کی حامل ہے ۔ اس اعتبار سے افضل کی وطنیت اور ان کی شاعری کے لسانی حلقہ کا تعین دلچسپی کا مستحق ہے ۔ مختلف تذکروں کے بیانات اور لسانی شواہد کے پیش نظر یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ افضل جھنجھانہ ، ضلع مظفرنگر ، کے باشندہ تھے ۔

۱۷۳ ثمینہ شوکت ، ڈاکٹر
جنگ آزادی کا اولین مجاہد
(مبارز الدولہ)
اکتوبر ۶۰ ، ص ۱۷ تا ۲۹

گوہر علی خاں مبارز الدولہ ، سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے فرزند تھے ۔ یہ نوجوان آزادیء وطن کی خاطر کئی بار گولکنڈہ کے قلعے میں نظربند رہے ۔ ایک تاریخی تذکرہ « عطاے تمکین » میں مبارز الدولہ کا ذکر بحیثیت شاعر کیا گیا ہے ۔ وہ آصف تخلص کرتے تھے ۔

۱۷۴ ثمینہ شوکت ، ڈاکٹر
مکھن لال اور ان کی اردو شاعری
اپریل ۵۹ ، ص ۲۸ تا ۴۳

مکھن لال کو دولت آصفیہ سے راجہ کا خطاب ملا تھا۔ وہ اپنی خوش خلقی اور نیک صفات کے لئے مشہور تھے۔ ان کا اردو کلام ترجیع بند، مسدس اور مخمس پر مشتمل ہے۔ انہوں نے عمرخیام کی رباعیوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

۱۷۵ جمیل الدین، سید

طالع یار خاں

اکتوبر ۵۴ء ص ۵ تا ۱۶

نواب مرزا یوسف خاں کے فرزند طالع یارخاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہادر شاہ ظفر کے معتمد خاص تھے۔ طالع یار خاں کو فنون سپہ‌گری اور بنوٹ میں کمال حاصل تھا۔ وہ نواب وزیرالدولہ (والیء ٹونک) کے استاد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد وہ بھوپال تشریف لے گئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔

۱۷۶ حامد اللہ ندوی

شاہ عبد الحیء احقر

اپریل ۵۲ء ص ۴۳ تا ۵۹

شاہ عبد الحیء احقر ۱۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کچھ اپنے والد شاہ ابراہیم سے اور کچھ مقامی اساتذہ سے حاصل کی۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔

۱۷۷ حامد اللہ ندوی

شمس العلماء مولوی عبدالرحمان شاطر

اپریل ۶۶ء ص ۵۴ تا ۶۴

عبدالرحمٰن شاطر کی کنیت ابوالمعانی اور مولد و مسکن مدراس ہے۔ ان کا مجموعۂ کلام تین رسالوں پر مشتمل ہے: ۱۔اعجاز عشق ۲۔ضمیمۂ اعجاز عشق ۳۔ گلدستۂ شاطر۔ شاطر نے تین اصناف غزل، قصیدہ اور رباعی میں طبع آزمائی کی ہے۔

۱۷۸ حبیب النساء بیگم، ڈاکٹر

حضرت مخدوم بیجا پوری

اکتوبر ۶۷ء ص ۳۸ تا ۴۹

شیخ مخدوم محمد ساوی ناصر الدین شاہ قادری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ دکن میں ان کے فضائل و کمالات کی شہرت تھی۔ ان کی تصانیف جوامع الاسرار، رسالۂ تصوف وغیرہ کے علاوہ دکنی میں بھی ان کے متعدد رسالے ہیں۔

۱۷۹ حبیب النساء بیگم، ڈاکٹر

نسیم میسوری اور تذکرۂ ساقی

جولائی ۶۲ء ص ۴۷ تا ۶۵

نسیم کے سوانح حیات کا ذکر کرنے کے بعد ان کے چار خط دئے گئے ہیں جو انہوں نے اپنے محبوب دوست اور شاگرد ساقی کو لکھے تھے۔ ان خطوں کے ذریعے نسیم کے معاصرین اور ماحول کے علم کے ساتھ ساتھ میسوری زبان اور عام طرز تحریر سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔

۱۸۰ حبیب خاں

مظہر علی خاں ولا

جنوری ۵۹، ص ۵۳ تا ۶۰

فورٹ ولیم کالج کے منشی مرزا لطف علی خاں مظہر علی خاں ولا کے نام سے زیادہ مشہور ہیں. وہ ہندی اور سنسکرت میں بھی مہارت رکھتے تھے. فورٹ ولیم کالج میں انہوں نے فارسی اور ہندی کی چند کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جو کسی حد تک رواں اور سلیس ہیں. ان کی ایک تصنیف جہانگیر نامہ ہے. ان کے دیوان کا ایک نسخہ کتب خانۂ شاہان اودھ میں تھا.

۱۸۱ ذاکر حسین فاروقی، ڈاکٹر

منیر شکوہ آبادی

اپریل ۶۹، ص ۴۲ تا ۵۷
جولائی ۶۹، ص ۶۶ تا ۷۲
اکتوبر ۶۹، ص ۴۶ تا ۵۸

سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی نے انگریزوں کے خلاف باغیانہ نظمیں لکھیں اور چند امرا کو ان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا. ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد وہ گرفتار ہوئے. ان پر مقدمہ چلا اور انہیں عمر قید کی سزا ہوئی، چنانچہ وہ انڈمان بھیجے گئے. آخر نواب رام پور کی سفارش سے انہیں رہائی ملی. انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی. ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات مضمون آفرینی اور قادر الکلامی ہیں.

۱۸۲ رشید علی

ناصر بنگلوری - بنگلور کا گمنام شاعر

جنوری ۶۳، ص ۵۲ تا ۶۱

ناصر بنگلوری کا دیوان دو حصوں میں چھپا ہے. دیوان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے. ان کی غزلوں میں گداز، مرثیوں میں سوز و ساز اور قصیدوں میں شان و شوکت پائی جاتی ہے.

۱۸۳ سخاوت مرزا، محمد

ابو المعرفت شاہ زین الدین کنج نشین بیدری رح

اکتوبر ۶۰، ص ۴۱ تا ۶۰

شاہ زین الدین سجادہ نشین ۱۲۹۹ھ میں بیدر میں پیدا ہوئے اور یہیں ان کا نشو و نما ہوا. ۱۳۱۹ھ میں وہ دہلی گئے. پھر انہوں نے سہارن پور، دیوبند، آگرہ، اجمیر وغیرہ کی سیر کی. استاد داغ و جلال کی اصلاح نے ان کے کلام کو خوب صاف کیا.

۱۸۴ سخاوت مرزا

اثیمہ، مدراس کی ایک جیّد شاعرہ

اکتوبر ۵۲، ص ۴ تا ۴۰

اثیمہ مدراس کی رہنے والی تھیں. انہوں نے متعدد مثنویاں اپنی یادگار چھوڑی ہیں. واقعہ نگاری اور فطرت کی مرقع

کشتی میں انہیں کمال حاصل تھا. ان کی اردو متوسط درجہ کی ہے ، لیکن ایک مدراسی خاتون ہونے کے لحاظ سے فصیح ہے .

۱۸۵ سخاوت مرزا ، محمد

دکن کے ایک قدیم گمنام صاحب دیوان شاعر الااللہ شطاری

اکتوبر ۶۸ ، ص ۶۸ تا ۷۳

الااللہ شاہ کے حالات تاریکی میں ہیں . صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ صوفی المشرب اور شطاری الطریقہ تھے . ان کی تصانیف میں ایک دیوان دکھنی زبان میں اور ایک صوفیانہ مثنوی «سمجھ دیکھ» ہے .

۱۸۶ سخاوت مرزا ، محمد

سلطان محی الدین .سالک کڑپوی ثم حیدرآبادی

اپریل ۶۰ ، ص ۲۷ تا ۴۰

سالک کڑپہ میں پیدا ہوئے . زمانۂ شباب میں اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر ویلور میں آ رہے . ان کی اہم تصنیف ان کا اردو دیوان ہے . دوسری تالیف شہادت نامہ ہے جو دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے .

۱۸۷ سخاوت مرزا ، محمد

سید شاہ فقیر محی الدین مقبل میسوری

جنوری ۵۴ ، ص ۸ تا ۱۹

اپریل ۵۴ ، ص ۵ تا ۱۹

حضرت مقبل رح میسور کے مشہور بزرگ تھے قصبہ محل ، ضلع چنور (مدراس) ان کا آبائی وطن تھا اور وہیں انہوں نے نشو و نما پائی . بعض خانگی حالات کے سبب اپنے بھائی شاہ افضل کے ساتھ میسور چلے آئے اور وہیں کے ہو رہے . ان کا کلام حقائق و معارف کا آئینہ ہے .

۱۸۸ سخاوت مرزا ، محمد

سید محمد حسینی المقلب بہ شاہ میر رانچوٹی

اپریل ۵۳ ، ص ۲۴ تا ۴۱

جولائی ۵۳ ، ص ۶ تا ۱۴

حضرت شاہ میر اردو کے ابتدائی نثرنگار ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے . دکھنی اردو میں ان کی کئی تصانیف ہیں . مضمون میں ان کے حالات و تصانیف کا ذکر کرنے کے بعد ان کی ایک تصنیف ‹ اسرار توحید › کے چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن میں فلسفہ و منطق کی اصطلاحات کے ذریعے وجود ذات پر مدلّل بحث ہے .

۱۸۹ سخاوت مرزا ، محمد

عارف باللہ قاضی محمود بحری قدس سرہ اور ان کی تصنیفات

جولائی ۵۵ ، ص ۲۴ تا ۵۰

اکتوبر ۵۵ ، ص ۲۸ تا ۶۸

جنوری ۵۶ ، ص ۶ تا ۴۰

قاضی محمود بحری کے حالات متعدد مستند کتابوں اور خود بحری کی تصنیف

عروس عرفان اور مختلف شجروں اور اسناد خاندانی سے مرتب کئیے گئیے ہیں۔ بحری کے معاصرین کے بھی مختصر حالات اور بحری سے ان کے تعلقات کی نوعیت مضمون میں بتائی گئی ہے۔ من لگن، عروس عرفان، بنگاب نامہ اور کلیات فارسی ان کی تصنیفات ہیں۔ مثنوی من لگن پر مضمون نگار نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

۱۹۰ شریف احمد

ندوی صاحب اسماعیل کالج میں
جنوری ۶۹، ص ۳۹ تا ۴۹

ندوی صاحب اسماعیل یوسف کالج، بمبئی، کے طلبہ و طالبات اور اساتذہ میں اپنی شگفتہ مزاجی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے مقبول تھے۔

۱۹۱ شکیل، عبدالغفار

غم بنگلوری
اکتوبر ۵۹، ص ۵۱، ۶۸

غم کی پیدایش انیسویں صدی کے اوائل میں بنگلور میں ہوئی۔ تعلیم کچھ ایسی زیادہ نہ تھی پھر بھی ان کی موزوں طبیعت نے انھیں شاعر بنایا۔ پیشے کے لحاظ سے وہ صحافی تھے۔ میسور میں انھوں نے اردو صحافت کی داغ بیل قاسم الاخبار کے اجرا سے ڈالی۔ مضمون میں ان کی مثنوی (مثنوی غم) کے چند اقتباسات بھی دئیے گئیے ہیں۔

۱۹۲ شہاب مالیر کوٹلوی، مہر محمد خاں

پروفیسر محمد ابراہیم ڈار
جولائی ۵۳، ص ۴۹ تا ۸۰

(پروفیسر) محمد ابراہیم ڈار عربی، انگریزی، فارسی اور اردو کے عالم ہونے کے علاوہ گجراتی اور ہندی سے بھی واقف تھے۔ ان کے علمی و تحقیقی کارنامے انگریزی اور اردو میں دو طرح کے ہیں۔ ایک انگریزی اور اردو میں متعدد اساسی و تنقیدی مقالات اور لیکچر جو انھوں نے تاریخ ادب، شعر و انشا وغیرہ پر لکھے۔ دوسرے وہ علمی و تحقیقی اعانتیں جو انھوں نے قدیم و جدید کتابوں کی تدوین میں اپنے بعض احباب کی فرمائی ہیں۔

۱۹۳ صباح الدین عبد الرحمٰن، سید

آہ سید نجیب اشرف صاحب ندوی!
جنوری ۶۹، ص ۵ تا ۲۴

نجیب اشرف صاحب طالب علمی ہی کے زمانے سے اپنی ذہانت کے لئیے مشہور تھے۔ انھیں بچپن ہی سے کتابیں جمع کرنے اور مطالعہ کا شوق تھا۔ دارالمصنفین میں رہ کر انھیں علمی و ادبی خدمت کا موقع ملا۔ پھر وہ بمبئی میں اسماعیل یوسف کالج میں پروفیسر ہوگئیے۔ وہاں سے سبکدوش ہونے پر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ سے آخری دم تک وابستہ رہے۔

۱۹۴ ضیاء احمد بدایونی

نواب ظہور اللہ خاں نوا بدایونی

اکتوبر ۶۸ ء ص ۳۴ تا ۴۶

نواب ظہور اللہ خاں نوا بدایوں میں ۱۱۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ انواع علم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ تحصیل فارسی کے لئے ایران گئے تھے۔ ان کی کئی تصانیف فارسی اور اردو میں ہیں۔

۱۹۵ عالی جعفری، ڈاکٹر

میاں خوب محمد چشتی احمد آبادی — تعارف

جولائی ۶۸ ء ص ۷۷ تا ۸۱

خوب محمد نام اور خوب و خوبی تخلص ہے۔ یہ ایک بڑے صوفی تھے اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ان کی متعدد تصانیف فارسی اور گجری (قدیم اردو) میں ہیں۔

۱۹۶ عبد الرزاق قریشی

استاد مرحوم

جنوری ۶۹ ء ص ۵۶ تا ۶۶

ندوی صاحب کی علمی و ادبی زندگی کا آغاز دارالمصنفین کی رفاقت سے ہوا، لیکن ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسماعیل کالج، بمبئی، میں گذرا۔ ان کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور متنوع بھی۔ ان کی کتاب مقدمۂ رقعات عالمگیر عالمگیریات میں ایک اہم اضافہ ہے۔

۱۹۷ عبدالرزاق قریشی

تلامذۂ میرزا مظہر

جولائی ۶۲ ء ص ۵ تا ۱۸

میرزا مظہرؒ ایک بلند مرتبہ صوفی اور نغزگو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دقیقہ رس اور نکتہ شناس استاد بھی تھے۔ ان کے بہت سے شاگرد تھے۔ اس مضمون میں شرف الدین مضمون کے حالات زندگی دئے گئے ہیں اور ان کے کلام پر مختصراً تبصرہ کیا گیا ہے۔

۱۹۸ علی جواد زیدی

نجیب اشرف ندوی — ایک تأثر

جنوری ۶۹ ء ص ۵۰ تا ۵۵

ندوی صاحب کی زندگی دین و دنیا کا ایک حسین سنگم تھی۔ ان کی طبیعت میں ایک طرح کی آزاد خیالی تھی۔ وہ زود حس بھی تھے، دوستوں اور عزیزوں کی بے راہ روی کا اثر لیتے تھے مگر ظاہر نہ ہونے دیتے۔

۱۹۹ غلام حسین ندوی

بہار کا ایک گمنام شاعر

اپریل ۶۰ ء ص ۲۰ تا ۲۶

مفتی غلام مخدوم ثروت پھلواروی کے قلمی دیوان (دیوان ثروت) میں تقریباً ڈیڑھ سو غزلیں اور چند رباعیاں ہیں۔ مضمون میں ثروت کے فارسی اشعار کے نمونے بھی دئے گئے ہیں۔

۲۰۰ قاسم علی سجن لال

مسودۂ قانون ٹرسٹیان علی گڑھ پر مولانا الطاف حسین حالی کے خیالات

جولائی ۵۸ء، ص ۵۰ تا ۵۳
اکتوبر ۵۸ء، ص ۳۳ تا ۵۰

مقالہ نگار نے اپنے ایک مختصر نوٹ کے بعد مسودۂ قانون ٹرسٹیان علی گڑھ پر مولانا الطاف حسین حالی کے خیالات درج کئے ہیں۔ جو میور گزٹ سے لئے گئے ہیں۔

۲۰۱ قطب النساء بیگم ہاشمی

ایک غیر معروف دکنی شاعر

اپریل ۶۰ء، ص ۶۱ تا ۶۶

تسلیم گلشن آبادی ۱۸۳۰ء میں ٹیکمال میں پیدا ہوئے۔ بعد میں وہ مستقل طور پر گلشن آباد میں رہنے لگے۔ اردو و فارسی دواوین کے علاوہ ان کی رباعیات کا ایک مجموعہ «رباعیات تسلیم» کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ بحر عرفان المعروف «مناجات ہائے تسلیم» وحدت الوصول، مرثیۂ تسلیم وغیرہ ان کی دوسری مشہور تصانیف ہیں۔

۲۰۲ قطب النساء بیگم ہاشمی

فانی بدایونی

جنوری ۵۳ء، ص ۲۳ تا ۴۰

شوکت علی خاں فانی سلام نگر، ضلع بدایوں، میں ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے کلام کا بڑا حصہ صداقت، خلوص اور سچائی سے بھرا ہوا ہے۔ ان کے اشعار تصوف، دل کی باتیں، خودغرض دنیا وغیرہ کے موضوع سے پُر ہیں۔ غزل میں ان کے کلام کی ہم آہنگی کی نظیر بہت کم ملے گی۔

۲۰۳ قیصر، سید محمود حسن

سید عبد اللہ جائسی لندنی

اپریل ۶۲ء، ص ۳۹ تا ۵۶

سید عبد اللہ کا تقرر بنارس رزیڈنسی میں ٹرانسلیٹر کی جگہ پر ہوا۔ دو سال بعد وہ ریاست کے معتمد رکن کی حیثیت سے انگلینڈ چلے گئے۔ سات سال کے بعد ہندوستان واپس آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ میر بہادر علی حسینی کے ترجمۂ اخلاق ہندی کا دوسرا ایڈیشن سید عبد اللہ نے تصحیح کرکے شائع کیا تھا۔ اس کے خاتمے پر ان کی عبارت اور ایک قصیدہ ہے جس سے ان کی اردو نثر نگاری اور قوت نظم کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۰۴ لطیف الرحمن، سید

نساخ اور اس کے کارنامے

اکتوبر ۶۰ء، ص ۳۰ تا ۴۰

مولوی عبدالغفور نساخ کے والد قاضی فقیر محمد دیوانی عدالت عالیہ، کلکتہ، کے سرکاری وکیل تھے۔ نساخ بڑے زودگو اور پرگو شاعر تھے۔ ان کا مذاق سخن لکھنوی تھا۔ وہ کامل الفن

شاعر ہونے کے علاوہ ادیب بھی تھے۔
ان کی تصانیف کثیر التعداد ہیں۔ ان میں سے گنجینۂ تواریخ، چشمۂ فیض، سوانح عمری، نساخ اور چار دیوان شائع ہوچکے ہیں۔

۲۰۵ مالک رام
سائل دہلوی
اپریل ۵۲، ص ۴ تا ۱۸

نواب سراج الدین احمد خاں سائل ۱۸٦۷ء میں پیدا ہوئے۔ ایک ادارے کے مدیر اعلیٰ اور عالم دین ہونے کے علاوہ وہ ایک علمی و ادبی مجلے کے ایڈیٹر بھی تھے۔ ان کا شعری سرمایہ ایک لاکھ اشعار سے کم نہ ہوگا۔ ان کا بڑا کارنامہ ان کی مثنوی نور علیٰ نور ہے لیکن افسوس کہ وہ نامکمل ہے۔

۲۰٦ مالک رام
مرزا یوسف
اپریل ۵۹، ص ۵ تا ۱۷

غالب کے چھوٹے بھائی مرزا یوسف غالب کی طرح پنشن میں حصۂ رسدی کے حقدار قرار دئے گئے تھے۔ جب تک مرزا یوسف زندہ رہے مہینے کے مہینے ان کی پنشن کے ساڑھے باسٹھ روپے آجاتے۔ لیکن ان کے انتقال (۱۸۵۷ع) کے بعد آمدنی کا یہ ذریعہ منقطع ہوگیا۔

۲۰۷ محمد ابراہیم
جلال مفتی گنجوی عظیم آبادی
جنوری ٦٦، ص ۵ تا ۹

جلال کو شاعری، تصوف اور حکمت ورثے میں ملی تھیں۔ ان کے کلام کا ایک ناقص الطرفین مخطوطہ مضمون نگار کے پاس موجود ہے جس میں بارہ سو سے زائد اشعار ہیں۔

۲۰۸ محمد ابراہیم ڈار
ڈاکٹر باقر علی ترمذی
جولائی و اکتوبر ۵۱، ص ۱۰۳ تا ۱۱۲

باقر علی ترمذی کاٹھیاواڑ کے رہنے والے تھے۔ عربی زبان و ادب کے علاوہ ان کو اسلامی تاریخ اور کلچر کے ساتھ والہانہ شغف تھا۔ وہ زیادہ تر انگریزی میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ بعد میں اردو میں لکھنا شروع کیا۔ انھوں نے گجرات کی ایک رزمیہ اردو مثنوی کو ایک مفصل مقدمے کے ساتھ ایڈٹ کیا۔

۲۰۹ محمد حامد، خواجہ
امام بخش صہبائی
جنوری ٦۳، ص ۱۴ تا ۳۲

صہبائی کے والد مولانا محمد بخش تھانیسری ترک وطن کرکے دہلی آگئے تھے۔ صہبائی نے مولوی عبداللہ خاں علوی سے جو ایک معمر استاد تھے۔ عربی و فارسی کی تحصیل کی تھی۔ انھوں نے کم سنی ہی میں شعر کہنا شروع کیا۔

۲۱۰ مسعود احمد ، پروفیسر
سید علی غمگین
اپریل ۶۳، ص ۵ تا ۹

سید علی غمگین کو سعادت یار خاں رنگین سے شرف تلمذ حاصل تھا ۔ ان کے کلام کا مجموعہ مخزن الاسرار ۷۰۰ غزلوں پر مشتمل ہے اور مکاشفات الاسرار میں ۱۸۰۰ رباعیاں ہیں ۔ ان کے علاوہ ایک ضخیم فارسی شرح مرآۃ الحقیقت بھی ان کی تصنیف ہے ۔

۲۱۱ مقبول احمد ، شاہ
میر محمد سلیم سلیم عظیم آبادی
اپریل ۵۹، ص ۱۸ تا ۲۴

عظیم آباد میں سلیم ایک نامور شاعر گذرے ہیں ۔ لیکن ان کا دیوان دستیاب نہ ہوسکا ۔ کافی کوششوں سے ۸۹ اشعار جمع کئے گئے ہیں ۔

۲۱۲ مقیت الحسن
رافت سرہندی
جولائی ۵۹، ص ۵۹ تا ٦٧

شاہ رؤف احمد رافت سرہندی کے والد شاہ شعور احمد بہ سلسلۂ ملازمت مستقل طور سے رام پور میں بس گئے تھے اور یہیں رافت کی پیدائش ہوئی ۔ ان کے کلام میں سراپا نگاری اور خط وخال محبوب کے مضامین کی کثرت ہے جو اس دور کی عام بات تھی ۔

۲۱۳ نجیب اشرف ندوی
کوکن کے اربعۂ عناصر
اپریل ۵۸، ص ۵ تا ۲۴

کوکن کے چار اردو شاعر قاسم ، فقیہ ، علی اور یوسف کے حالات زندگی اور ان کے ادبی کارناموں کا تعارف ۔

۲۱۴ نذر مصطفی صاحب
ولی کے احباب ، تلامذہ اور ان کا وطن
اکتوبر ۵۳، ص ۴۵ تا ۵۵

پروفیسر نجیب اشرف ندوی ولی کو گجراتی بناتے ہیں اور ثبوت میں سنہ ۱۱۰۷ھ میں لکھی ہوئی ایک قلمی دستاویز پیش کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر زور نے ولی کے اورنگ آبادی ہونے کے ثبوت میں ان کے کلام سے بیسیوں داخلی شہادتیں پیش کی ہیں ۔ ولی کے تلامذہ کی تعداد کل پانچ ہے ۔ ان میں دو گجرات کے اور تین اورنگ آباد کے رہنے والے تھے ۔

۲۱۵ نورالدین حسین ، قاضی سید
حکیم روح اللہ
اپریل ۵۰، ص ۴ تا ۱۲
جولائی ۵۰، ص ۴ تا ۷

شیخ روح اللہ بن فقیہ اللہ بھروچی کے آباء واجداد نے عرب سے آکر سورت میں سکونت اختیار کی ۔ روح اللہ نے تصوف و طب کی تعلیم حاصل کی اور ان میں مہارت بہم پہنچائی ، چنانچہ اکبر اور جہانگیر کے درباروں تک ان کی رسائی ہوئی ۔ فوائد الانسان طب میں ان کی ایک منظوم تصنیف ہے ۔ انھوں نے جہانگیر کے حکم سے زہر ہلاہل تیار کیا تھا ۔

۲۱۶ ویملامدن ، ڈاکٹر مسز
نصیرالدین ہاشمی اور دکھنی
اکتوبر ۶۴ ، ص ۷۰ تا ۷۳
نصیرالــــدین ہاشمی نے اردو میں دکھنی ساہتیہ کی تاریخ لکھی ہے۔ اس کے علاوہ عہد آصفی کی قدیم تعلیم ، خواتین دکن کی اردو خدمات وغیرہ ان کی کافی مشہور کتابیں ہیں ۔ انھوں نے لگ بھگ ۲۵ ، ۳۰ کتابیں دکھنی ادب اور ادیبوں پر لکھی ہیں ۔

نقد و نظر

۲۱۷ حامداللہ ندوی
چندر بدن و مہیار
اپریل و جولائی ۶۷ ، ص ۸۰ تا ۹۳
مقیمی کی مثنوی چندر بدن و مہیار کو عبدالقادر نے جو مدراس کے رہنے والے تھے ، گلزار شاکر کے نام سے پاکیزہ زبان میں نظم کیا ہے۔ کلام میں بے حد پختگی ہے ۔ رعایت لفظی کے ساتھ سلاست بیان اور لطف زبان قابل داد ہے ۔

۲۱۸ دیوی سنگھ چوہان
بہ اشارۂ مینا و ستونتی
اپریل و جولائی ۶۷ ، ص ۲۰ تا ۴۰
ڈاکٹر غلام عمرخاں نے مینا و ستونتی کا متن مختلف مخطوطوں کے باہمی مقابلے کے بعد ازسر نو مرتب کیا ہے اور مثنوی کا تفصیلی لسانیاتی جائزہ لیتے ہوئے مراٹھی اور دوسری زبانوں کے لفظوں کی فرہنگ دی ہے ۔ مضمون نگار نے اس پر تنقیدی نظر ڈالی ہے ۔

۲۱۹ ذکیہ انجم ، ڈاکٹر
شعر و زبان
اپریل ۶۹ ، ص ۶۹ تا ۷۴
« شعروزبان » ڈاکٹرمسعودحسین خاں کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو دو حصوں پر منقسم ہے ۔ پہلے حصے کے مضامین شاعری سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے کے زبان کے مختلف مسائل سے بحث کرتے ہیں ۔ چند خامیوں سے قطع نظر یہ مجموعہ وضاحت خیال، سادگیء بیان، علمی بصـــیرت اور ذوق سخن‌سنجی کا ایک عمدہ صحیفہ ہے ۔

۲۲۰ رفعت ، سیـد مبارزالـدین
« قدیم اردو » پر ایک تنقیدی نظر
جنوری ۶۷ ، ص ۲۷ تا ۴۶
« قدیم اردو » کا پہلا شمـارہ جو جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد کے شعبۂ اردو کی طرف سے شائع ہوا ہے ، اس کے محتویات یہ ہیں : (۱) مینا وستونتی (۲) کلام معظم بیجاپوری (۳) کشف الوجود

(۴) پرت نامـــہ (۵) بکٹ کہانی (۶) غزلیات حسن شوقی (۷) چند نادر دکنی رباعیاں۔ مضمون میں ان محتویات پر تبصرہ کیا گیا ہے ۔

۲۲۱ عبدالرزاق قریشی
ادب اوو نظریہ
جنوری ۵۹، ص ۶۱ تا ۶۸
« ادب اور نظریہ » آل احمد سرور کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کی تنقید میں سنجیدگی اور توازن پایا جاتا ہے ۔ ان کے اسلوب بیان کی شگفتگی ان کے مضامین کو خاصہ دلچسپ بنادیتی ہے۔ اس مجموعے کے بھی تقریباً تمام مضامین دلچسپ ، مفید اور اہم ہیں ۔

۲۲۲ عبدالرزاق قریشی
حیات اجمل
اکتوبر ۵۴، ص ۵۱ تا ۵۸
حیات اجمل مؤلفۂ قاضی عبدالغفار صرف ایک شخص کی سوانح عمری نہیں بلکہ اس میں جدید ہندوستان کی پوری سیاسی تاریخ آگئی ہے۔ مختلف تحریکوں کی تدریجی رفتار کے ذکر کی وجہ سے حکیم صاحب کی زندگی کے تدریجی انقلابات کا اچھی طرح اندازہ ہوجاتا ہے۔ لیکن ان کے طبی معرکوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ کتاب میں مصنف کی انشا پردازی کے عمدہ نمونے پائے جاتے ہیں۔

۲۲۳ عبدالرزاق قریشی
دیوان میر مرتبہ سردار جعفری
جنوری ۶۳، ص ۶۲ تا ۶۶
« دیوان میر » حقیقت میں دواوین میر کا انتخاب ہے۔ ابتدا میں مرتب کا مفصل دیباچـــہ ہے جس میں میر کی غزل کا پس منظر، معنوی خصوصیات اور زبان پر اظہـار خیال کیا گیا ہے۔ کتاب ظاہری شکل میں بھی دیدہ زیب ہے۔

۲۲۴ عبدالرزاق قریشی
لطائف السعادت
جولائی ۵۸ ، ص ۵۴ تا ۵۸
لطائف السعادت نواب سعادت علی خاں ، والیء اودھ ، کے لطیفوں کا مجموعہ ہے جسے انشاء اللہ خاں انشا نے جمع کیا تھا۔ ڈاکٹر آمنـہ خـاتون نے اسے مرتب کر کے شائع کیا ۔ یہ لطیفے فارسی زبان میں ہیں ۔ مرتبـہ نے اردو میں ان کا ترجمہ بھی کر دیا ہے ۔ کتاب کا سب سے اہم سرمایہ وہ حواشی ہیں جو مرتبہ نے لکھے ہیں ۔

۲۲۵ عبدالرزاق قریشی
مکتوبات سرسیـد مرتبہ شیخ محمـد اسماعیل پانی پتی
جولائی ۶۰، ص ۶۹ تا ۷۶
اس مجموعے کے ذریعے سرسیـد کے مشن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی تعلیمی سرگرمیوں اور مشن کی صحیح تصویر ان خطوط کو پڑھنے کے بعد نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ بعض خطوں سے ان کے عقائـد و خیالات کا

صحیح علم ہوتا ہے ۔ مرتب نے تقریباً ہر مکتوب الیـــہ کے مختصر حالات بھی لکھ دئے ہیں اور تشریح طلب باتوں کی تشریح بھی کردی ہے ۔

۲۲۶ عبدالرزاق قریشی

نوائے حیات

جولائی ۶۴ ، ص ۶۹ تا ۷۲

نوائے حیات یحییٰ اعظمی کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے ۔ اس کا مقدمہ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے ۔ یحییٰ کے کلام میں موضوعات کا تنوع ، اخلاص اور دردمندی ہے ۔ اس میں غور و فکر کا بھی سامان ہے اور نشاط روح کا بھی ۔

۲۲۷ عبدالودود ، قاضی

بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء سنہ ۱۸۵۷ء تک

اکتوبر ۵۸ ، ص ۵ تا ۳۲
جنوری ۵۹ ، ص ۵ تا ۳۳
اپریل ۵۹ ، ص ۴۴ تا ۷۰
جولائی ۵۹ ، ص ۵ تا ۳۷
اکتوبر ۵۹ ، ص ۵ تا ۱۶

اختر اورینوی کے ڈی ۔ لٹ ۔ کے مطبوعہ مقالے کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے تسامحات کی نشان دہی کی گئی ہے ۔ جوہری اور دوسرے شعرا کے مرثیوں کے سلسلے میں خصوصاً تفصیل سے بحث کی گئی ہے ۔

۲۲۸ عبدالودود ، قاضی

تاریخ ادبیات اردو

اکتوبر ۶۷ ، ص ۵ تا ۱۵

ڈاکٹر محمد صادق کی انگریزی کتاب ہسٹری آف اردو لٹریچر پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے اور اس کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے ۔

۲۲۹ علی جواد زیدی

گلشن ہمیشہ بہار

جنوری ۶۸ ، ص ۴۲ تا ۸۳

خیشگی کا تذکرہ «گلشن ہمیشہ بہار» ڈاکٹر اسلم فرخی (کراچی) کی ترتیب و حواشی کے بعد دوبارہ شائع ہوا ہے ۔ اس کا مطالعہ «گلشن بےخار» (شیفتہ) کے صحیح مقام کے تعــین کے لئے بہت ضروری ہے کیونکـــہ یہ ایک جوابی تذکرہ ہے ۔

۲۳۰ مالک رام

جگ بیتی پر ایک نظر

اکتوبر ۵۳ ، ص ۱۹ تا ۴۴

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی مثنوی کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور اس کی کردار نگاری ، منظر کشی ، سلاست و روانی وغیرہ پر بحث کی گئی ہے ۔ شاعر نے جن نئے الفاظ کا استعمال کیا ہے ان میں سے چند نمونے کے طور پر دئے گئے ہیں ۔

۲۳۱ محمد ابراهیم ڈار

حیات شبلی پر ایک نظر

جنوری ۵۰، ص ۲۲ تا ۵۷

حیات شبلی بقول اس کے مصنف سید سلیمان ندوی محض ایک شخص کی سوانح عمری نہیں بلکہ مسلمانوں کے پچاس سالہ علمی، قومی، ادبی، تعلیمی اور سیاسی واقعات کی تاریخ ہے۔ ابتدا میں مشرقی دیار کے علما و فضلا کے علمی و مذہبی کارناموں کی مفید و دلچسپ داستان ہے۔ مضمون میں کتاب کی خوبیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۳۲ وحید قریشی، ڈاکٹر

لکھنؤ کا دبستان شاعری

اکتوبر ۵۲، ص ۴۱ تا ۶۹

لکھنؤ کا دبستان شاعری ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر انھیں پی اچ. ڈی. کی ڈگری ملی. اب یہ کتابی صورت میں ہے. کتاب میں کل دس باب اور دو ضمیمے ہیں۔ مضمون نگار نے کتاب پر مفصل تبصرہ کیا ہے اور اس کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔

۵ ـ ڈراما

۲۳۳ بسمل، لال چند

پہلا مسلمان جس نے ناٹک لکھا

جولائی ۶۵، ص ۲۵ تا ۲۹

سندیش راسک ڈراما منی جن وجے جی کے ایک انگریزی ڈرامے کا ترجمہ ہے۔ مضمون میں ڈرامے کا مختصر سا خاکہ بھی دیا گیا ہے۔ مضمون نگار نے مندرجہ بالا عنوان قائم کرنے کے باوجود مسلمان مترجم کا نام نہیں دیا۔

۲۳۴ حسن، پروفیسر سید

محمود میاں رونق

جولائی ۵۴، ص ۳۳ تا ۵۵

رونق کے نام اور وطن کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں ملتی. کوئی ۲۳ ڈرامے ان کی تصنیفات سے ہیں. انھوں نے اپنے ڈراموں میں ہندوستانی اور مغربی دونوں ہی موسیقی کا استعمال کیا ہے. ان کے ڈراموں میں مختلف اصناف نظم کے ساتھ ساتھ ہندی چھند کی بھی مثالیں ملتی ہیں. رونق کی زبان دکھنی اور گجراتی دونوں کے اثرات رکھتی ہے۔

۲۳۵ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم

آغا حشر اور ان کے بعض معاصرین

جولائی ۵۲، ص ۳۵ تا ۴۸

آغا حشر اردو ڈرامانگاری کے دور سوم کے ڈرامانویس تھے۔ ان کے ہم عصروں میں احسن لکھنوی، آرزو لکھنوی، مراد لکھنوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۲۳۶ نامی، ڈاکٹر بدالعلیم
اٹھارہویں صدی عیسوی کے انگریزی ڈراموں میں اردو گانوں اور الفاظ کا استعمال
جولائی ۶۱، ص ۱۶ تا ۲۵

چارلس اسمتھ کا 'بنگال کا سفر' دو ایکٹ کا مختصر مزاحیہ ڈراما باون صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں خدمتگار، مشعلچی، سلام، بجرا، چھتری، دربان، پنکھا وغیرہ جیسے اردو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ڈرامے میں اردو گانے بھی استعمال ہوئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اٹھارہویں صدی کے ڈراموں میں گانوں کا استعمال ہوتا تھا۔

۲۳۷ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم
اردو تھیٹر کا معمار۔ جگن ناتھ سیٹھ
جنوری ۶۲، ص ۶۲ تا ۷۱

جگن ناتھ شنکر نے اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ انھوں نے لڑکیوں کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے علاوہ گرانٹ میڈیکل کالج بنوایا دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ وہ بمبئی تھیٹر سے بھی جو انگریزوں کے لئے مخصوص تھا، دلچسپی لیتے تھے۔ اس تھیٹر میں مرہٹی، گجراتی اور اردو تماشے دکھلائے گئے۔ اردو کا پہلا ڈراما راجہ گوپی چند اور جلندھر ۱۸۵۳ء میں دکھایا گیا۔

۲۳۸ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم
اردو تھیٹریکل کمپنیوں کے ابتدائی سفر
جولائی و اکتوبر ۵۱، ص ۸۶ تا ۱۰۲

اردو تھیٹریکل کمپنیوں کی ابتدا اور کارگذاری کا تفصیلی بیان ہے اور ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر ان کے ابتدائی سفروں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۳۹ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم
اردو کا پہلا دستیاب شدہ ڈراما
جنوری ۶۶، ص ۱۰ تا ۱۶

ڈراما خورشید ۱۸۷۱ء میں اسٹیج ہوا۔ اس نے اردو ڈرامے کی دنیا میں ایک نئی راہ پیدا کردی اور اردو تھیٹر کی کایا پلٹ دی۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ خورشید اردو کا بنیادی ڈراما ہے تو غلط نہ ہوگا۔

۲۴۰ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم
اردو کا پہلا ڈرامہ نویس
ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ
جنوری ۶۱، ص ۱۷ تا ۲۸

بھاؤ داجی لاڈ جگناتھ شنکر سیٹھ

کی معیت میں بمبئی تھئیٹر میں کام کرتے تھے۔ ۱۸۵۳ء میں انھوں نے «راجہ گوپی اور جلندھر» نامی ڈراما ہندوستانی (اردو) میں لکھا جو اردو کا پہلا ڈراما ہے۔ اس کے بعد «سیتا کی شادی» دوسرا ڈراما لکھا۔ انھوں نے بہت سی طبی کتابوں کا انگریزی سے مرہٹی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

۲۴۱ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم
خانصاحب نسروان جی مہروان جی آرام
اپریل ٦٨، ص ۳۳ تا ۴۸

امتیاز علی تاج کا ایک مضمون مندرجہ بالا عنوان سے مجلس ترقیءادب، لاہور، کے سہ ماہی رسالہ صحیفہ میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں اس کی چند فروگذاشتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

۲۴۲ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم
رونق بنارسی
اکتوبر ۵۴، ص ۳۴ تا ۵۰
جنوری ۵۵، ص ۳۰ تا ۴۱

رونق کا نام شیخ محمود اور وطن بنارس تھا۔ بمبئی آکر وہ خورشید جی مہروان جی بالیوالا کی پارسی وکٹوریہ ناٹک منڈلی میں ملازم ہوئے۔ انھوں نے تقریباً پچیس منظوم ڈرامے لکھے ہیں۔ مضمون نگار نے ان ڈراموں کی خصوصیات تفصیل سے بتائی ہیں۔

٦ - اخبارات و رسائل

۲۴۳ احمر لاری، ڈاکٹر
آفتاب ہند
اپریل ٦۹، ص ۵۸ تا ٦۸

آفتاب ہند انیسویں صدی کے وسط کا ایک اہم اخبار تھا جو بنارس سے نکلتا تھا۔ پہلے یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔ بعد میں پندرہ روزہ ہوگیا۔ خبروں کے علاوہ اس میں علمی و ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ مرور ایام کے ساتھ ساتھ اس اخبار کے نگراں بدلتے گئے اور اخبار کا موضوع بھی بدلتا گیا۔

۲۴۴ افسر، حامد اللہ
اردو کا سب سے پہلا اخبار
اپریل ۵۰، ص ۲۹ تا ۳۲

دیسی زبان میں سب سے پہلے ۱۸۱۸ء میں ایک بنگلہ اخبار نکلا جو سہرام پور کے عیسائی مشنریوں کا تھا۔ انھوں نے ایک ہفتہ وار پرچہ «سماچار درپن» بھی بنگالی زبان میں نکالا۔ لارڈ ہیسٹنگز کی فرمایش پر انھیں عیسائیوں نے «جام جہاں نما» فارسی اور اردو میں نکالا۔ یہی اردو کا پہلا اخبار ہے۔

۲۴۵ بیدار ، عابد رضا
اخبار سین‌ٹیفک سوسائٹی ، علی گڑھ
جولائی ۵۹ ، ص ۴۵ تا ۵۸
یہ اخبار علی گڑھ سے نکلا کرتا تھا اور انگریزی اور اردو دونوں ٹائپ میں چھپتا تھا ۔ اس میں ہفتہ بھر کی اہم قومی اور بین الاقوامی خبریں اور معلوماتی اور متنوع عنوانات پر مضامین شائع ہوتے تھے ۔ یہاں پر سنہ ۱۸۶۶ سے ۱۸۶۹ ع تک کی جلدوں کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

۲۴۶ بیدار ، عابد رضا
علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ، ۱۸۷۳ ع
اکتوبر ۶۱ ، ص ۵۷ تا ۶۹
۱۸۷۳ ع میں گزٹ کی آٹھویں جلد شروع ہوئی ۔ اس میں جو اہم مندرجات ہیں انہیں مضمون نگار نے تاریخ وار درج کردیا ہے اور ان کی تفصیل بھی بتائی ہے :

۲۴۷ حسن ، پروفیسر سید
گلدستۂ ناز
جنوری ۶۳ ، ص ۳۳ تا ۳۹
گلدستۂ ناز کو بلقیس بیگم مرتب کرتی تھیں ۔ امیر مینائی ، داغ دہلوی ، ریاض خیرآبادی ، منیر شکوہ آبادی ، مظفر علی خاں اسیر لکھنوی وغیرہ نے اس گلدستے کے لئے غزلیں لکھی تھیں ۔ اس کے سرپرستوں میں داغ دہلوی اور مہاراجہ پدمانندسنگھ کے نام سرفہرست ہیں ۔

۲۴۸ عرشی ، امتیاز علی
قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں
اپریل ۵۸ ، ص ۲۵ تا ۴۸
ادارۂ ادبیات اردو ، حیدرآباد ، کتب خانۂ آصفیہ ، حیدرآباد ، اور جامع مسجد ، بمبئی ، میں محفوظ بعض قدیم اخبارات کا تعارف اور ان میں غالب ، ذوق ، بہادر شاہ وغیرہ کے متعلق وقتاً فوقتاً جو اہم باتیں چھپی تھیں ، ان کی نشاندہی کی گئی ہے ۔

۲۴۹ فضل اللہ فاورقی
نورٌ علیٰ نور (۱۸۵۷ء سے پہلے کا ایک اردو ماہنامہ)
جولائی ۵۵ ، ص ۱۴ تا ۱۸
مضمون نگار کو رسالۂ نورٌ علیٰ نور کا ایک شمارہ ملا جس پر سنہ طباعت ۱۸۵۶ء اور مطبع کا نام چشمۂ فیض ہے ۔ مضمون میں اسی رسالے کا تعارف کرایا گیا ہے ۔ رسالے کی زبان اپنے عہد کے مطابق فارسی آمیز اردو ہے ۔

۲۵۰ میمونہ دلوی ، ڈاکٹر مسز
بمبئی کی اردو صحافت
اکتوبر ۶۳ ، ص ۳۷ تا ۵۱
بمبئی کی فضا اردو صحافت کے لئے خوشگوار ثابت ہوئی ہے ۔ مضمون میں مختلف اردو اخباروں پر تبصرہ کرتے ہوئے ۱۸۳۴ء سے ۱۹۱۲ء تک کے اخبارات کی فہرست بھی دی گئی ہے ۔

۲۵۱ میمونہ دلوی، ڈاکٹر مسز
بمبئی کے چند قدیم اردو اخبار
اکتوبر ۶۸، ص ۴۷ تا ۶۷
بمبئی کے قدیم اخبار کشف الاخبار، ملک کا شغر، حدیقۃ الاخبار، فرحت الاحباب، علم الاخلاق، عندلیب ہند، خادم ہند، اشتہار اور وکیل اسلام کا ذکر اور ان پر تبصرہ ہے۔

۲۵۲ نامی، ڈاکٹر عبدالعلیم
بمبئی میں اردو لیتھو پریس اور مطبوعات ۱۸۶۵ء تک
جولائی ۶۰، ص ۱۲ تا ۳۴
ہندوستان میں لیتھوگرافک پریس کی ابتدا کلکتے سے ہوئی۔ بمبئی میں اس کا آغاز ماؤنٹ اسٹوراٹ الفنسٹن کے عہد میں ۱۸۲۳ء میں ہوا۔ لیتھو پریس کے قیام کے ساتھ ہی اردو کی بہت سی کتابوں کا انگریزی میں اور انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا۔

۲۵۳ نثار احمد فاروقی
ودیا درش (ہندی کا قدیم اخبار)
اپریل ۶۴، ص ۴۲ تا ۵۲
ودیا درش میرٹھ سے شائع ہوتا تھا۔ یہ پندرہ روزہ تھا اور ضخامت ۸ صفحے تھی۔ یہ تعلیمی مقاصد کی ترویج کے لئے نکالا گیا تھا۔ اس کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ماسٹر رام چندر دہلوی کے بارے میں خبریں ملتی ہیں۔

۲۵۴ نجیب اشرف ندوی
اودھ ریویو
اکتوبر ۵۷، ص ۲۵ تا ۴۳
ماہنامۂ اودھ ریویو شائع کردہ منشی نولکشور کا تفصیلی تعارف، اور خود منشی صاحب کے حالات زندگی جو ان کے انتقال کے بعد اس رسالے میں شائع ہوئے۔

۲۵۵ نصیر الدین ہاشمی
آئینۂ سکندر یعنی بمبئی کا پہلا اردو اخبار
اپریل ۶۲، ص ۱۳ تا ۲۰
آئینۂ سکندر کا ایک فائل حیدرآباد میں محفوظ ہے جس کے بعض شماروں سے بطور تعارف اقتباسات دئے گئے ہیں۔

۷ ۔ کتب خانے

۲۵۶ حامد اللہ ندوی
کریمی لائبریری
جنوری ۵۰، ص ۴۳ تا ۴۹
انجمن اسلام ہائی اسکول، بمبئی، کے ہال میں کریمی لائبریری کاٹھیاواڑ کے ایک مخیر علم دوست قاضی عبدالکریم کی قائم کردہ ہے۔ یہ علمی، فنی اور ادبی کتابوں کے اعتبار سے ایک ممتاز لائبریری ہے۔

۲۵۷ عبدالودود ، قاضی

فہرست کتب خانۂ گارساں دتاسی

جنوری ۵۸ ، ص ۵ تا ۳۷

گارساں دتاسی کو فارسی زبان و ادب سے خاص دلچسپی تھی . ہندوستان نے بھی اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس نے تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی لکھی . دتاسی کے کتب خانے میں ۲۹۷۳ مجلدات ، کچھ نقشے وغیرہ تھے . مضمون کے آخر میں اہم کتابوں کی فہرست دی گئی ہے .

۲۵۸ فریدالدین برہانپوری ، شیخ

کتب خانۂ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ

اکتوبر ۵۵ ، ص ۱۳ تا ۲۷

احمد آباد کے کتب خانوں میں درگاہ پیر محمد شاہ کے کتب خانے کو خاص اہمیت حاصل ہے . اس میں شہر کے مختلف کتب خانوں کے نوادر جمع ہیں . ان میں بعض بہت اہم مخطوطے ہیں . ان مخطوطوں میں سے چند کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے .

۲۵۹ نصیرالدین ہاشمی

جامعۂ نظامیہ (حیدرآباد) کے اردو مخطوطات کا ایک جائزہ

جنوری ۶۴ ، ص ۵۵ تا ۵۹

اپریل ۶۴ ، ص ۲۸ تا ۴۱

اس کتب خانے کو نواب فضیلت جنگ نے ۱۲۹۲ھ میں قائم کیا تھا . اس میں عربی ، فارسی اور اردو مخطوطات کی تعداد تقریباً پندرہ سو ہے . ان میں سے اردو مخطوطات ۱۴۵ ہیں . مضمون نگار نے ہر موضوع کی چند کتابوں کا مختصر تعارف کرایا ہے اور آخر میں اردو مخطوطات کی مکمل فہرست دی ہے .

۲۶۰ نصیرالدین ہاشمی

حیدرآباد ، دکن ، کے عجائب خانہ کی اردو قلمی کتابیں

جنوری ۵۵ ، ص ۴۲ تا ۴۹

اپریل ۵۵ ، ص ۴۱ تا ۵۶

جولائی ۵۵ ، ص ۱۹ تا ۲۴

جولائی ۵۶ ص ۴۸ تا ۷۲

انجمن ترقیء اردو (ہند) کے حسب ایماء حیدرآباد کی اردو قلمی کتابوں کی فہرست کا جو کام ہورہا ہے مضمون ہذا اس سلسلے کی ایک کڑی ہے . متعدد کتابوں کا تعارف کرانے کے بعد مضمون نگار نے والہ کی مثنوی طالب و موہنی کا خلاصہ دیا ہے اور اس امر کا اظہار کیا ہے کہ میر نے ضرور والا کی مثنوی دیکھی ہوگی . اس نسخے کے ساتھ دکھنی اسکول کی تیرہ تصویریں ہیں جن میں لکھنوی معاشرت نظر آتی ہے .

۲۶۱ نصیرالدین ہاشمی

سنٹرل ریکارڈ آفس کی اردو قلمی کتابیں

اپریل ۵۶ ، ص ۴۸ تا ۷۲

جولائی ۵۶ ، ص ۳۲ تا ۵۴

کتب خانۂ آصفیہ (حیدرآباد) میں اردو، عربی، انگریزی، تلنگی، مرہٹی، اور کنڑ زبانون کی قلمی کتابوں کی تعداد ۵۵ ہے جن میں اردو کی قلمی کتابیں ۴۳ ہیں. ان میں سے چند اہم کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے.

۲۶۲ نصیرالدین ہاشمی

کتب خانۂ آصفیہ (حیدرآباد) کے بعض نایاب اردو مخطوطات

جنوری ۵۲، ص ۲۳ تا ۴۸

کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد، کو نواب عمادالملک اور ملا عبدالقیوم مرحوم نے ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۱ء) میں قائم کیا تھا. کچھ عرصہ بعد اس کو سرکاری کتب خانہ قرار دیا گیا. اس وقت کتب خانے میں اردو، عربی. فارسی، انگریزی، تلنگی، مرہٹی، کنڑ اور ہندی کی قلمی کتابیں ۱۴۴۲۸ موجود ہیں. مضمون نگار نے بعض اہم اردو مثنیوں پر تفصیل سے لکھا ہے.

۲۶۳ نصیرالدین ہاشمی

کتب خانۂ سالار جنگ کی نستعلیق خط میں لکھی ہوئی ہندی کتابیں

جنوری ۵۹، ص ۱۴ تا ۵۲

نواب سالار جنگ مرحوم کے کتب خانے میں ۱۰۵ قلمی کتابیں محفوظ ہیں. ان کتابوں میں ۲۱ ہندی کتابیں بھی ہیں جو نستعلیق خط میں لکھی ہوئی ہیں. مضمون میں ان کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے.

۲۶۴ نصیرالدین ہاشمی

کتب خانۂ نواب سالار جنگ کے اردو مطبوعات کا ایک جائزہ

جولائی ۶۰، ص ۴۲ تا ۶۸

نواب سالار جنگ کے کتب خانے میں ۸۸۶۹ کتابیں ہیں جو دس شعبوں پر منقسم ہیں. (۱) اسلامیات (۲) مذہب (۳) فلسفہ (۴) سائنس (۵) کارآمد فنون (۶) اجتماعیات (۷) لسانیات (۸) ادبیات (۹) تاریخ و سوانح (۱۰) محولات. مضمون میں ہر موضوع کی چند اہم کتابوں کی فہرست دی گئی ہے.

۸ ـ مکتوبات

۲۶۵ احمد فاروقی، ڈاکٹر خواجہ

واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے غیر مطبوعہ خطوط

اپریل ۵۴، ص ۳۵ تا ۴۸

واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے خطوط کے ۹ مجموعوں کے نام اور جن جن لائبریریوں میں وہ مجموعے ہیں ان کی نشاندہی کی گئی ہے. واجد علی شاہ کی معزولی کی مختصر داستان دی گئی ہے اور مختلف خطوط سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں.

۲۶۶ خلیق انجم، ڈاکٹر
مکتوب نگاری کا فن
جولائی ۶۹، ص ۵۳ تا ۶۵
مکتوب نگاری شخصی چیز ہے جس میں مکتوب نگار کی آواز ابھرتی ہے۔ سوانح نگاری کے بہترین مآخذ خطوط ہیں۔ فنکار کے خاندانی حالات اور اس کے عقائد و نظریات کا پورا علم اس کے خطوط ہی سے ہوتا ہے۔ فن تاریخ نویسی کے لئے بھی مکتوب نگاری سود مند ہے۔

۲۶۷ شاہد، خواجہ حمید الدین
مکتوبات ندوی صاحب مرحوم بنام خواجہ حمیدالدین شاہد حیدرآبادی
جنوری ۶۹، ص ۸۲ تا ۸۴
ندوی صاحب کے دو خط جو انہوں نے بمبئی سے خواجہ حمید الدین شاہد حیدرآبادی (ثم کراچوی) کو لکھے تھے جن میں مکتوب الیہ کے مقالے سے متعلق مشورے ہیں۔

۲۶۸ محمود شیرانی
ایک خط
جنوری ۵۰، ص ۸۱ - ۸۰
حافظ محمود شیرانی مرحوم کا ایک خط (پروفیسر) محمد ابراہیم ڈار کے نام۔ اس میں فارسی کے مشہور شاعر انوری کے چند شعروں کی تشریح کی گئی ہے۔

۲۶۹ محمود شیرانی
نامۂ شیرانی
جولائی و اکتوبر ۵۱، ص ۱۱۴ - ۱۱۳
حافظ محمود شیرانی کا ایک خط جو انہوں نے (پروفیسر) نجیب اشرف ندوی کے نام راجپوتانے سے لکھا تھا۔

۲۷۰ مختار الدین احمد، ڈاکٹر
نجیب اشرف صاحب کے چند خطوط
جنوری ۶۹، ص ۷۴ تا ۸۱
ندوی صاحب کے چھ خط جو انہوں نے بمبئی سے پروفیسر مختارالدین احمد کو لکھے تھے جن میں اردو سے متعلق بعض ہلکے پھلکے مسائل کی طرف اشارے ہیں۔

۲۷۱ مہیش پرشاد، مولوی
مرزا غالب کے ایام میں نظام ڈاک
جنوری ۵۱، ص ۳۹ تا ۴۴
مرزا غالب نظام ڈاک کو مد نظر رکھ کر اپنے خط پوسٹ کرنے سے ایک دن پہلے لکھا کرتے تھے۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے زمانے میں پہلے صرف ایک ہی وقت بارہ بجے دن سے قبل دلی سے ڈاک باہر بھیجی جاتی تھی اور مرزا کو ڈاک دوپہر کے بعد اور شام سے پہلے ملا کرتی تھی۔

۲۷۲ نثار احمد فاروقی
مولانا فضل حق خیرآبادی کا ایک غیر مطبوعہ خط
جولائی ۶۲، ص ۴۰ تا ۴۶
مولانا فضل‌حق خیرآبادی کا یہ خط کس کے نام لکھا گیا، اس کا پتہ نہیں

چلتا۔ مندرجات خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ آخری مغل بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر ہے۔ یہ خط مکمل بھی نہیں ہے اس لئے۔ سال تحریر کا تعین بھی دشوار ہے۔ اس میں انیسویں صدی کی اقتصادی حالت اور معاشی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

۲۷۳ یونس جعفری، ڈاکٹر

خطوط سرور

جولائی ۶۸، ص ۱۲ تا ۲۷

مرزا رجب علی بیگ سرور کے وہ آٹھ خط ہیں جو (انشای سرور) میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔

۹ ۔ مسائل

۲۷۴ آہ، صفدر

اردو ہجا کی اصلاح کا ایک منصوبہ

جولائی ۵۹، ص ۶۸ تا ۷۰

اکتوبر ۵۹، ص ۴۸ تا ۵۰

اردو والوں کے لئے جہاں آسانیاں ہیں وہیں اردو تحریر میں کچھ الجھنیں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ مضمون میں انہیں دور کرنے کے لئے چند تجویزیں پیش کی گئی ہیں۔

۲۷۵ احمد فاروقی، ڈاکٹر خواجہ

اردو کے نصابی مسائل

جولائی ۶۹، ص ۴۱ تا ۵۲

اردو میں نصاب سازی کی طرف بالکل توجہ نہیں دی گئی۔ نصاب کی ریسرچ سے قطع نظر یہ بھی نہیں سوچا گیا کہ کون سے اسباق کس عمر کے طالب علموں کے لئے مناسب ہوں گے۔ ضرورت ہے کہ ہم پورے نصاب پر درجہ بدرجہ نظر ثانی کریں اور اسے اعلیٰ تعلیمی مقاصد سے ہم آہنگ بنائیں اور اس کے معیار کو اونچا کریں۔

۲۷۶ رشید حسن خاں

تحقیق سے متعلق بعض مسائل

اپریل و جولائی ۶۷، ص ۵ تا ۱۹

اکتوبر ۶۷، ص ۲۷ تا ۳۷

جنوری ۶۸، ص ۴۰ تا ۵۱

اپریل ۶۸، ص ۵ تا ۱۷

موجودہ اردو تحقیق کا معیار کافی مایوس کن ہے کیونکہ لوگ صرف سند حاصل کرنے یا ملازمت کے کسی اگلے مرحلے کو طے کرنے کے لئے تحقیقی کام کرتے ہیں۔ تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ موضوع دلچسپ ہو جو لوگوں کو متوجہ کرسکے۔ محقق لگن اور مستعدی سے اپنی تحقیق کو جاری رکھے۔

۲۷۷ شہاب الدین دسنوی ، سید

اردو ٹائپ اور نستعلیق

اکتوبر ۵۷ ، ص ۵۷ تا ۶۱

اردو ٹائپ کے فوائد اور لیتھو کی طباعت کی خامیوں سے بحث کی گئی ہے۔

۲۷۸ شہاب الدین دسنوی ، سید

اردو ٹائپ میں تلفظ کا مسئلہ

جنوری ۶۲ ، ص ۵۲ تا ۶۱

اردو میں تلفظ کی چودہ آوازیں ہیں۔ ان چودہ آوازوں کے لئے بین الاقوامی صوتی انجمن (IPA) کی تجویز کردہ نشانیاں لے کر اپنے رسم الخط میں شامل کیا جائے اور ان کی مدد سے اردو کے لفظوں میں حروف کے حرکات ادا کئے جائیں۔ اس سے لغت کو ٹائپ میں چھاپنے اور صحیح تلفظ کی ادائگی میں سہولت ہوگی۔

۲۷۹ گیان چند، ڈاکٹر

اردو ٹائپ میں تلفظ کا مسئلہ

اپریل ۶۲ ، ص ۶۶ تا ۷۱

سید شہاب الدین دسنوی نے اپنے مضمون ‹ اردو ٹائپ میں تلفظ کا مسئلہ › (نوائے ادب ، جنوری ۱۹۶۲ء) میں کہا تھا کہ تمام حروف الگ الگ رکھے جائیں جن میں مصمتے (حروف صحیح) اردو کے اور مصوتے (حروف علت) بین الاقوامی صوتیاتی انجمن IPA کے ہوں۔ مضمون نگار نے اس تجویز کی مختلف دلائل سے مخالفت کی ہے۔

۲۸۰ گیان چند، ڈاکٹر

اردو رسم الخط کی اصلاح

جولائی ۶۳ ، ص ۲۳ تا ۳۸

اردو رسم الخط میں دو خامیاں ہیں: (۱) تحریر میں تلفظ کی صحیح ترجمانی نہیں ہوتی (۲) اردو رسم الخط ٹائپ اور چھاپے کے نئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ مضمون میں صرف پہلی خامی کو دور کرنے کی تجویزیں پیش کی گئی ہیں۔

۲۸۱ گیان چند، ڈاکٹر

اردو عروض کی تشکیل جدید

جنوری ۶۸ ، ص ۲۲ تا ۳۹

ہمارا عروض شاعری بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اسے شاعری کے دوش بدوش چلنا چاہئیے۔ اس لئے اس کی تشکیل جدید کی سخت ضرورت ہے۔ مضمون نگار نے اوزان و بحور میں ترمیم و تنسیخ کا ایک خاکہ پیش کیا ہے۔

۲۸۲ گیان چند

تحقیق کے مسائل

اپریل ۶۹ ، ص ۲۸ ا ۴۱

ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے جس میں صرف تحقیق کی جائے،

تدریس نہ ہو. تحقیق کے اہم موضوعات کی ببلیوگرافی ، علمی رسالوں کے مضامین کا مقالہ نما اور مختلف مصنفوں کی فرہنگ تیار کی جائے . مصنفوں کے سوانحی لغت نیز ادبی اصطلاحوں کی ڈکشنری ترتیب دی جائے . سب سے آخری کام ‹اردو ادب قاموس › (لٹریری انسائیکلوپیڈیا) مرتب کرنا ہے .

۲۸۳ ہارون خاں شروانی ، پروفیسر
اردو الفاظ کا رومن املا
اکتوبر ۶۲ ، ص ۵ تا ۱۴
ڈاکٹر گیان چند کے مضمون ‹اردو رسم الخط اور طباعت › (اردو نامه ، کراچی ، شماره اپریل تا جون ۶۲ء) اور شہاب الدین دسنوی کے مضمون ‹اردو ٹائپ میں تلفظ کا مسئلہ › (نوائے ادب ، جنوری ۱۹۶۲ء) کا موازنہ کرتے ہوئے مضمون نگار نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے چیدہ چیدہ اہل فکر یہ طے کریں کہ اردو زبان کے لئے رومن املا میں کیا کیا تغیرات کئے جائیں کہ دوسری زبانوں کی طرح اردو بھی بشرط ضرورت اس لپی میں ڈھل سکے .

۱۰۔ وفیات

۲۸۴ عبدالرزاق قریشی
اثر لکھنوی
اپریل و جولائی ٦٧ ، ص ١٠٦
نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی شاعر ، نقاد ، نکتہ سنج اور اردو زبان کی خوبیوں کے ادا شناس تھے . نثر و نظم میں ان کی متعدد تصانیف ہیں . انہوں نے کئی انگریزی نظموں کے اردو میں ترجمے بھی کئے .

۲۸۵ عبدالرزاق قریشی
اقبال احمد سہیل
جنوری ۵٦ ، ص ۵۸ - ۵۷
شبلی کے ایک ممتاز شاگرد اور علی گڑھ کالج کے قابل فخر طالب علم تھے . وہ اردو و فارسی شعر و ادب کے نکتہ شناس اور دونوں زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے .

۲۸۶ عبدالرزاق قریشی
بیخود دہلوی
جنوری ۵٦ ، ص ۵۴
سید وحید الدین بیخود داغ کے شاگرد اور انہیں کے رنگ کے غزل گو شاعر تھے . انہیں زبان و فن دونوں پر عبور تھا . ننگ و ناموس کے نام سے انہوں نے ایک اچھا ناول بھی لکھا تھا .

۲۸۷ عبدالرزاق قریشی
(پروفیسر) نجیب اشرف ندوی
اپریل ٦٨ ، ص ۲ تا ۴
بڑے شگفتہ مزاج ، بذلہ سنج اور

حاضر جواب تھے۔ ان کا مطالعہ وسیع
اور متنوع تھا۔ ان کی کتاب مقدمۂ
رقعات عالمگیر جہاں تاریخی حیثیت سے
اہمیت رکھتی ہے وہیں حسن انشا کے
لحاظ سے بھی قابل قدر ہے۔

۲۸۸ عبدالرزاق قریشی
پنڈت سدرشن

اکتوبر ٦٧، ص ۴

پہلے اردو میں لکھا کرتے تھے لیکن
بعد میں انہوں نے ہندی میں لکھنا شروع
کیا۔ مگر جو سرمایہ انہوں نے اردو میں
چھوڑا ہے وہ انہیں اردو ادب میں زندہ
رکھنے کے لئے کافی ہے۔

۲۸۹ عبدالرزاق قریشی
پنڈت کیفی

جنوری ٥٦، ص ٥٦-٥٥

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کو
اپنے عہد کے اردو کے جید ادیبوں اور
شاعروں کی صحبت سے فیض یاب ہونے
کا موقع ملا۔ ان کی تصانیف اردو زبان
و ادب اور خصوصاً لسانیات سے متعلق
بڑی قیمتی اور اہم ہیں۔

۲۹۰ عبدالرزاق قریشی
ڈاکٹر ذاکر حسین

اکتوبر ٦٨، ص ۲

ان کے اخلاص عمل کا اعتراف
دوست دشمن سبھی کو تھا۔ وہ عزم
راسخ اور جہد مسلسل کی ایک عمدہ
مثال تھے۔ وہ ایک ماہر تعلیم کی حیثیت
سے زیادہ جانے اور پہچانے گئے۔ ان
کے تعلیمی خطبات ان کی بلندیٔ فکر
اور وسعت نظر کا ثبوت ہیں۔

۲۹۱ عبدالرزاق قریشی
ڈاکٹر عندلیب شادانی

جنوری ٦٩، ۴-۳

ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی
ڈھاکا یونیورسٹی کے شعبۂ اردو و فارسی
کے صدر تھے۔ ان کی تحریروں میں اکثر
سنسنی خیزی کا التزام ہوتا تھا۔ لیکن جب
وہ تحقیق کی طرف مائل ہوئے تو یہ
انداز بدل گیا۔

۲۹۲ عبدالرزاق قریشی
ڈاکٹر محمد اسحق

جنوری ٦٩، ص ۴

انہیں کی کوششوں سے کلکتے میں
ایران و ہند سوسائٹی قائم ہوئی اور انہیں
کی مساعی سے ایران و ہند نام کا ایک
سہ ماہی علمی مجلہ جاری ہوا۔ جدید
فارسی ادب سے متعلق کئی تصانیف ان
کی یادگار ہیں۔

۲۹۳ عبدالرزاق قریشی
ڈاکٹر نظام الدین

جولائی ٦٨، ص ۳

ایک عرصہ تک جامعۂ عثمانیہ،
حیدرآباد، میں فارسی کے پروفیسر اور

صدر شعبہ رہے ۔ وہ حیدرآباد کے علمی ادارہ دائرۃ المعارف کے ڈائرکٹر بھی رہ چکے تھے ۔ انہوں نے کئی تصنیفات و تالیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

۲۹۴ عبدالرزاق قریشی

سیف طیب جی مرحوم

جنوری ۵۸، ص ۱ تا ۴ (د)

پہلے انجمن اسلام ، بمبئی ، کے اعزازی سکریٹری رہے اور پھر اس کے صدر منتخب ہوئے ۔ ان کے دور نظامت اور عہد صدارت میں انجمن اسلام نے بہت ترقی کی ۔ وہ لوک سبھا کے ممبر تھے۔ اور وہاں بھی انہوں نے نمایاں کام انجام دئیے ۔

۲۹۵ عبدالرزاق قریشی

شاہد احمد دہلوی

اپریل و جولائی ۶۷، ص ۱۰۵

رسالۂ ساقی کے ذریعے ساری عمر اردو کی خدمت کرتے رہے ۔ تصنیف و تالیف کے علاوہ انہوں نے کئی انگریزی کتابوں کے ترجمے بھی اردو میں کئے ۔

۲۹۶ عبدالرزاق قریشی

علی عباس حسینی

جنوری ۶۹ ، ص ۴

ان کے افسانوں کا عام محور دیہات ہے اور ان میں بعض افسانے ایسے ہیں جو اردو کے بہترین افسانوں میں شمار ہوسکتے ہیں ۔

۲۹۷ عبدالرزاق قریشی

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

اکتوبر ۵۵، ص ۷۱ تا ۷۳

قاضی صاحب کا خاص موضوع اسلامیات تھا ۔ وہ اردو اور انگریزی کے علاوہ گجراتی میں بھی لکھتے تھے اور کئی وقیع کتابوں کے مصنف ہیں ۔ وہ نوجوان ادیبوں اور محققوں کی بڑی ہمت افزائی کرتے تھے ۔

۲۹۸ عبدالرزاق قریشی

مجاز

جنوری ۵۶، ص ۵۹

اسرارالحق مجاز نے ترقی پسند شعرا کی بزم میں ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا تھا ۔ ان کی شاعری پروپیگنڈہ کبھی نہ بنی ۔ انہوں نے پرانے جام میں نئی شراب پیش کی ۔

۲۹۹ عبدالرزاق قریشی

مولانا مسعود علی ندوی

اپریل و جولائی ۶۷، ص ۷-۱۰۶

علمی حیثیت سے وہ کوئی مرتبہ حاصل نہ کرسکے لیکن ان کی انتظامی صلاحیت مسلم تھی ۔ ان کا ذوق تعمیر بہت پاکیزہ تھا ۔

۳۰۰ عبدالرزاق قریشی

نذر سجاد حیدر یلدرم

اکتوبر ۶۷، ص ۴

اردو کے مشہور ادیب سجاد حیدر یلدرم کی رفیقۂ حیات نذر سجاد ایک افسانہ نویس ، ناول نگار اور انشا پرداز کی حیثیت سے معروف تھیں ۔ انہوں نے اپنے زیادہ‌تر افسانے اور ناول طبقۂ نسواں کی حمایت میں لکھے ۔

۳۰۱ عبدالرزاق قریشی

نظام‌الملک آصف جاہ سابع میر عثمان علی

اکتوبر ٦٦ ، ص ۴-۳

ان کی معارف نوازی و ادب پروری مشہور ہے ۔ عثمانیہ یونیورسٹی ، دارالترجمہ، دائرۃ‌المعارف وغیرہ جیسے اداروں پر کوئی بھی حکمراں ناز کرسکتا ہے ۔ وہ فارسی اور اردو کے اچھے شاعر بھی تھے ۔

۳۰۲ عبدالرزاق قریشی

ہوش بلگرامی

جنوری ٥٦ ، ص ٥٩-٥٨

سید ناظرالحسن ہوش بلگرامی نے حیدرآباد سے ذخیرہ نامی (۱۸-۱۹۱۵) ایک معیاری ادبی رسالہ نکالا تھا ۔ ان کے مضامین کا مجموعہ عروس ادب کے نام سے شائع ہوا تھا ۔ انہوں نے میر حسن کے رنگ میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی ۔

۳۰۳ نجیب اشرف ندوی

بشیرالحق بیدل دسنوی

جولائی ٦٥ ، ص ٥-۴

انہوں نے اپنی زندگی کے چوراسی برسوں میں سے ستر برس اردو کتابوں کے جمع کرنے اور ان کے پڑھنے میں گذار دئیے ۔ ان کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ واقعات کی تاریخ اور کتابوں کے صفحے تک انہیں زبانی یاد تھے ۔ علمی حیثیت سے ان کی آخری دو چیزیں اقبال کے کلام سے متعلق ہیں ۔

۳۰۴ نجیب اشرف ندوی

پروفیسر عبدالقیوم

جنوری ۵۴ ، ص ۷

حیدرآباد کے رہنے والے اور وہاں کے علمی حلقوں میں نمایاں تھے ۔ اردو شاعری اور موسیقی میں بھی ممتاز تھے ۔

۳۰۵ نجیب اشرف ندوی

پروفیسر محمد ابراہیم ڈار

جولائی ۵۲ ، ص ۴-۳

عربی ، فارسی اور اردو کے ایک وسیع‌المطالعہ محقق ، ادیب اور انشا پرداز تھے ۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی ذاتی شرافت ، فروتنی اور انکسار تھا ۔ وہ اسلامک ریسرچ ایسوسی‌ایشن ، اردو ریسرچ انسٹی‌ٹیوٹ وغیرہ کے مؤثر و باعمل رکن تھے ۔

۳۰٦ نجیب اشرف ندوی

پنڈت کشن پرشاد کول

اپریل ۵۵ ، ص ۵

ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے

شیدا ، زبردست رفارمر اور اردو کے خادم و فدائی تھے ۔ انہوں نے تقریباً ایک درجن کتابیں لکھی ہیں ۔ ان کا موضوع ادب ، سیاست اور معاشرت ہے ۔

۳۰۷ نجیب اشرف ندوی

پروفیسر نواب علی

اکتوبر ۶۱ ، ص ۲

پہلے علی گڑھ میں رہے ۔ پھر بڑودہ میں پروفیسر مقرر ہوئے ۔ مرحوم نے سیرۃ ، صحف سماوی اور دوسرے علمی و مذہبی موضوعوں پر محققانہ کتابیں لکھیں ۔

۳۰۸ نجیب اشرف ندوی

حکیم سید شمس اللہ قادری

جنوری ۵۴ ، ص ۷-۶

ایک معزز و نامور ادیب ، مؤرخ اور محقق تھے ۔ تقریباً نصف صدی سے وہ تاریخی علمی اور ادبی مضامین لکھ رہے تھے ۔ ادبی حیثیت سے ان کی سب سے بڑی خدمت تاریخ اردوئے قدیم ہے ۔

۳۰۹ نجیب اشرف ندوی

خان بہادر ظفر حسین خاں

اکتوبر ۶۱ ، ص ۲

ایک اچھے مفکر اور بلند پایہ انشا پرداز تھے ۔ دبستان شبلی سے انہیں خاص لگاو تھا ۔ ان کی ایک تصنیف مآل و مشیت پر انہیں ساہتیہ اکیڈمی کا انعام ملا تھا ۔

۳۱۰ نجیب اشرف ندوی

خواجہ حسن نظامی

اکتوبر ۵۵ ، ص ۷۰-۶۹

ان کی زندگی جد و جہد اور استقلال کا ایک نہایت عمدہ نمونہ تھی ۔ ان کا پہلا مضمون ۱۸۹۷ء میں انڈیا گزٹ میں چھپا اور پہلی کتاب (مفلسی کا مجرب علاج) ہے ۔ ان کی شہرت غدر دہلی سے متعلق افسانوں کے ذریعے ہوئی ۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۵۰۰ تک پہنچتی ہے ۔

۳۱۱ نجیب اشرف ندوی

ڈاکٹر سید محمد حفیظ

جنوری ۶۲ ، ص ۴

ان کی ساری عمر شعبۂ تعلیم میں گذری ۔ انھیں اردو ادب اور فلسفہ سے بھی گہرا لگاو تھا اور ان موضوعات پر ان کی چند تصانیف اردو اور انگریزی میں ان کی یادگار ہیں ۔

۳۱۲ نجیب اشرف ندوی

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

اکتوبر ۶۲ ، ص ۳

ایک اچھے نقاد ، انشا پرداز ، سوانح نگار ، مؤرخ ادب اور جفا کش اڈیٹر تھے ۔ ان کی ایک اور بڑی خوبی ان کی تنظیمی صلاحیت تھی جس کا بین ثبوت ادارۂ ادبیات اردو اور آزاد اکیڈمی کی صورت میں ملتا ہے ۔ دکنی ادب کو ایک مرتبہ پھر زندہ کرنے کا سہرا بڑی حد تک انہیں کے سر ہے ۔

۳۱۳ نجیب اشرف ندوی
ڈاکٹر محمد شفیع
اپریل ۶۳، ص ۴ - ۳

انہوں نے عربی، فارسی وغیرہ میں معیاری کام کیا اور اسلامی علوم و فنون پر کام کرنے والوں کے لئے ایک مشترک پلیٹ فارم دائرۂ معارف اسلامیہ (لاہور) کے نام سے قائم کیا۔

۳۱۴ نجیب اشرف ندوی
جولائی ۵۳، ص ۵ - ۴
سلطان حیدر جوش

ان کی ادبی خصوصیت ان کی انشا پردازی اور مزاح و طنز اور فلسفہ کا امتزاج ہے۔

۳۱۵ نجیب اشرف ندوی
سید امجد حسین امجد حیدرآبادی
اپریل ۶۱، ص ۴ - ۳

ایک اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بلندپایہ نثرنگار اور مترجم بھی تھے۔ نثر میں گلستان امجد، حج امجد اور حکایات امجد وغیرہ خاص مقام کی حامل ہیں۔

۳۱۶ نجیب اشرف ندوی
سید مقبول احمد صمدنی
اپریل ۵۵، ص ۵

شبلی، مہدئی افادی، سید سلیمان ندوی وغیرہ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے زیادہ‌تر محققانہ کتابیں اور مضامین لکھے۔ ان کی کتابوں میں تاریخ الہ آباد اور حیات جلیل بہت مشہور و مقبول ہوئیں۔

۳۱۷ نجیب اشرف ندوی
شیخ عبدالقادر سرفراز
جنوری ۵۳، ص ۵ - ۴

ان میں علم و فضل کے ساتھ ساتھ ذاتی شرافت، عام محبت، ہمدردی اور انتہائی خاکساری تھی جس نے انہیں ہر جگہ محبوب بنا رکھا تھا۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے وقت وہ اکیس علمی اداروں کے صدر، ناظم یا رکن تھے۔

۳۱۸ نجیب اشرف ندوی
صلاح الدین احمد
جولائی ۶۴، ص ۴

اپنے نام کی مناسبت سے اردو دنیا کے لئے صلاح الدین ایوبی تھے۔ انہوں نے اردو کے مقدس مقامات کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لئے عیش و آرام کو خیرباد کہہ‌کر علمی و عملی جہاد کیا۔

۳۱۹ نجیب اشرف ندوی
قاضی عبدالغفار
اپریل ۵۶، ص ۶ - ۵

وہ پہلے ادیب ہیں جنہوں نے اردو ادب میں ترقی پسند عناصر کو داخل کیا۔ وہ صحیفہ نگاری میں محمد علی مرحوم کے شاگرد تھے اور انشا پردازی میں یلدرم سے متأثر ہوئے۔ اردو کو علاقائی زبان منوانے کی تحریک میں وہ پیش پیش تھے۔

۳۲۰ نجیب اشرف ندوی

علامہ سید سلیمان ندوی

جنوری ۵۴ء، ص ۳ تا ۵

بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ، متکلم، ادیب، مؤرخ، سوانح‌نگار، نقاد، انشاپرداز، مدرس اور خطیب و مقرر تھے۔ پاک ضمیری۔ ایثار پسندی، بردباری اور صلح جوئی ان کی امتیازی خصوصیات تھیں۔

۳۲۱ نجیب اشرف ندوی

محمد یحییٰ

اکتوبر ٦٦ء، ص ۴

ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ملک کی تقسیم کے بعد وہ پاکستان چلے گئے۔ سیرالمصنفین، مرآۃ الشعراء، خیالات ارونگ وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔

۳۲۲ نجیب اشرف ندوی

مولانا حافظ اسلم جیراج پوری

جنوری ٥٦ء ص ٦٠ - ٥٩

ایک عالم باعمل ہی نہیں تھے بلکہ علمی حیثیت سے تحقیق و تصنیف میں بھی ان کا درجہ خاصہ بلند ہے۔ وہ مسلم یونیورسٹی کے ایک کامیاب استاد تھے۔ جامعۂ ملیہ اسلامیہ کی تاسیس کے بعد اس میں پڑھانے لگے اور آخری سانس تک انہوں نے اس کی خدمت کی۔

۳۲۳ نجیب اشرف ندوی

مولانا حامد حسن قادری

جولائی ٦۴ء، ص ۳

اردو کے معمر استاد، مصنف، محقق اور نقاد تھے۔ ان کی بڑی خصوصیت تاریخ گوئی ہے۔ انہوں نے ہزاروں سے زیادہ انفرادی اور قومی واقعات و حادثات پر تاریخیں کہی ہیں۔

۳۲۴ نجیب اشرف ندوی

مولانا حسین احمد مدنی

جنوری ۵۸ء، ص ۳

عربی و فارسی کے جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ترکی اور مگدھی سے بھی واقف تھے۔ اردو زبان میں ان کے مکتوبات چھپ چکے ہیں۔ یہ خطوط اس بات کے شاہد ہیں کہ مولانا کا شعری مذاق بہت بلند تھا۔

۳۲۵ نجیب اشرف ندوی

مولانا حفظ الرحمن

اکتوبر ٦۲ء، ص ۳ - ۲

ایک مجاہد تھے اور حق کے لئے خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی، لسانی ہو یا معاشی ہمیشہ سینہ سپر رہتے۔ اردو زبان کی حفاظت و ترقی کے سلسلے میں انہوں نے ہر وقت اور ہر مقام سے آواز بلند کی۔

۳۲٦ نجیب اشرف ندوی

مولانا عبدالسلام ندوی

اکتوبر ۵٦ء، ص ۴ - ۳

ایک ادیب، ایک نقاد، ایک مؤرخ،

ایک سیرت نگار، ایک شاعر اور ایک بلند پایہ انشاپرداز تھے۔ وہ ساری عمر دارالمصنفین (اعظم گڑھ) سے وابستہ رہے۔

۳۲۷ نجیب اشرف ندوی

مولانا مناظر احسن گیلانی

جولائی ۵۶، ص ۳ (ج)

عربی کے عالم، فارسی کے فاضل اور اردو کے بے مثل مصنف تھے۔ مگدھی زبان پر بھی ان کو عبور تھا۔ انھوں نے اس زبان میں بعض بڑی دلچسپ چیزیں لکھی ہیں۔

۳۲۸ نجیب اشرف ندوی

مولوی بشیر الدین

جولائی ۵۶، ص ۴

سچی نیت اور پکے ارادے کے آدمی تھے۔ اٹاوہ میں ان کی مساعی اس کا بین ثبوت ہیں۔ وہ اردو کے معمر ترین انشا پرداز اور اخبار نویس تھے۔

۳۲۹ نجیب اشرف ندوی

مولوی عبدالحق

اکتوبر ۶۱، ص ۲ تا ۴

ان کی زندگی مختلف حیثیتوں سے ایک مثالی زندگی ہے۔ انجمن ترقیء اردو کے سکریٹری کی حیثیت سے انھوں نے اردو کے خزانے کو تراجم و تصنفیات کے ذریعے مالامال کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کی تحریک میں وہ بڑی حد تک اس کے روح و رواں رہے۔

اشاریۂ مضمون نگاران نوائے ادب

نمبرشمار	مضمون نگار	نمبر مقالہ نما
۱	آصفیـــہ خلیل	۱ ، ۹۴
۲	آمنہ خاتون ، ڈاکٹر	۱۶۴ ، ۱۶۵
۳	آہ ، صفدر	۲ ، ۲۷۴
۴	ابو النصر محمد خالدی	۹۵
۵	ابو رفاعہ سعید انصاری	۱۶۶
۶	احمد فاروقی ، ڈاکٹر خواجہ	۲۶۵ ، ۲۷۵
۷	احمر لاری ، ڈاکٹر	۳ ، ۲۴۳
۸	اختر ، ڈاکٹر نورالسعید	۴
۹	اختر جوناگڑھی ، قاضی احمد میاں	۵ ، ۱۶۷
۱۰	ادیب ، ایس. ایف.	۹۶
۱۱	افسر ، حامد اللہ	۲۴۴
۱۲	اکبر الدین صدیقی ، محمد	۹۷ ، ۱۶۸ ، ۱۶۹
۱۳	اکبر علی	۱۷
۱۴	امام مرتضیٰ نقوی	۶
۱۵	امین چند شرما ، پروفیسر	۷ ، ۸
۱۶	باقر علی ترمذی ، ڈاکٹر	۱۳۹
۱۷	بسم اللہ بیگ ، مرزا	۹ ، ۱۷۱
۱۸	بسمل ، لال چند	۱۰ ، ۲۳۳
۱۹	بشیر الحق دسنوی	۱۱
۲۰	بیدار ، عابد رضا	۱۲ ، ۱۳ ، ۲۴۵ ، ۲۴۶
۲۱	تاجدار النساء نقوی	۱۴
۲۲	تنویر احمد علوی ، ڈاکٹر	۱۵۲ ، ۱۷۲
۲۳	ثمینہ شوکت ، ڈاکٹر	۱۷۳ ، ۱۷۴
۲۴	جلیل ، رائے انیل پرشاد	۹۸
۲۵	جمیل الدین ، سید	۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷۵
۲۶	جہاں بانو بیگم نقوی	۱۷
۲۷	حالی ، پروفیسر علیم اللہ	۱۸
۲۸	حامد اللہ ندوی	۱۹ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ ، ۳۱۷ ، ۲۵۶

نمبر شمار	مضمون نگار	نمبر مقالہ نما
۲۹	حبیب النساء بیگم	۹۹، ۱۷۸، ۱۷۹
۳۰	حبیب خاں	۱۸۰
۳۱	حسن، پروفیسر سید	۲۳۴، ۲۴۷
۳۲	حسینی، ایس. کے.	۲۰، ۱۰۰
۳۳	حفیظ ایم. اے.	۲۱
۳۴	خلیق انجم، ڈاکٹر	۲۲، ۲۶۶
۳۵	خورشید مظہرالحق نعمانی	۲۳
۳۶	دیوانہ، موہن سنگھ	۲۴
۳۷	دیوی سنگھ چوہان	۱۰۱ تا ۱۰۴، ۱۵۳ تا ۱۵۶؛ ۲۱۸
۳۸	ذاکر حسین فاروقی، ڈاکٹر	۱۸۱
۳۹	ذکیہ انجم، ڈاکٹر	۲۵، ۲۱۹
۴۰	راشد، مطیع اللہ برہانپوری	۱۴۰
۴۱	رحیم حسن، ایس.	۲۶
۴۲	رشید حسن خاں	۲۷، ۲۷۶
۴۳	رشید علی	۱۸۲
۴۴	رضی الدین احمد، ڈاکٹر	۲۸
۴۵	رفعت، سید مبارزالدین	۲۹، ۱۰۵، ۲۲۰
۴۶	رفیعہ سلطانہ	۳۰
۴۷	زور، ڈاکٹر محی الدین قادری	۱۰۶، ۱۰۷
۴۸	ساحل، مولوی عبدالحلیم	۳۱
۴۹	سخاوت مرزا، محمد	۳۲، ۱۰۸ تا ۱۱۶، ۱۸۳ تا ۱۸۹
۵۰	سراج حسین نقوی	۳۳
۵۱	سعادت نظیر	۳۴، ۳۵
۵۲	سعید، م. ن.	۱۱۸
۵۳	سلام حسین برہان پوری	۳۶
۵۴	سیتو مادھوراؤ، پی.	۳۷
۵۵	سیدہ جعفر، ڈاکٹر	۳۸
۵۶	شاہد، خواجہ حمید الدین	۲۶۷
۵۷	شریف احمد	۱۹۰

نمبرشمار	مضمون نگار	نمبر مقالہ نما
۵۸	شکیل ، عبدالغفور	۱۹۱
۵۹	شہاب سرمدی	۳۹
۶۰	شہاب مالیرکوٹلوی ، مہرمحمد خاں	۴۰ ، ۱۹۲
۶۱	شہاب الدین دسنوی ، سید	۲۷۷ ، ۲۷۸
۶۲	صباح الدین عبدالرحمن ، سید	۱۹۳
۶۳	صدرالدین ، ڈاکٹر سید محمد	۴۱
۶۴	ضمیر احمد خاں	۴۲
۶۵	ضیاء احمد بدایونی	۱۹۴
۶۶	ضیاء الدین احمد دیسائی	۱۴۱ ، ۱۴۲
۶۷	طالب کاشمیری	۴۳
۶۸	طلحہ رضوی	۴۴
۶۹	ظہیر احمد صدیقی ، ڈاکٹر	۴۵ ، ۴۶
۷۰	ظہیرالدین مدنی ، ڈاکٹر سید	۱۴۳ ، ۱۴۴
۷۱	عالی جعفری ، ڈاکٹر	۱۴۵ ، ۱۴۶ ، ۱۹۵
۷۲	عبدالرزاق قریشی	۴۷ تا ۵۰ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۹۶ ، ۱۹۷ ، ۲۲۱ تا ۲۲۶ ، ۲۸۴ تا ۳۰۲
۷۳	عبدالستار دلوی ، ڈاکٹر	۱۴۹ ، ۱۵۷
۷۴	عبدالستار صدیقی ، ڈاکٹر	۱۵۸
۷۵	عبدالقادر سروری	۵۱ ، ۱۱۹
۷۶	عبدالودود قاضی	۵۲ تا ۶۵ ، ۲۲۷ ، ۲۲۸ ، ۲۵۷
۷۷	عرشی ، امتیاز علی	۶۶ ، ۲۴۸
۷۸	عصمت جاوید	۱۲۰
۷۹	علی جواد زیدی	۱۹۸ ، ۲۲۹
۸۰	عندلیب زہرا کاظمی	۱۲۱
۸۱	غلام حسین ندوی	۱۹۹
۸۲	غلام ربانی	۶۷
۸۳	فریدالدین برہان پوری ، شیخ	۱۲۲ ، ۲۵۸
۸۴	فضل اللہ فاروقی	۶۸ ، ۲۴۹
۸۵	قاسم علی سجن لال	۶۹ ، ۷۰ ، ۷۱ ، ۲۰۰

نمبر شمار	مضمون نگار	نمبر مقالہ نما
۸۶	قطب‌النساء بیگم ہاشمی	۲۰۱ ، ۲۰۲
۸۷	قیصر ، سید محمود حسن	۷۲ ، ۲۰۳
۸۸	کالاسنگھ بیدی ، ڈاکٹر	۱۵۹
۸۹	حکیم سہسرامی ، پروفیسر	۷۳
۹۰	گرناتھ راج دیویکر	۱۶۰ ، ۱۶۱
۹۱	گوپی چند نارنگ ، ڈاکٹر	۷۴ ، ۱۲۳ ، ۱۶۲
۹۲	گیان چند ، ڈاکٹر	۷۵ ، ۲۷۹ تا ۲۸۲ ،
۹۳	لطیف الرحمان ؛ سید	۲۰۴
۹۴	مالک رام	۷۶ ، ۷۷ ، ۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۲۳۰
۹۵	محمد ابراہیم	۲۰۷
۹۶	محمد ابراہیم ڈار	۲۰۸ ، ۲۳۱
۹۷	محمد حامد ، خواجہ	۲۰۹
۹۸	محمد حسین ، سید	۷۸
۹۹	محمد عبدالحمید فاروقی ، ڈاکٹر	۱۵۰
۱۰۰	محمود شیرانی	۲۶۸ ، ۲۶۹
۱۰۱	محمود قادری ، ابوالفضل	۱۲۴
۱۰۲	مختارالدین احمد ، ڈاکٹر	۲۷۰
۱۰۳	مرتضیٰ حسین بلگرامی	۷۹
۱۰۴	مسعود احمد ، پروفیسر	۸۰ ، ۸۱ ، ۲۱۰
۱۰۵	مسیح الزماں ، ڈاکٹر	۸۲
۱۰۶	مقبول احمد ، شاہ	۲۱۱
۱۰۷	مقیت الحسن	۲۱۲
۱۰۸	منیژہ کاوس جی	۸۳ ، ۸۴
۱۰۹	مہدی حسن ، ڈاکٹر	۱۶۳
۱۱۰	مہیش پرشاد ، مولوی	۲۷۱
۱۱۱	میمونہ دلوی ، ڈاکٹر	۲۵ ، ۲۵۱
۱۱۲	نادم سیتا پوری	۸۵
۱۱۳	نامی ، ڈاکٹر عبدالعلیم	۲۳۵ تا ۲۴۲ ، ۲۵۲
۱۱۴	نجیب اشرف ندوی	۸۶ ، ۸۷ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۲۱۳ ، ۲۵۴ ، ۳۰۳ تا ۳۲۹

نمبر شمار	مضمون نگار	نمبر مقالہ نما
۱۱۵	نثار احمد فاروقی	۲۵۳ ، ۲۷۲
۱۱۶	نذر مصطفی صاحب	۲۱۴
۱۱۷	نذیر احمد ، ڈاکٹر	۸۸ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸
۱۱۸	نصیرالدین ہاشمی	۹۰ ، ۹۱ ، ۹۲ ، ۱۲۹ تا ۱۳۵ ، ۲۵۵ ، ۲۵۹ تا ۲۶۴
۱۱۹	نعیم الدین ، ڈاکٹر	۱۳۶ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸
۱۲۰	نورالحسن ہاشمی ، ڈاکٹر	۸۹
۱۲۱	نورالدین حسین ، قاضی سید	۱۵۱ ، ۲۱۵
۱۲۲	وحید قریشی ، ڈاکٹر	۲۳۲
۱۲۳	ویملا مدن ، ڈاکٹر مسز	۲۱۶
۱۲۴	ہارون خاں شروانی ، پروفیسر	۲۸۳
۱۲۵	یوسف سرست	۹۳
۱۲۶	یونس جعفری	۲۷۳

ایڈیٹر : عبدالرزاق قریشی

پرنٹر پبلشر سید شہاب الدین دسنوی نے ادبی پرنٹنگ پریس ، ۸، شیفرڈ روڈ ، بمبئی ۸، میں چھپوا کر، مالکان انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ، ۹۲، دادا بھائی نوروجی روڈ ، بمبئی ۱، کے لئے شائع کیا۔

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

نوائے ادب ، بمبئی

مقام اشاعت	:	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱
نوعیت اشاعت	:	سہ ماہی
نام پرنٹر	:	سید شہاب الدین دسنوی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱
نام پبلشر قومیت پتہ		ایضاً
نام ایڈیٹر	:	عبدالرزاق قریشی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱
نام پتہ مالک رسالہ	:	انجمن اسلام ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی

میں سید شہاب الدین دسنوی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم میں صحیح ہیں۔

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription :

Inland & Pakistan : Rs. 6 Foreign : Shillings 12
(inclusive of postage)

Price per copy: Rupee one & Paise fifty

[Vol. 21 1970 APRIL - JUNE No. 2]

All remittances to be made to

THE ADABI PUBLISHERS

8 Shepherd Road, Bombay 8 (India)

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرز (شعبۂ اشاعت انجمن اسلام) ممبئی ۸

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام

۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔

۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔

۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔

۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔

۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔

۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔

۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت

۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔

۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:- چھ روپے } مع محصول ڈاک

فی پرچہ:- ڈیڑھ روپیہ

ایڈیٹر: عبدالرزاق قریشی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

نواے ادب بمبئی

تاریخ اشاعت ۱۵ جولائی ۱۹۷۰

جلد ۲۱ | جولائی ۱۹۷۰ | شمارہ ۳

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	کلمۃ الحقائق ۔ اردو نثر کا ... نقش	حسینی شاہد	۱
۲	تنقید متن	تنویر احمد علوی	۳۲
۳	ثانوی سطح پر تدریس ... مسائل	خواجہ احمد فاروقی	۵۷
۴	سودا کا ایک قطعہ ؟	عبدالرزاق قریشی	۶۵

* حسینی شاہد

کلمۃ الحقائق — اردو نثر کا پہلا مستند نقش

کلمۃ الحقائق دکھنی نثر کا قدیم ترین مستند نقش ہے ۔ اس کے قلمی نسخے کتب‌خانۂ جامعۂ عثمانیہ (۱) ، کتب‌خانۂ آصفیہ (۳) ، کتب‌خانۂ ادارۂ ادبیات اردو (۱) ، کتب‌خانۂ خانقاہ عنایت اللہی ، حیدرآباد (۱) ، کتب‌خانۂ مجلس تحقیقات اردو ، حیدر آباد (۱) ، کتب‌خانۂ سید محمد صاحب بیدری (۱) ، ذخیرۂ مولوی علیم الدین صاحب تاجر کتب ، حیدرآباد (۱) ، کتب‌خانۂ درگاہ حضرت امین‌الدین علی اعلیٰ ، بیجاپور (۱) ، کتب خانۂ انجمن ترقیٔ اردو ہند ، علی گڑھ (۱) اور کتب خانۂ انجمن ترقیٔ اردو ، پاکستان (۳) میں ملتے ہیں ۔ قدیم ترین نسخہ مکتوبہ ۱۰۶۸ ھ کتب‌خانۂ انجمن ترقیٔ اردو ، پاکستان ، میں محفوظ ہے ۔

کلمۃ الحقائق شائع ہوچکی ہے ۔ اس کے دو مطبوعہ متن ملتے ہیں :

۱) مرتبہ اکبرالدین صاحب صدیقی ، شائع کردہ ادارۂ ادبیات اردو ، حیدرآباد

۲) مرتبہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ، شائع کردہ مجلس تحقیقات اردو ، حیدرآباد

دونوں متن صرف دو دن کی تقدیم و تاخیر سے جولائی ۱۹۶۱ء میں مرتب ہوئے اور اسی مہینے میں شائع ہوئے ۔ صدیقی صاحب کے متن کی بنیاد کتب خانۂ خانقاہ عنایت اللہی کا نسخہ ہے جس کا انھوں نے جامعۂ عثمانیہ ، آصفیہ اور ادارے کے نسخوں سے موازنہ کیا ہے ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے مجلس تحقیقات اردو کے نسخے کو بنیاد بنایا اور جامعۂ عثمانیہ ، ادارۂ ادبیات اردو اور سید محمد صاحب بیدری کے نسخوں کو پیش نظر رکھا ہے ۔ اس طرح دونوں مرتبین نے اپنے آپ کو صرف چار چار نسخوں تک محدود رکھا ہے ۔ دوسرے آٹھ نسخے ان کی دسترس سے باہر رہے ہیں ۔

* ڈاکٹر حسینی شاہد ، ام اے : پی ایچ . ڈی : پرنسپل اردو آرٹس کالج ، حیدرآباد : دکن سینٹ ، عثمانیہ یونیورسٹی ، حیدرآباد : دکن ساہتیہ اکیڈمی ، آندھرا پردیش وغیرہ ۔

دونوں متن رواروی میں مرتب ہوئے ہیں اور ان میں متنی تنقید کے بنیادی اصولوں کی پابندی نہیں کی گئی ہے ۔ دیوی سنگھ چوہان نے صدیقی صاحب کے مرتبہ متن کے بارے میں لکھا ہے :

«موصوف کی نظر میں کلمۃ الحقائق کا متن جیسا کہ انھوں نے پیش کیا ہے کافی باوثوق اور صحیح ہے ۔ لیکن کتاب کا متن بغور دیکھنے سے یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ہم مرتب کی رائے کو مان لیں ۔ سب سے بڑی بات جو قارئین کے دل میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ مرتب موصوف نے متنی تنقید کے اصولوں کو ملحوظ نہیں رکھا ہے ۔ متنی تنقید کے معیار اب معین ہوچکے ہیں ۔ اور اگر مرتب کو اس میدان میں پرانی کتابوں کے لسانی مطالعہ کو پیش کرنا ہو تو ان اصولوں سے واقفیت ناگزیر ہے ۔ ۔ ۔ متنی تنقید کے اصولوں کی پابندی کلمۃ الحقائق کے صفحات میں نہیں پائی جاتی ۔ ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی لفظ متن میں غلط مستعمل نظر آتا ہو تو اختلاف قرأت کو دوسرے نسخوں کو پیش نظر رکھ کر صحیح الاصل قرأت کا اندراج کرے (کیاجائے) ۔ محض اختلاف قرأت کی فہرست پیش کرنے سے قارئین کی رہنمائی ٹھیک طور سے نہیں ہوسکتی مرتب نے ایسے اختلافات قرأت تو درج ضرور کئے ہیں لیکن کہیں یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ لفظ صحیح المعنی اور موزوں ہے ۔ اس کے علاوہ مرتب کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر محصلہ اختلافات قرأت سے کام پورا نہ ہو سکے تو ازخود اپنی طرف سے صحیح الاصل الفاظ بلحاظ موقع پیش کرے ۔ کاتبوں کے کم‌سواد ہونے سے کئی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ، ان کی تصحیح کا خاص خیال رکھا جائے ۔ مرتب کے سامنے موجود چھ[1] نسخوں میں سے اصل یا بنیادی نسخے کی نشان دہی ضروری تھی ، لیکن ایسی کوشش نظر نہیں آتی ۔ ۔ ۔ ۔»[2]

چوہان صاحب کی یہ تنقید ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کے مرتبہ متن پر بھی صادق آتی ہے ۔ بلکہ جہاں تک حواشی اور اختلاف نسخ کی نشان دہی کا تعلق ہے صدیقی صاحب کا مرتبہ متن ڈاکٹر رفیعہ کے مرتبہ متن سے بدرجہا بہتر ہے ۔ ڈاکٹر رفیعہ

---

۱ چوہان صاحب کو تسامح ہوا ہے ۔ صدیقی صاحب نے صرف چار نسخوں کو پیش‌نظر رکھا ہے اور ان کے متن کی بنیاد خانقاہ عنایت اللہی کا نسخہ ہے ۔ ملاحظہ ہو کلمۃ الحقائق ، ص ۱۰

۲ نوائے ادب ، جولائی ۶۸ ، ص ۳۰

سلطانہ نے اس ذمہ‌داری کو بھی کماحقہ پورا نہیں کیا ہے ۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی محقق جانم کے نظام سلوک کے تحقیقی مطالعہ کے بعد متنی تنقید کے عصری اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کلمۃ الحقائق کے تمام معلومہ نسخوں کی بنیاد پر ایک صحیح متن مرتب کرے تاکہ دکھنی کے طالب‌علموں کو اس قدیم ترین مستند نقش کی زبان کو سمجھنے میں سہولت ہو اور وہ آسانی کے ساتھ اس کے معنی و مطالب سے بہرہ ور ہوسکیں ۔

زمانۂ تصنیف

کلمۃالحقائق کا سنہ تصنیف نہیں ملتا ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اس کا ذکر ہی نہیں چھیڑا ہے ۔ البتہ صدیقی صاحب نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے ، لیکن غلط نتائج اخذ کئے ہیں ۔

مولوی عبدالحق نے ارشادنامہ کو جانم کی آخری تصنیف قرار دیا تھا :

« . . . . . ان کا ایک رسالہ (ارشاد نامہ) سنہ ۹۹۰ ہجری کی تصنیف ہے ، اور چونکہ یہ سنہ انہوں نے خود اپنی نظم میں لکھ دیا ہے اس لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔ ہمارے خیال میں یہ ان کی آخری تصنیف تھی اور اسی سال انتقال فرمایا . . . »[1]

مولوی عبدالحق کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو کلمۃالحقائق ۹۹۰ ہجری سے پہلے کی تصنیف قرار پاتی ہے ۔ چنانچہ صدیقی صاحب نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے :

« . . . . حضرت جانم کی ایک کتاب ارشاد نامہ کی تصنیف کا سنہ ۹۹۰ ھ / ۱۵۸۲ ء ہے ۔ اس لئے اس کے بعد ہی ان کی وفات قرار دی جاسکتی ہے ۔ اور اس طرح زیرنظر کتاب (کلمۃ الحقائق) سنہ ۹۹۰ ھ / ۱۵۸۲ ء کے قبل لکھی گئی . . . . »[2]

ارشاد نامہ کا سنہ تصنیف ۹۹۰ ہجری ضرور ہے ، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں ۔ لیکن کوئی داخلی یا خارجی شہادت ایسی نہیں ملتی جس سے یہ بھی ثابت ہو کہ اسی سال جانم کا انتقال ہوا ۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ ۹۹۰ ھ کے بعد

---

۱ حضرت شاہ برہان الدین جانم ، قدیم اردو ، ص ۲۵

۲ اکبرالدین صدیقی ، کلمۃ الحقائق ، ص ۹

بھی زندہ رہے اور ۱۰۰۷ھ میں ان کا انتقال ہوا «عزیز از جان چشتیاں جانم» سے ان کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔[1]

مختصر یہ کہ جانم کا انتقال ۹۹۰ھ میں نہیں ہوا۔ وہ اس کے بعد بھی زندہ رہے۔ ارشادنامہ ان کی آخری تصنیف نہیں ہے بلکہ ارشادنامہ کے بعد بھی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا اور اسی زمانہ میں انہوں نے کلمۃ الحقائق لکھی۔ اس طرح کلمۃ الحقائق کا زمانۂ تصنیف ۹۹۰ اور ۱۰۰۷ھ کے درمیان قرار پاتا ہے۔ جن داخلی شہادتوں کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) جانم نے کلمۃ الحقائق کا آغاز ہی ارشاد نامے کے اُن اشعار سے کیا ہے جو پہلے جواب مرشد میں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کلمۃ الحقائق میں یہ شعر بعض لفظی تبدیلیوں کے ساتھ نثر کی طرح لکھے گئے ہیں:

سہج سہج سو اس کا ٹھار سہج ہوا ہے اس تھے بار
جد کچھ نہ تھا، تھا وہی شریک نا اس دوجا کوئی
(نا) (ووہی)
ایسا حال جے سمجے کوے جس پر کرم خدا کا ہوے
یہ سب گجری کیا بیان کر یہ آئینہ دیا نمان
(لتا، زبان)
کلمۂ حق سب کیا بیان دیکھ خلاصہ ہوے عیان
(ا،[2] ص ۹، ۱۰)

«سہج سہج سو تیرا ٹھار وسہج ہوا بھی توج تھے بار
جدھاں کچھ نہ تھا، بھی تھا تہیں دوجا شریک کوئی نہیں
ایسا حال سمجنا خداتھے خدا کوے جس پر کرم خدا کا ہوے
سبب یو زبان گجری نام این کتاب کلمۃ الحقائق خلاصہ بیان»
(ک،[3] ص ۲۱)

---

۱ یہ مادۂ تاریخ صحیفۃ الهدٰی فی تاریخ آل مصطفیٰ کی پشت پر لکھا ہوا ہے جس کا مخطوطہ کتب‌خانۂ گچی‌محل بیجاپور، میں محفوظ ہے۔ مصنف تاریخ صحیفۃ الهدیٰ سید محی الدین قادری نے یہ تاریخ پیر اللہ حسینی کے مرید مخدوم حسینی کے معراج نامہ کے حاشیہ سے نقل کی ہے۔

۲ ا - ارشادنامہ مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

۳ ک - کلمۃ الحقائق مرتبۂ اکبرالدین صدیقی

اسی طرح جانم نے جگہ جگہ ارشاد نامے کے اشعار نقل کئے ہیں :

تو ایسی قدرت کیرابار کئے عناصراں یہ چار
(ا، ص ۲۰)

تو ایسی قدرت (کیرا) بار یوکے عناصر (عناصراں یہ) چار
(کئے) (ک، ص ۰۸)

کہ سریا کنتہ تھے (پڑے) آگ یوں قدرت تھے عالم جاگ
(ا، ص ۲۲)

سریا کنتہ (آفتاب) تھے پڑے آگ یوں قدرت تھے عالم (اٹھے) جاگ
(ک، ص ۲۹)

یہ چارو ٹوٹے بند منج سہجیں انند انند
(ا، ص ۵۱)

یہ چارو ٹوٹے بند منجے ہوا سہج آنند
(ک، ص ۴۰)

میرا رہن (کہاں) بتاؤ کہاں اپاؤ کہاں سماؤ
(ا، ص ۵۳)

تو میرا رہن (کہاں) یتاؤ (ہوا) کہاں سماؤ (ہوا) کہاں اپاؤ
(بتاؤ) (ک، ص ۴۱)

یوں آپ میں اپس دیکھ بولوں پر کیا پرچت لیکھ
(ا، ص ۵۴)

اپنا پرچیت اپس میں دیکھ تہیں بول پر پرچو لیکھ
(ک، ص ۴۲)

جوں کہ لکڑی بھیتر آگ بھڑکا نکلیا جونہی جاگ
بعد از عشق تھے کرنے سار کیتا نور نبی کا بار
(ا، ص ۱۶)

جوں کی لکڑی بھیتر آگ بھڑکا نیکلیا جیوں کی جاگ
بازد عشق تھے کرنے سار کیتا نور نبی کا بار
(ک، ص ۲۶)

ظاہر ہے کہ جانم نے پہلے نظم ارشاد نامہ لکھی اور بعد میں رسالہ کلمۃ الحقائق، جس میں انھوں نے ارشادنامے کے شعر جگہ جگہ نقل کئے ہیں۔

(۲) کلمۃ الحقائق کے بیشتر حصے ایسے ہیں جن میں ارشادنامے کے اشعار کو نثری ترتیب میں لکھ دیا گیا ہے:

دسنے میں بھی دستے دوے فدا ہونے میں ایک ہی ہوے
(ا، ص ۲۰)

دسن میں دو۔ آپس تھے فدا ہونے میں یک
(ک، ص ۲۸)

توں عقل عقل سوں اوڑ اور فہم فہم سوں جوڑ
(ا، ص ۵۴)

تو عقل عقل سو پکڑ و فہم فہم سوں چھوڑ
(ک، ص ۴۱)

(۳) کلمۃ الحقائق میں کتنی کتنی سطریں ایسی ملتی ہیں جن میں ارشادنامے کے اشعار کی تشریح (Paraphrasing) اشعار ہی کی زبان میں کی ہے:

جے میں شاہد ہوتا اس بیلا جدا جوتا
نہیں تو میرا روپ نہ ہیں ہے ٹیک سروپ
جوں موج دریا میں بارے کیا جل ہوے کنارے
جے دستا ڈھونڈو کار میں یک ہے نراکار
(دھنڈکار)
بے گنت اچھوں بے انت نا مقام منزل پنت
یہ بیستا ہوتا کار سن سہجیں سہجا کار
(یہ جیتا بھوت اکار) (ا، ص ۵٦)

سوال: جس وقت شاہد ہوتا اس وقت اس تھے جدا دستا، نہیں وہی ہو سپورن رہتا۔ ولیکن اس نور میں سن نرنکار میں کچھ تفاوت نہ دیسے، جوں کی دریا و موج تو ووہی سن نرنکار سو میں۔ بے انت، بے گنتھ۔ بے نہایت۔ یہ جیتا بھوت اکار۔ سب میری اور منجھار۔ اٹھارا (گنت یا کنٹ)

ہزار عالم میرے پیٹ میں، نہ منجیے نشان نہ منج مثل، نہ آنا نہ جانا، نہ کچ مانند نہ نشان، میں ہوں نرانکار سن سہجیں سہجا کار»
(ک، ص ۴۳)

جان اے عارف کیسا فن
یک میں یک کیوں ہوے دفن
ماٹی تو گل بانی جاے
پانی تو مگہ آگ سماے
(میگھ)
اگن تو مگہ باؤ خصم
(میگھ) (حضم – ہضم)
کہ بارا چھرپے ہوے کم
بارا گردش در ہوا
مل ہوا میں اپ گنوا
فانی بھی دیکہ ہوے ہوا
یہ بھی خصم ہوے صفا
(حضم – ہضم)
صفا قدرت مانہ فدا
قدرت خدا ذات خدا
ذات خدا کی قایم ہے
قایم ہے وہ دایم ہے
یوں جاں تھے آیا وھاں فدا
ایسی قدرت دیکھ خدا
جاں تھے آمٹی وھاں مل جاے
کھنٹیں ناد کھنٹ سماے
دسنے میں بھی دستے دوے
فدا ہونے میں ایک ہی ہوے
جوں جل مانہ ہولی دیکہ
(ہولے – اولے)
وجود دُسرا پانی ایکہ
اپس تھے یوں دونی بسے
اپس کھوئیں ایک دسے
تو ایسی قدرت کیرا بار
کئے عناصراں یہ چار
چار ملایا ہر یک ٹھاوں
کریہ خاکی وجود ناوں
چار عناصر کریک ٹھار
کیتا وجود خاکی بار
تو یہ خاکی سپی جان
راکھیا اس میں دُر ارزاں
دُر ہے محمد نور لطیف
اور یہ بعضے سب کسیف
(کثیف)
یوں یہ قدرت کیرا میل
دھوں جگ ماندیا اپنا کھیل
(مانڈیا)
یکس بن نا لیک کہیں
(ایکس)
بن دو تو کچہ چلے نہیں
ٹیک قلم کردے طرف
تو یہ پرگٹ ہوے حرف
یوں بھی قدرت مانہ خدا
تسرا عالم کیا جدا
(۱، ص ۱۹ تا ۲۱)

جان اے عارف ایکس میں یک چیز ہیں۔ سب فنا بھی یکس میں
یک ہونہارے ہیں۔ زمین پگلے تو پانی میں مل جائے۔ پانی کا ہیزم
(ہضم)
اگ میں، آگ کا ہیزم باؤ ہیں، باؤ کا ہیزم ہوا میں، ہوا کا ہیزم
(ہضم) (ہضم) (ہضم)
صما میں صفا کا ہیزم قدرت میں، قدرت کا ہیزم ذات قدیمی میں،
(ہضم) (ہضم)
جان اے عارف جے چیز جہاں تھے آیا وہانچہ فدا ہونہارا ہے۔ دسنے
میں دو آپس تھے فدا ہونے میں یک۔ جیوں جل ہولے کوں کیا جدائی۔
و ءود دوسرا ولے پانی تو یک۔ بیت:

تو ایسی قدرت (کیرا) بار یو کیے عناصر (ان یہ) چار
(کئیے)

پس وہ نور محمد و آں گوہر لطیف در صدف خاک نہاد با ترکیب
چہار عناصر آمیختہ کرد اللہ تعالی اپس تھے و قدرت تھے ان دو کا
بستار عالم آشکارا کہ یکس تھے یک کہیں، پن دو تو کچ نہیں۔ قدرت
و خدا۔ یک میں دو۔ تشبیہ جیوں یک قلم جز چیزے میس، کیوں
(مشی)
بھی ایسا رمز خدا و قدرت۔ و خدا کے ملن میں عالم ہوا کہ جز دو،
تسرا نہیں۔

(ک، ص ۲۸)

(۴) جو مسائل جس تفصیل و ترتیب کے ساتھ ارشاد نامے میں بیان کئے گئے ہیں وہی مسائل اسی ترتیب کے ساتھ کلمۃ الحقائق میں بھی لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد نامے کے آخر میں علم کی دو قسموں، علم کسبی اور علم لدنی کی تشریح اور اس کے بعد حروف کی وضاحت کی گئی ہے۔ کلمۃ الحقائق کا خاتمہ بھی انہیں مباحث پر ہوا ہے۔[1]

(۵) ارشادنامہ میں مسائل کو جن تشبیہات و تمثیلات کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کلمۃ الحقائق میں بھی ان مسائل کی وضاحت کے لئے وہی تشبیہات و تمثیلات استعمال کی گئی ہیں۔

---

۱ ارشادنامہ ص ۱۵۳ تا آخر اور کلمۃ الحقائق ص ۱۰۸ تا آخر

(٦) ارشادنامے اور کلمۃ الحقائق کا سرمایۂ لفظی مشترک ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ کلمۃ الحقائق میں جگہ جگہ ارشاد نامے ہی کے مسائل کو فارسی میں لکھا ہے. کلمۃ الحقائق کی آخری عبارت بالکلیہ فارسی میں ہے.

پہلا نثری رسالہ

مندرجہ بالا داخلی شہادتوں کے پیش نظر جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارشادنامہ کو کلمۃ الحقائق پر تقدم زمانی حاصل ہے اور یہ نثری رسالہ نظم کے سہارے لکھا گیا ہے وہیں یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ کلمۃ الحقائق اردو نثرنگاری کی اولین کوشش ہے یا کم ازکم اردو کے اولین نمونوں میں سے ہے.

جانم کے پیشروؤں سے جو نثری رسائل منسوب کئے جاتے ہیں ان کا انتساب شبہ سے خالی نہیں، اس لئے ان کے معروضی مطالعہ کی ضرورت ہے.

رسالۂ سید اشرف جہانگیر سمنانی

سید اشرف جہانگیر سمنانی سے منسوب یہ رسالہ نہ تو پروفیسر حامد حسن قادری کی نظر سے گذرا ہے اور نہ انہوں نے اس کی تحقیق کی ہے بلکہ میر نذر علی درد کاکوروی کے ایک مضمون کے حوالے سے اس کو اردو کی پہلی نثری تصنیف قرار دیا ہے. اس لئے اس انتساب کو تسلیم کرنا تحقیقی احتیاط کے مغائر ہے. اس رسالے کی صرف دو سطریں ہم تک پہنچی ہیں:

«اے طالب اسمان و زمین سب خدا میں ہے، ہور سب میں خدا ہے جو تحقیق جان اگر تجھ میں کچھ سمجھ کا ذرہ ہے تو صفات کے باہر بھیتر سب ذات ہی ذات ہے.»[1]

یہ رسالہ ناپید ہے. اس لئے ہم صرف انہیں دو سطروں کی بنیاد پر رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں. ان سطروں سے زبان کے جس کینڈے کا پتہ چلتا ہے وہ سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ملفوظات[2] سے مختلف اور گیارھویں صدی ہجری کی زبان سے زیادہ قریب ہے. غالباً یہی وجہ ہے کہ مولوی عبدالحق بھی اس انتساب سے متفق نہ تھے.[3]

---

۱ پروفیسر حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو (دوسرا ایڈیشن)، ص ۱۷

۲ ملاحظہ ہو لطائف اشرفی

۳ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، اردو نثر کا آغاز اور ارتقا، ص ۵۱

رسالہ جنونیہ

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی تحقیق کی بموجب رسالہ جنونیہ اردو کا قدیم ترین نثری رسالہ ہے۔[۱] انھوں نے اس رسالے کے ایک نسخے کا تعارف کراتے ہوئے، جو عجائب خانہ بیجاپور میں محفوظ ہے، سنہ کتابت ۵۰۰ ھ بتایا ہے۔ اور اپنے اس ادعا کے ثبوت میں رسالے کے خاتمے کی عبارت بھی نقل کی ہے:

«. . . . دوازہ ماہ و پانزدہم ماہ حجامت مکن کہ علت شود وتمت
(دوازدھم)
تمام شد کار من نظام شدہ سنہ ۵۰ »[۲]

مخطوطہ دراصل «کار من نظام شدہ» پر ختم ہو جاتا ہے جس کے بعد سنہ ۵۰۰ھ درج نہیں ہے بلکہ یہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کا اضافہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۵۰۰ لفظ «شدہ» کی غلط قرأت ہے۔ «شـــدہ» کا شین کشش سے لکھا گیا ہے اور «ہ» «شد» کی «د» کے اوپر آگئی ہے جس کے محاذی «ش» کے تین نقطے ہیں

عجائب خانہ کے کیٹلاگ یں مخطوطہ کا سنہ کتابت ۷۹۵ھ لکھا ہے جو رسالے میں کہیں درج نہیں ہے۔

اس سنہ کے بارے میں کیٹلاگ کے مصحح نے یہ وضاحت کی ہے کہ ۷۹۵ دراصل اس رسالے کا سنہ تصنیف ہے جس سے جونیہ ماخوذ ہے۔

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کو اگرچہ ۵۰۰ ھ میں جنونیہ کا «ضبط تحریر میں آنا ناممکن نہیں معلوم ہوتا»[۳] لیکن حافظ (متوفی ۷۹۲ھ) کے ایک مصرعہ اور حضرت مخدوم شرف الدین منیری (متوفی ۷۸۲ھ) کے ایک مکتوب کے حوالے کی وجہ سے وہ اس کو ایک جگہ ۷۸۲ ھ[۴] کے بعـــد کی اور دوسری جگہ ۷۹۵ ھ[۵] کے قریبی زمانہ کی تصنیف قرار دیتی ہیں۔

---

۱ ڈاکٹر رفیعہ کے الفاظ ہیں «اس طرح یہ رسالہ عین الدین گنج العلم (متوفی ۷۹۹ ھ) کے رسالوں اور رسالہ اشرف جہانگیر سمنانی (متوفی ۸۰۸ ھ) نیز دوسرے تمام رسالوں کے مقابلے میں جن کا اب تک علم ہوا ہے قدیم ترین ثابت ہوتا ہے» (اردو نثر کا آغاز اور ارتقا، ص ۵۵)۔ اشرف جہانگیر سمنانی کے رسالہ کا سنہ تصنیف ۷۰۸ ھ بتایا گیا ہے (تاریخ داستان اردو، ص ۱۹) اور ڈاکٹر رفیعہ جنونیہ کو ۷۹۵ ھ کے قریبی زمانہ کی تصنیف قرار دیتی ہیں۔ اگر ان دونوں سنین کو صحیح تسلیم کیا جائے تو قدامت جنونیہ کو نہیں رسالہ اشرف جہانگیر کو حاصل ہوتی ہے۔

۲ اردو نثر کا آغاز اور ارتقا، ص ۵۰

۳ اردو نثر کا آغاز اور ارتقا، ص ۵۱

۴ اردو نثر کا آغاز اور ارتقا، ص ۵۵

۵ اردو نثر کا آغاز اور ارتقا، ص ۵۵

چونکہ کوئی داخلی یا خارجی شہادت ایسی نہیں ملتی جس سے ڈاکٹر وفیعہ کے متعینہ زمانہ تصنیف کی تائید ہو سکے اس لئے اس کی حیثیت محض قیاسی ہے اور یہ قیاس آرائی بھی غلط مفروضات پر قائم ہے۔

رسائل گنج العلم

شیخ عین الدین گنج العلم (متوفی ۷۹۵ھ) کے جن نثری رسائل کا ذکر حکیم شمس اللہ قادری نے اردوے قدیم میں کیا ہے وہ تحقیق طلب ہی نہیں ناپید بھی ہیں۔ خود حکیم صاحب نے ان رسائل سے نثر کا کوئی نمونہ نہیں دیا ہے۔ اس لئے ان کے مجرد بیان پر گنج العلم سے اردو نثر کی داستان کا آغاز نہیں کیا جاسکتا۔

رسالہ شاہ راجو

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے شاہ راجو قتال اول (متوفی ۷۳۱ یا ۷۹۵ھ) سے ایک نثر کا رسالہ منسوب کیا ہے[1] اور پروفیسر سروری نے علی گڑھ تاریخ ادب میں اس کا ذکر کیا ہے[2]۔ یہ رسالہ کتب خانہ روضتین گلبرگہ میں محفوظ ہے۔[3]

راقم الحروف کو اس رسالے کے مزید دس نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ جن میں سے ایک پر مصنف کا نام شاہ راجو قتال حسینی، دو پر سید شاہ محمد قادری نوردریا، دو پر صرف شاہ محمد قادری اور ایک پر نوراللہ پاشاہ لکھا ہے۔ بقیہ پانچ نسخوں پر مصنف کا نام درج نہیں ہے۔ قرینہ اس کا ہے کہ یہ رسالہ شاہ محمد قادری نوردریا کی تصنیف ہو۔ اس لئے کہ چار نسخوں پر ان کا نام ملتا ہے۔ (ان میں سے دو ایسے ہیں جن پر ان کا لقب نوردریا نہیں ہے) اور ان میں ایک نسخہ ایسا بھی ہے جو ان کے سلسلے کے ایک سجادے کا نقل کیا ہوا ہے اور خود ان کے خاندان میں محفوظ ہے۔

اگر یہ رسالہ شاہ محمد قادری نوردریا کی تصنیف نہ بھی ہو تو بھی شاہ راجو سے اس کا انتساب غلط ہو جاتا ہے۔[4]

---

۱ اردو نثر کا آغاز اور ارتقاء، ص ۶۰

۲ علی گڑھ تاریخ ادب اردو، ص ۱۴۶

۳ یہ رسالہ سترہ رسائل کے ایک مجموعہ میں شامل ہے مجموعہ رسائل عربیہ۔ ڈاکٹر رفیعہ نے رسائل کی تعداد چودہ بتائی ہے جو درست نہیں ہے۔

۴ اس موضوع پر راقم الحروف کا ایک مضمون علیحدہ شائع ہورہا ہے۔

معراج العاشقین

معراج العاشقین کو ابھی تک حضرت خواجہ بندہ نواز کی تصنیف اور اردو کا پہلا نثری رسالہ سمجھا جاتا رہا ہے کسی نے اس کی زبان، مضامین، ناقص ترتیب، الجھی ہوئی اور بے ربط عبارتوں پر توجہ نہیں دی۔ اس رسالے کی صرف تعلیمات پر ہی غور کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ حضرت بندہ نواز سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ حضرت امین الدین علی اعلیٰ کا اجتہاد ہے، جس کو ان کے خانوادے اور ان کے سلسلے کے پیران طریقت نے اپنے نظم و نثر کے رسائل میں بالالتزام پیش کیا ہے۔

میرانجی شمس العشاق، شاہ برہان الدین جانم اور شاہ امین الدین علی اعلیٰ کے تصوف اور سلوک کے تقابلی مطالعہ اور آخر الذکر کے اجتہاد سے واقفیت کے بعد راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے:

(۱) تمام صوفیا متفقہ طور پر واجب الوجود کی اصطلاح خدائے تعالیٰ کے لئے استعمال کرتے ہیں لیکن شاہ برہان الدین جانم نے پہلی بار اس اصطلاح کو انسان کے وجود خاکی کے لئے استعمال کیا ہے جو ان کے بعد ان کے خانوادے میں صدیوں رائج رہی[۱]۔

(۲) جانم نے وجود کے چند مراتب بیان کئے ہیں اور ان کے لئے چار نئی اصطلاحیں، واجب‌الوجود، ممکن‌الوجود، ممتنع‌الوجود اور عارف‌الوجود وضع کی ہیں۔ پانچواں مرتبہ ذات مطلق کا مرتبہ ہے جس کو جانم کی اصطلاح میں واحد الوجود کہتے ہیں۔

ہر وجود کے لوازم کے تعلق سے جو اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں وہ بھی جانم کی وضع کی ہوئی ہیں[۲]۔

(۳) حضرت امین نے اپنے والد کے نظام سلوک میں بعض جزوی تبدیلیاں اور بعض بنیادی اضافے کر کے اس کی تشکیل جدید کی اور یہی نظام سلوک ایک مدت تک دکن میں مقبول رہا۔ خانوادۂ امینیہ کے بزرگوں نے سینکڑوں رسائل نظم و نثر قلمبند کئے ہیں جن میں اسی سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

(۴) حضرت امین نے اپنے رسائل نظم و نثر میں ان اصطلاحوں کے علاوہ جو ان کے والد نے رائج کی تھیں بعض ایسی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں جو خود ان کی وضع کی ہوئی ہیں۔

---

۱ واجب الوجود عنصری اور لازم الوجود کی اصطلاحیں بھی استعمال ہوئی ہیں۔

۲ ملاحظہ ہو معرفۃ السلوک از محمود خوش دہاں۔

(۵) حضرت امین کے نظام فکر میں چار عناصر آب ، آتش ، خاک و باد کے علاوہ «خالی» یا «ہوا» کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ ہندو فلسفہ کی اصطلاح میں یہ آکاش ہے ۔

جانم نے کلمة الحقائق اور ارشاد نامه میں ہوا کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے :

اس نور کے عشق تھے لطافت کیا پس لوڑیا کی ظهور کروں ۔ بادز (بعد از)

اس صفا تھے ہوا کیا و ہوا تھے باؤ کیا و باؤ تھے آگ کیا و آگ تھے پانی کیا و پانی تھے خاک کیا کہ جز ہوا باؤ کو جاگا نہیں و جز باؤ آگ کوں پرورش نہیں و جز گرمی پانی کوں جوش اظہاری نہیں و جز پانی زمین کوں وجود نہیں ۔[۱]

(ک ، ص ۵۷)

لیکن وہ ہوا کو عناصر میں شامل نہیں کرتے بلکہ عناصر کا جب بھی ذکر کرتے ہیں آب ، آتش ، خاک اور باد ہی کا نام لیتے ہیں :

تو ایسی قدرت (کیرا) بار یو کے عناصر (ان یہ) چار (کئے)

پس وہ نور محمد و آن گوہر لطیف در صدف خاک نہاد با ترکیب چہار عناصر آمیختہ کرد . . .[۲]

(ک ، ص ۲۸)

ارشاد نامے میں بھی عناصر کا جہاں ذکر آیا ہے ان کی تعداد چار ہی بتائی ہے :

یہ چار عناصر چارو ٹھار روح تو باقی جسم قرار

(ا ، ص ۲۶)

چار عناصر کر یک ٹھار کیستا وجود خاکی بار

(ا ، ص ۲۰)

پھر یہ ہوا کیا ہے ؟ محمود خوش دہاں نے اپنے پیر کے نظام سلوک کو معرفة السلوک میں انتہائی مرتب اور جامع انداز میں پیش کیا ہے ۔ اس کتاب میں انہوں نے ہوا کی اصطلاح کی وضاحت دو جگہ کی ہے ۔ پہلے نفس امارہ کے ضمن میں

---

۱ ارشاد نامہ ، ص ۱۹ /۲ ـ ۶

۲ ارشادنامہ ، ص ۲۰ /۸ ـ ۱۲

اور بعد مرتبۂ «وراء الوراء» سے «ہوا» تک نزول کو سمجھاتے ہوئے نفس امارہ کے ضمن میں لکھا ہے:

«.... و این مراد از ہمین جوہر ہبا است وآن جوہر ہبا ہیولا است و آن ہیولا این ہیولا است کہ ما ہوا می‌گوئیم و آن میان آسمان و زمین است بلکہ تا عرش و تحت الثریٰ محیط است. پس اے سالک از امر الٰہی اربعہ عناصر از باطن جوہر ہوا پدید آمدند تا مرتبۂ خاک....»[۱]

اور مرتبۂ وراء الوراء سے نیچے کے مراتب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

از پرتو وراء الوراء لامکان پیدا آمدہ است کہ لامکان صورت وراء الوراء است و این لامکان محل و مظہر عارف الوجود است کہ عارف الوجود در لامکان پیداست کہ آن لامکان مرآت اوست.... .... بعد از آن از پرتو لا مکان، مکان لا مکان نمودار گشت و مکان لامکان مظہر و مرآت ممتنع الوجود است و ممتنع الوجود در مکان لامکان ہویداست .... بعد از آن از پرتو مکان لامکان صفا پیدا شد و مکان صفا مظہر و مرآت ممکن الوجود و محل جمیع روحانیات، جن و انسان و ملائکہ وغیرہ را صفاست ہرگاہی کہ عالم ارواح برداشتہ شود وجود صفا نیز ہمراہ او معدوم گردد. بنا بر آن گفتہ آمدہ است کہ در عالم لطافت ہر مکان صور و اشکال است اما در قدرت .... وبعد از آن از پرتو صفا ہوا نمودار گشت و ہوا مظہر و مرآت لازم الوجود است کہ لازم الوجود در ہوا پیداست .... و این اربعہ عناصر از شکم ہوا در اظہار آمدہ اند...[۲]

جانم کے برخلاف حضرت امین ہوا یا خالی کو بھی ایک مستقل عنصر تسلیم کرتے ہیں اور چار کی بجائے پانچ عناصر کا ذکر کرتے ہیں:

اے تن واجب الوجود خداے تعالی پانچ جناں سوں پیدا کیا ہے.
ماٹی، پانی، آگ، بارا، خالی.[۳]

ان پانچ عناصر کا انہوں نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ ذکر کیا ہے اور ان کے پچیس گنوں پھولوں، پھلوں، تنوں، رنگوں، لذتوں، دردوں، خوبیوں، طبیعتوں،

---

۱ مخطوطہ معرفۃ السلوک
۲ مخطوطہ معرفۃ السلوک
۳ امین الدین علی اعلی، رسالہ وجودیہ (نثر)

گوہروں ، دروازوں ، باسوں ، روحوں ، فرشتوں اور سمتوں کی تفصیلات بیان کی ہیں . یہی وجہ ہے کہ ان کا تصوف پانچ عناصر پچیس گن کا تصوف کہلانے لگا .

دبستان امینیہ کے بموجب یہ تن دیکھنے میں ایک مشت خاک ہے لیکن اس میں ساری کائنات پوشیدہ ہے اس لئے اس تن کا مطالعہ کائنات کا مطالعہ بن جاتا ہے . یہ تن وہ ہے جس میں ذات نے نزول کرکے اپنے نور کو سمویا ہے . اس لئے جو اس تن کو پہچانتا ہے وہ خدا کو پہچانتا ہے . « من عرف نفسہ فقد عرف ربہ » کا یہی مفہوم ہے . اس دبستان میں تن کے مطالعہ کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اس کو تلاوۃ الوجود کہا جانے لگا .

حضرت امین اس جسد خاکی میں کائنات کے ہر مظہر کی نشان دہی کرتے ہیں اور تشبیہی و تمثیلی انداز میں اعضائے جسمانی کی تشریح و تعبیر کرتے جاتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں سات طبق زمین ، سات طبق آسمان ، بارہ برج ، سات ستارے ، موسم ، دریا ، پہاڑ ، جانور ، پرند ، رعد ، برق ، اور سیلاب موجود ہیں .[1]

حضرت امین کے سلسلے کے بزرگوں نے اُن کی تعلیمات کو منتر کی طرح دہرایا ہے . یہی وجہ ہے کہ دکھنی نظم و نثر کے ذخیرے کا بڑا حصہ ان ہی تعلیمات سے پٹا پڑا ہے .

جانم کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ویدانتی فلسفہ اور بھگتی مارگ سے گہری واقفیت رکھتے تھے . چنانچہ انہوں نے اپنے تصوف اور سلوک کو سمجھانے کے لئے جہاں متداول اصطلاحوں کی جگہ خود اپنی وضع کی ہوئی اصطلاحیں استعمال کی ہیں وہیں ویدانت اور مہاراشٹر کے بھگتی یوگ کی اصطلاحیں بھی بڑی بےتکلفی کے ساتھ برتی ہیں . تاہم جانم کے مقابلے میں حضوت امین کے ہاں ویدانت ہندو فلسفہ اور بھگتی یوگ کا اثر بہت گہرا ہے پانچ عناصر پچیس گن اور اس کی تشریحات و تصریحات سے اس اثر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے . انہوں نے اسلام کے بنیادی تصورات اور متداول تصوف کی روح کو متأثر کئے بغیر ہندو فلسفہ سے بڑا کام لیا ہے . جس کی وجہ سے ایک طرف بیجاپور کے قادریہ گھرانوں کی طرف سے ان کی سخت مخالفت بلکہ مذمت کی جانے لگی[2] تو دوسری طرف ان کی تعلیمات دکن کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں اور ایک مدت تک اسی کا بول بالا رہا .

---

۱ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ وجودیہ (نثر)

۲ ملاحظہ ہو مشربی کی مثنوی اور قادریہ مشایخین کی وہ مراسلات جو کتب‌خانہ گنج‌محل میں محفوظ ہے .

بنابریں جن دکھنی رسائل میں متذکرہ بالا تعلیمات اور اصطلاحیں استعمال ہوئی ہیں ان کے بارے میں یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان کا مصنف حضرت امین کا مرید اور ہم‌عصر ہوگا یا وہ ان کے بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا ہوگا. زبان کی بنیاد پر کسی رسالے کے زمانۂ تصنیف کے تعین میں غلطی کا امکان ہے لیکن موضوع کی یہ خصوصیت ایسی ہے کہ ہمارا قیاس کبھی دھوکا نہیں کھاسکتا.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر موضوع ، مضامین اور اصطلاحوں کی اس خصوصیت کی بنیاد پر جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ہم کسی رسالہ کے عہد تصنیف کے بارے میں حکم لگاسکتے ہیں کہ وہ گیارھویں صدی کے پہلے کے زمانے سے تعلق نہیں رکھتا تو رسالۂ معراج العاشقین کے زمانۂ تصنیف اور حضرت خواجہ بندہ نواز سے اس کے انتساب کے بارے میں کیا توجیہ کی جائے گی!

معراج العاشقین کے مرتب مولوی عبدالحق کو بھی قطعیت کے ساتھ اس کا دعوی نہیں ہے کہ یہ رسالہ بندہ نواز ہی کی تصنیف ہے. ڈاکٹر محمد قاسم کے نسخے کا ترقیمہ نقل کرنے کے باوجود (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ایک ایسے نسخہ کی نقل ہے جس کا سنہ کتابت ۹۰۶ ھ تھا) مولوی صاحب نے لکھا ہے:

«اس سے مجھے بہت کچھ اطمینان ہوا اور ایک حد تک اس بات کا یقین ہوگیا کہ یہ حضرت بندہ نواز ہی کی تصنیف ہے.»[۱]

مولوی عبدالحق نے نسخہ ڈاکٹر محمد قاسم کا جو ترقیمہ نقل کیا ہے اس میں ۹۰۶ ھ الفاظ میں بھی لکھا ہے. یہ ایک ایسا قوی ثبوت ہے جس پر شبہہ کرنا بظاہر مشکل ہے لیکن کسی قدیم رسالے کے انتساب اور زمانۂ تصنیف پر حکم‌لگانے سے پہلے بعض اور پہلوؤں کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے:

۱) پانچ عناصر کا بیان بندہ‌نواز کی کسی مستند تصنیف میں نہیں ملتا. اگر تصوف میں پانچ عناصر ، ہر عنصر میں دوسرے عنصر کے دورے اور اس سے پیدا ہونے والی خصوصیات ، گن اور دوسری تفصیلات ان کا اجتہاد ہوتیں تو یقیناً وہ تکرار اور اصرار کے ساتھ اپنی تصانیف میں اس فلسفہ اور اس کی تعبیرات کو بیان کرتے، جیسا کہ حضرت امین نے کیا ہے. لیکن ان کی چھوٹی بڑی کسی تصنیف میں ہوا یا خالی کا اتنا ذکر بھی نہیں ملتا جتنا جانم کے یہاں ہے.

---

۱ مولوی عبدالحق ، معراج العاشقین (۱۳۴۳ ھ) ص ۷

٢) بندہ نواز کے طرز بیان کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسائل کو بیان کرنے کے لئے مروجہ اور متداول اصطلاحیں بھی ناگزیر صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ اصطلاحی زبان استعمال کرنے، مسائل کی کھتاونی کرنے اور ان کو منتر کی طرح دہرانے کی بجائے احوال و کیفیات کے بیان پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ معراج العاشقین کا یہ اسلوب نہیں ہے۔

٣) اگر یہ نظام سلوک اور یہ فلسفہ بندہ نواز کا اجتہاد ہوتا تو ان کے سلسلہ کے بزرگ بھی اس سلوک اور فلسفہ کو ضرور بیان کرتے لیکن بندہ نواز سے حضرت امین تک کم و بیش ڈھائی سو سال کے عرصہ میں بندہ نوازی سلسلہ کے کسی بزرگ نے نہ تو مراتب کا یہ بیان کیا ہے نہ یہ اصطلاحیں استعمال کی ہیں اور نہ پانچ عناصر کے گن گائے ہیں۔

٤) جانم اور حضرت امین کے یہاں مراتب وجود، لوازم و شرائط کی ترتیب ہی میں فرق نہیں ملتا بلکہ جانم کے مقابلہ میں حضرت امین کے یہاں کچھ نئی اصطلاحیں، نئے نکات اور نئی تعبیریں بھی ملتی ہیں جانم کے برخلاف حضرت امین ہر مرتبہ کے ذکر کے ساتھ اس کے سگن اور نرگن کی بھی تشریح کرتے ہیں۔ معراج العاشقین میں بھی ذکر جلی، ذکر قلبی، ذکر روحی اور ذکر سری کے سگن اور نرگن کا ذکر ملتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس رسالہ کا مصنف براہ راست حضرت امین سے تعلق رکھتا ہے۔

٥) جس کسی نے دکھنی نظم و نثر کے قلمی رسائل کا وسیع مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ محض سرنامہ یا ترقیمہ میں کسی نام کا ہونا رسالہ کو اس نام سے منسوب کرنے کا قطعی ثبوت نہیں ہوتا۔ دکھنی رسائل کے انبار میں ایسے رسائل کی کمی نہیں جن کے متعدد نسخوں پر مصنف کی حیثیت سے مختلف نام ملتے ہیں۔ انتساب کی ان غلطیوں کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک سبب یہ بھی ہے کہ کاتبوں نے نام، لقب، عرف یا ان کے کسی جزو کے اشتراک کی وجہ سے ایک مصنف کو دوسرے سے خلط ملط کردیا ہے اس قسم کے انتساب کی مضحکہ انگیز مثالیں وہ دکھنی رسائل ہیں جن کی لوح یا ترقیمہ میں مصنف کی حیثیت محی الدین ابن عربی، غوث اعظم اور عثمان ہاورنی کے نام ملتے ہیں۔ بندہ نواز سے منسوب رسائل بھی اسی غلط فہمی کا شکار

ہوئے ہیں ۔ چنانچہ نظم و نثر کے بعض رسائل ، بعض نظمیں اور بعض غزلیں بندہ‌نواز سے محض اس لئے منسوب کردی گئی ہیں کہ ان کے مصنفوں کے ناموں میں صدر الدین ، شہباز ، سید محمد حسینی ، بندہ نواز یا مخدوم کا جزو شامل ہے ۔ معراج العاشقین کے بندہ نواز سے انتساب میں بھی یہی ستم‌ظریفی ہوئی ہے ۔ اس رسالہ کے مصنف سید شاہ مخدوم حسینی ہیں جو پیر اللہ حسینی سے بیعت و خلافت رکھتے تھے ۔ پیر اللہ حسینی کو میرانجی خدا نما سے اور ان کو حضرت امین سے خلافت و اجازت حاصل تھی ۔ مخدوم کے رسائل نظم و نثر کے مخطوطات کتب خانوں میں محفوظ ہیں ۔ انہوں نے کم و بیش اپنی ہر تصنیف میں اپنے پیر کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے باوجود نہ صرف کم‌سواد کاتبوں نے بلکہ محققوں نے بھی ان کے رسالۂ تلاوۃ الوجود کو بندہ نواز سے منسوب کردیا ہے ۔ ستم بالائے ستم یہ کہ نمونے کے طور پر جو عبارت دی ہے اس میں وہ سطریں بھی نقل کی ہیں جن میں مخدوم ہی کا نہیں ان کے پیر کا نام بھی موجود ہے ۔[1]

معراج العاشقین آج سے کوئی (۴۷) سال پہلے شائع ہوئی تھی ۔ اس عرصہ میں بارہا اساتذہ نے اسے پڑھا اور پڑھایا اور محققین نے سیکڑوں مرتبہ اس کا حوالہ دیا ۔ لیکن تعجب ہے کہ اس طویل مدت میں کسی نے اس کے متن پر توجہ نہیں دی ، حالانکہ ایک ذرا غور کرنے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس رسالے کی عبارتیں الجھی ہوئی ، جملے اکھڑے اکھڑے اور مطالب تشنہ اور مبہم بلکہ بعض اوقات مہمل سے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسالہ مکمل نہیں ہے ، متن ادھورا ہے ، بعض جملے اور فقرے حذف ہوگئے ہیں ۔ محققین نے متن کی ان خامیوں کو ہمیشہ زبان کی قدامت پر محمول کیا اور مضامین اور مطالب کو نظرانداز کرتے رہے ۔ اس لئے کبھی وہ یہ سوچ بھی نہ سکے کہ اس رسالہ کی زبان بندہ نواز کے عہد کی نہیں بلکہ ان کے تین سو سال بعد کی ہے ۔ اب جب کہ اصل متن ہمارے سامنے ہے نہ صرف زبان کی بنیاد پر بلکہ ان تعلیمات کے پیش‌نظر بھی جو اس رسالے میں بیان کی گئی ہیں ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رسالہ خانوادۂ امینیہ کی دین ہے ۔ بندہ نواز اور ان کی تعلیمات سے اس کو کوئی علاقہ نہیں ۔

---

۱ علی گڑھ تاریخ ادب اردو ، ص ۱۶۱ و ۲۶۷

معراج العاشقین کوئی مستقل رسالہ نہیں ہے بلکہ تلاوۃ الوجود مصنفۂ شاہ مخدوم حسینی بلکانوری کا خلاصہ ہے اور یہ تلخیص بھی سلیقہ سے نہیں کی گئی ہے۔

غرض یہ اور اسی طرح کے متعدد داخلی شواہد ایسے ملتے ہیں جن کی بنا پر سنہ کتابت ۹۰۶ھ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

دکھنی مخطوطات بالخصوص تصوف کے قلمی رسائل کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کم‌سواد کاتبوں نے ان کی کیا کیا گت بنائی ہے اور نقل در نقل کے ہاتھوں ان کا متن کس طرح مسخ ہوا ہے۔ ان کم‌سواد کاتبوں نے جہاں متن کو ناقابل فہم بنا کر رکھ دیا ہے وہیں سنہ کتابت کے اندراج میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیا ہے۔ حسب ذیل دو مثالوں سے اس بےاحتیاطی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

۱) کتب‌خانہ جامع مسجد بمبئی میں شاہ معظم کی مثنوی معراج نامہ کا ایک نسخہ محفوظ ہے جس کا سنہ تصنیف خود شاعر نے ۱۰۷۰ھ بتایا ہے:

یو نامہ جہاں میں ہوا جب ختم ایگیارہ صدی میں اتھے تیس کم

لیکن ترقیمے میں اس کا سنہ کتابت ۱۰۴۰ھ لکھا ہے:

«کاتب الحروف فقیر حقیر یوسف علی ۲۰ جمادی الثانی سنہ ۱۰۴۰ھ»

یعنی ترقیمے کو صحیح مانا جائے تو اس نسخے کی کتابت مثنوی کی تصنیف سے ۳۰ سال پہلے مکمل ہوچکی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ مضحکہ‌انگیز ہوگا لیکن اگر خود شاعر نے سال تصنیف نظم نہ کیا ہوتا تو ہم یہی رائے قائم کرتے کہ معظم نے یہ مثنوی ۱۰۴۰ھ سے پہلے لکھی تھی۔

۲) مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون «شرح تمہید ہمدانی» مندرجہ رسالہ اردو بابت اپریل ۱۹۲۸ء میں لکھا ہے کہ ان کے یہاں شرح تمہیدات کا ایک نسخہ ۱۰۱۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ یہ سنہ کتابت اس لئے درست نہیں ہوسکتا کہ میراں یعقوب کے بیان کے مطابق ان کے پیر، میرانجی خدا نما، کی وفات ۱۰۷۴ھ میں ہوئی جبکہ ان کا سن ستر برس ہوچکا تھا۔[1] اس حساب سے میرانجی کا سنہ پیدائش ۱۰۰۴ھ ہوا۔ جس شخص کا سنہ پیدائش ۱۰۰۴ھ ہو اس کی کتاب کا سنہ کتابت ۱۰۱۲ کیسے ہوسکتا ہے۔[2]

---

۱ میراں یعقوب، شمائل الأتقیاء

۲ اس سلسلہ کی بحث کے لئے دیکھئے «میراں‌جی خدا نما» مصنفہ ڈاکٹر حفیظ قتیل

ممکن ہے کہ ایسی ہی کوئی غلطی ڈاکٹر محمد قاسم کے نسخے کے کاتب سے سرزد ہوئی ہو قرینہ اس کا ہے کہ جس مخطوطہ سے زیر بحث نسخہ نقل کیا گیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور رسالہ ہو جس کا سنہ تصنیف یا سنہ کتابت ۹۰۶ھ ہوگا۔ چونکہ معراج العاشقین بھی اسی کے ساتھ منسلک تھی اس لئے کاتب نے قیاس کیا کہ دونوں رسالوں کا سنہ کتابت ایک ہوگا اور اس نے معراج العاشقین کے ترقیمے میں بھی یہی سنہ لکھ دیا

بعض اوقات محققین نے بھی سنہ کی قرأت میں غلطی کی ہے جس کی مثال رسالۂ جنونیہ کے سلسلے میں دی جاچکی ہے۔

مختصر یہ کہ سنہ کتابت کے غلط اندراج اور اس کی غلط قرأت کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے صرف ایک نسخے میں ۹۰۶ھ کے حوالے پر تکیہ کرکے معراج العاشقین کو بندہ نواز سے منسوب نہیں کیا جانا چاہئے جب کہ داخلی اور خارجی شواہد ایسے قوی ہیں جن سے اس سنہ کی صحت مشتبہ ہی نہیں غیراہم ہوجاتی ہے۔

راقم الحروف نے صرف تعلیمات، کی بنیاد پر رسالۂ معراج العاشقین کے بندہ نواز سے انتساب کو رد کیا تھا۔[1] لیکن استاد محترم ڈاکٹر حفیظ قتیل نے تلاوۃ الوجود. تلاوۃ الوجود مرآۃ السالکین، سوال نامہ اور معراج العاشقین کے تمام مخطوطات کے تفصیلی جائزے کے بعد اپنی کتاب «معراج العاشقین اور اس کا مصنف» میں ہر پہلو سے اس انتساب کی تردید کی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر حرف آخر کا حکم رکھتی ہے۔ اس لئے معراج العاشقین کے بندہ نواز سے انتساب کی غلط فہمی کو اب ہمیشہ کے لئے ختم ہوجانا چاہئے۔

شکار نامہ

شکار نامہ کا بندہ نواز سے انتساب معرا العاشقیں کے انتساب سے زیادہ کمزور ہے۔ معراج العاشقین کے تعلق سے مولوی عبدالحق کا دیا ہوا سنہ کتابت ایک قوی ثبوت بن کر سامنے آتا ہے۔ لیکن شکار نامے کے انتساب کے سلسلہ میں ایسا کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

---

۱ مقالہ ، دکھنی ادب کی ترقی میں شاہ امین الدین علی اعلیٰ اور ان کے خلفا کا حصہ

رسالہ محمد اکبر حسینی

جس رسالے کا ذکر ہمارے محققین اکبر حسینی کے نام سے کرتے ہیں اس کو عمر یافعی صاحب نے «آٹھویں صدی ہجری کی نظم و نثر اردو کا ایک نمونہ» کے عنوان سے مکتبہ میں شائع کیا تھا [1] یہ عنوان انھوں نے اس لئے دیا تھا کہ مصنف کے بارے میں وہ کسی قطعی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے۔ اس لئے کہ رسالے کی ابتدا میں « هذا رسالہ بندہ نواز گیسو دراز » اور خاتمہ پر « من تصنیف سید محمد اکبر حسینی بندہ نواز » درج ہے۔[2] انھیں رسالہ کی زبان کی قدامت پر بھی شبہ تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

> «اس رسالہ کو حضرت بندہ نواز گیسودراز یا سید محمد اکبر حسینی کا فرض کرکے « آٹھویں صدی ہجری کی نظم و نثر کا ایک نمونہ » عنوان رکھا گیا لیکن آٹھویں صدی یا نویں صدی کی نظم و نثر کے جو نمونے سمجھے جاتے ہیں ان کے مقابلہ میں اس کی زبان ذرا صاف معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ میرانجی شمس العشاق بیجاپوری (وصال ۹۰۲ یا ۹۱۰ ھ) کی نظم و نثر کا نمونہ ملاحظہ ہو :
>
> ہنسا دونی ، سو بہ نینی ، کوردرن ، کرکروی
> گور
> بہوت ستیاں پن یہ ست عجب کلجگ ، نہیں سروی
>
> (خوش‌نامہ ۱۷۵ ، رسالۂ اردو بابت اپریل ۱۹۲۷ء)
>
> شرح مرغوب القلوب
>
> خدا کہیا تحقیق مال ہور پنگڑے تمھارے دشمن ہیں چھوڑ دو دشمناں
> (دیو)
> کو اے کیا غفلت ہے جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تہی تجھے
> (کوں) (تھے)
> بسرا کر »[3] (اردو ص ۱۸۸)

یعنی یافعی صاحب سمجھتے تھے کہ خوش‌نامہ اور شرح مرغوب القلوب کی زبان اکبر حسینی سے منسوب رسالہ کی زبان سے قدیم ہے۔ شرح مرغوب القلوب میرانجی

---

۱ مجلۂ مکتبہ جلد ۱، شمارہ ۱، بابت اپریل ۱۹۲۸ع، ص ۱۸ تا ۲۴
۲ " " " ص ۲۱ تا ۲۳
۳ مکتبہ مجلہ، جلد ۱، شمارہ ۱، ص ۲۴

خدا نما (متوفی ۱۰۷۴ ھ) کی تصنیف ہے . اس لحاظ سے زیر تبصرہ رسالہ زبان کے پیش نظر گیارھویں صدی ہجری یا اس کے بعد کی تصنیف قرار پائے گا

ترجمہ نشاط العشق

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی تصنیف نشاط العشق کا ترجمہ سید محمد عبداللہ حسینی سے منسوب کیا جاتا ہے جو بندہ نواز کے پوتے یا نواسے بتائے جاتے ہیں . حکیم شمس اللہ قادری کا بیان ہے کہ ترجمہ نشاط العشق کا ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں موجود تھا .[۱] یہ نسخہ اب دستیاب نہیں ہوتا .

رسائل میرانجی شمس العشاق

میرانجی شمس العشاق سے گل باس ، جل ترنگ ، شرح مرغوب القلوب ، تاج الحقائق اور سبعہ صفات منسوب کئے جاتے ہیں . گل باس اور جل ترنگ کا ذکر حکیم شمس اللہ قادری نے کیا ہے . یہ رسائل ناپید ہیں . شرح مرغوب القلوب کو مولوی عبدالحق نے شمس العشاق سے منسوب کیا تھا لیکن یہ میرانجی خدا نما کی تصنیف ہے .[۲] تاج الحقائق وجہی سے بھی منسوب ہے اور یہی انتساب زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے .[۳] رسالہ سبعہ صفات کو شمس العشاق سے منسوب کرتے ہوئے ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے :

« اس کا ایک مخطوطہ انجمن ترقیء اردو علیگڑھ کے کتاب خانہ میں موجود ہے جس کے سرورق پر صراحتاً میرانجی کا نام لکھا ہے .»[۴]

انجمن کے مخطوطے پر صرف میرانجی لکھا ہے . لوح کی عبارت درج ذیل ہے :

« تصنیف حضرت میرانجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز »

جس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ میرانجی سے میرانجی شمس العشاق مراد ہیں یا میرانجی خدا نما یا میرانجی نام کے کوئی اور بزرگ . اس لئے اس رسالہ کو شمس العشاق سے منسوب کرنا قرین احتیاط نہیں .

---

۱ اردوے قدیم (دوسرا ایڈیشن ، ص ۱۱٦

۲ ڈاکٹر عبدالحفیظ قتیل ، میرانجی خدا نما ، ص ۸۳

۳ راقم الحروف کو تاج الحقائق کا ایک نسخہ مولوی علیم الدین صاحب تاجر کتب کے ذخیرے سے دستیاب ہوا ہے جس کی لوح پر حسب ذیل عبارت درج ہے :
« کلام مولانا وجیہہ الدین محمد قدس اللہ سرہ تعالی در زبان ہندی ، سید شاہ عبد الرزاق مختصر نمودہ نوشتہ شد .

۴ علی گڑھ تاریخ ادب اردو ، ص ۲۱۷

جانم کے پیشروؤں سے منسوب رسائل کے اس تجزیہ کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ کلمۃ الحقائق ہی اردو کا پہلا مستند نقش ہے ۔

کلمۃ الحقائق کا نحوی مطالعہ

اردو نثر کے اس ابتدائی نمونے سے حضرت امین کی نثر کا نحوی نقطۂ نظر سے مقابلہ کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ اردو نثر نے تقریباً نصف صدی کے دوران کس قدر ترقی کی ۔ اس مطالعہ کے لئے پہلے کلمۃ الحقائق کی نحوی خصوصیات کا تجزیہ پیش کیا جائے گا ۔ یہ تجزیہ خود بھی اس دعوے کی داخلی شہادت فراہم کرتا ہے کہ کلمۃ الحقائق اردو نثر لکھنے کی ابتدائی کوشش ہے :

(۱) کلمۃ الحقائق کی نثر ارشادنامہ کے سہارے لکھی گئی ہے جس کی وجہ سے :

(ا) ارشادنامہ کے اشعار کی نثری ترتیب آگئی ہے ۔ جس کی مثال اوپر دی جا چکی ہے ۔

(ب) قدم قدم پر موزوں فقرے لکھے جاتے ہیں ؛ جیسے

اس جان پنے کوں مرگ نہیں (ک ، ص ۳۴)
تو منجھ تے دوسرا کوئی نہیں (ک ، ص ۴۸)
تو یہ سکت کیا تیری ہے (ک ، ص ۴۸)

(ج) عبارت میں جگہ جگہ مصرع ہی نہیں بلکہ شعر بھی آگئے ہیں ۔ یہ شعر مطبوعہ ارشاد نامہ میں نہیں ہیں ۔ پتہ نہیں جانم ان مقامات پر شعر نقل کرنا چاہتے تھے یا موزونیٔ طبع کے زور نے نثر میں مصرع اور شعر کہلوائے ہیں :

جہاں تھے سماؤ روپ تب میں وہی سروپ
یہ کیوں سمجھاؤ بیان جے روشن ہوے عیان
یوں کہے خوب نشان جے ٹوٹے بھرم گمان (گ ، ص ۸۲)

(د) بعض جملوں میں صنعت ترصیع کا استعمال اس طرح کیا ہے کہ ان میں سے ایک آدھ لفظ نکال دیا جائے تو دونوں جملے موزوں ہوکر شعر بن جاتے ہیں :

جے کچھ ہمارے دل میں آوتا سو اسی کا قدیم بھاوتا (ک ،ص ۷۰)
واگرنا ڈرکے زہر کھائیں تیرے و امرت پئیں میرے (ک ، ص ۷۷)

(۲) چونکہ مصنف کے سامنے اردو نثر کا کوئی نمونہ نہیں تھا اس لئے مافی الضمیر کی ادائی کے لئے انھیں اپنا راستہ آپ بنانا تھا۔ ابتدائی کوشش ہونے کی وجہ سے مطالب کی ادائی پر ان کو قدرت نہیں ہے، اس لئے:

(۱) اردو نثر لکھتے لکھتے فارسی نثر لکھنے لگتے ہیں:

و لیکن چوک نظر پر و لیکن فرصت آفتاب کا اس سبب ہمہ کار آفتاب بداں و لیکن یہ آنکھ شریک نہوے کہ انکھیاں بہوت و آفتاب یک و سب انکھیاں پرتو آفتاب است و عکس را تبدیل است و آن آفتاب ہمیشہ یک است ہمون نمونہ ذات و صفات کہ او دیگر انواع جوں نظر تھے ہاتھ مکھ (پر) پڑیا نظر تھے بینی پر جیب ہردو ہاتھ و جیب جز نظر کار نرود و لیکن صحیح بر نیاید کہ نظر منزہ بر ہردو شاہد ہمون نمونہ و مثال بر ذات بندہ و خدا نماید۔ درین ہردو مثال امر ثابت شد یا نہ کہ خدائے تعالی انصاف ہے۔ تمام عالم کی حرکت اس کی فرصت ولیکن وہ کسی کام میں نہیں۔ اما ہے تو یوں جوں نظر میں آفتاب ہے بھی نہیں درین فکر عابد را باید کہ رسید بعدہ معلوم شود» (ک، ص ۸۴)

لا مکاں قدرت پر تھے دل سوں انپڑنا ہے نہ کی صورت و شکل و بعضے کہتے ہیں سر کیاں انکھیاں سوں دیکھیں گے یک شے سوں صورت شکل سوں و بعضے کہتے ہیں کہ چنانکہ در دنیا ہموں طریق در آخرت عین الیقین در دل پیدا شود۔ چوں کے اپنا روح اپس کو دیکھنے کا کچ آرزو ہے کہ روح بےصورت دل کے علم سوں جانتا ہے و اگر روح اپس تھے خیر نہ کرد دیکھنے کی تو (دیکھنگی)
وہ روح نہ ہوی یوں اللہ تعالی کا ذات کل صفات موصوف» (ک، ص ٦٠)

(ب) ایک جملہ اردو میں لکھتے ہیں اور ایک فارسی میں:

اے عارف تو اس ہوائے صفا میں مل، صفا ہو تاکی اس میں دوسرا رنگ نہیں دستا۔ جز ہوائے صفا تمام ہوا نظر میں آوے، و نمود ہم ہوا نماید۔ سبب اس یک متشابہ و یک کہ روشن ہو

آوے ہمچون تخم جنگی در خاک باشد و در ہنگام تخم از زمین خارج نماید، ہر حسن اپنے روپ سوں کوم جناتا و در ہنگام دھوپ کالا خاک در خاک نماید و تخم در خاک باشد ہر جنس اپنے روپ سوں جو نیکی تو جز خاک لوڑے نظر میں نہ آسی. الا (جیوینگے)

خاک تو در فہم دیکھ .» (ک، ص ۴۵)

(ج) سب سے دلچسپ چیز یہ ہے کہ مرکب جملوں میں ہم رتبہ یا اصلی جملہ اردو میں لکھتے ہیں اور دوسرا جملہ یا تابع جملہ فارسی میں. کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے:

اے عارف! سبب کیا خوب دیکھن ہارا ہو عقل تو توں نہیں ہے کہ توں نور محمد صلی اللہ علیہ و سلم بر سر تو عقل بار گیرد او الہی باشد. (ک، ص ۳۸)

خدائے تعالیٰ کوں اپس میں دیکھنا ہمچوں کہ آفتاب و بر آن نظر کردن نتواند. (ک، ص ۵۱)

دائم یک حال و وصل ہوے مگر یک ساعت اگر او خواہد (ک، ص۵۳)

ہوا نظر میں آتا سر کیاں انکھیاں سوں حاصل اماں ہوائے صفا جز ادراک باطن نیاید (ک، ص ۵۴)

قدرت کا بار عارف الوجود لگ و آں شاہدی خدا کی بر ہمہ شاہداں جان خدا است. (ک، ص ۵۵)

اے نادان بھاؤتا خدا کا کلام ونبی یہ بھاوتا نفسانی تعلق شیطانی کہ سجدہ آدم را نہ کند (ک، ص ۷٦)

یک بار و دو بار و سہ بار گوید و بار بار گوید تاکہ سیکھیں لک (لگ)

جونکے انن کی زبان میں لفظ برتن لگیا (ک، ص ۸۰)

از شکم مادر وقت زادن ترا عقل نہ بود اما تج میں تو گمان نہیں کہ توں ہے یا نہیں (ک، ص ۳۹)

(د) جملہ کا آغاز فارسی سے کرتے ہیں اور بقیہ جملہ اردو میں لکھتے ہیں. اسی طرح جملہ کا آغاز اردو سے کرتے ہیں اور ختم

فارسی پر کرتے ہیں:

ان کے سیوک میں رنگ لال پیدا شد (ک، ص ۵۲)

اے عارف، یہاں قلم شکستہ شد و ورق ہم سوزاں بود (ک، ص ۵۲)

اس دل کی بزرگی کسے را نہایت نہ رسد (ک، ص ۹۵)

وہاں کا مراقبہ و مشاہدہ چیست (ک، ص ۹۸)

یو صفات بندہ کا ذات حق میں خدا در نظر واصلاں بعدہ ہرچہ بینی حق بینی و ہرچہ گوئی حق گوئی (ک ص ۱۰۷)

ایں نام بر ہر یک صفت تعلق دھرتا ہے (ک، ص ۹۲)

در منزل ملکوت حال کیوں دسے گا. (ک، ص ۹۸)

خدائے تعالی بذات خود روشن جوں دیوا، و تو نور بذات خود نۂ چوں خانۂ کہ خانہ جز چراغ روشن نہ دیکھلاسی (ک، ص ۵۰)

(ھ) عموماً فارسی حروف عطف اور حروف ربط استعمال کرتے ہیں:

یہاں اپنے کام غالب دیکھلایا ولیکن تدبیر منع نہیں (ک، ص ۷۷)

اپنے کام و اللہ کے کام اس کی رضا بغیر ذرہ ہلتا نہیں .... این ہردو امر چناں بر مثل چناؤ و یا اگر بندہ کا کام کیوں و خدا کا کام کیوں یا مل کر، یہ کیوں، سمجھاؤ. (ک، ص ۸۲)

اما یو شاہدی ذات میں فدا ہوی و بعدہ پھیر نا آوے خدا ایسا حال کہو ویصال. (ک، ص ۵۲)

پس لوڑیا کی ظہور کروں بادز (صد از) اس صفا تھے ہوا کیا و ہوا تھے باؤ کیا و باؤ تھے آگ کیا و آگ تھے پانی کیا و پانی تھے خاک کیا کہ جز ہوا باؤ کوں جاگا نہیں و جز باؤ آگ کوں پرورش نہیں و جز گرمی پانی کوں جوش اظہاری نہیں و جز پانی زمین کوں وجود نہیں. (ک، ص ۲۷)

وعرفان عکس شاہد کا وشاہد عکس عرفان کا. این دو آشکارا قدرت تھے. مثلہ شاہد جوں آرسی وآفتاب ذات و آفتاب کے شعاع تھے آرسی کا بنب کنارے ہوا وبنب چھایا سو عارف الوجود تا وہ اپنی چھایا پر دیکھن ہارے تو شاہد وآرسی کی روشنائی آفتاب تھے آئینہ نہ انپڑ تھاری اجت کوں کہ اجت در عالم کبیر است (ک، ص ۵۳ و ۵۴)

یو در حکم حکیمی کہ جز کننده کچ نہ ہوسی۔ (ک، ص ۴۸)

(۳) جہاں ٹھیٹ ارد نثر لکھی ہے اس میں عموماً چار خصوصیتیں ملتی ہیں:

(ا) موزوں فقرے اور جملے

(ب) فارسی کے لفظی ترجمہ کا اسلوب

(ج) کہیں کہیں عربی نحوی ترکیب بھی ملتی ہے

(د) بول چال کا اسلوب

(ہ) نظم میں جس طرح ضرورت شعری سے فاعل، مفعول، فعل اور حرف میں تقدیم و تاخیر کردی جاتی ہے جانم نے نثر میں بھی اسی قسم کی تقدیم و تاخیر روا رکھی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے اردو نثر کا کوئی نمونہ نہیں تھا۔ چونکہ وہ پہلی بار نثر لکھ رہے تھے اس لئے نثر کی ترکیب نحوی کی پابندی سے قاصر رہ جاتے ہیں اور بار بار نظم کی نحوی آزادی اختیار کرتے ہیں:

خدائے تعالی ایک اچھے سب میں کیوں (ک، ص ۶۴)

دم تکڑا باؤ کا (ک، ص ۳۱)

ایتال تیرا تجھے دیکھلانا لگےگا اگر لوڑے

خدائے تعالی تو۔ (ک، ص ۳۳)

اسی کا عکس یو (ک، ص ۳۵)

اس کا کہو میت سمجھ ہوئے تیوں (ک، ص ۳۶)

توجے (تجھے) آشکارا کون کیا و جملہ عالم کوں (ک، ص ۴۸)

(۴) ایک حرف ربط یا حرف عطف کی جگہ دوسرا استعمال کرتے ہیں:

جامہ پاکیزہ کرکرُ سکا لینا نہ کی بھی میلا کرنا (ک، ص ۹۳)

«بھی» بجائے پھر

جیسا وہم کرےگا و تیراچ وہم کا بار دسےگا (ک، ص ۵۶)

«و» حرف تشبیہ ویسا کی جگہ

خدائے تعالی کے دل میں تھا و آشکارا ہوا نفس تھے (ک، ص ۶۲)

«و» جو کی جگہ

اے عارف ظاہر تن کے فعل تے گزریا و باطن کرتب سب دستے (ک، ص ۳۴)

«و» تو کی جگہ

(۵) بعض مفرد جملے حرف عطف سے شروع ہوتے ہیں :

که روپ نانوں نشان کر دیکھلانا (ک ، ص ۵۸)

که تحقیق کیوں (ک ، ص ۲۷)

که قدرت میں کل موجودات (ک ، ص ۲۸)

بھی ظلمات اندھارا سو ممتنع الوجود (ک ، ص ۳۷)

پس ذکر جلی کیوں (ک ، ص ۹۳)

جانم اور امین کی نثر کا موازنہ

۱ - جانم نے قدرت اظہار کی کمی اور فارسی نثر کی مشق و مزاولت کی وجہ سے فارسی آمیز نثر لکھی ہے لیکن حضرت امین فارسی کا سہارا لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔ وہ نازک سے نازک معانی کو بڑی قدرت کے ساتھ اردو نثر میں قلمبند کر سکتے ہیں ۔

۲ - حضرت امین کا کوئی نثری رسالہ یا کسی رسالہ کا کوئی حصہ نظم کے سہارے نہیں لکھا گیا ۔ جملوں کی ترکیب نحوی ، ان کا باہمی ربط اور مجموعی طور سے عبارت کا آہنگ پوری طرح نثر کا ہے ۔

۳ - یہی نہیں بلکہ جس طرح جانم نثر لکھتے لکھتے موزوں جملے اور فقرے لکھ جاتے ہیں یہ کیفیت حضرت امین کی نثر میں نہیں ملتی ۔

۴ - جن رسائل میں پانچ عناصر پچیس گن اور واجب تن کے مختلف اسرار سمجھائے ہیں ان میں عبارت آرائی کی گنجائش ہی نہیں تھی البتہ رسالۂ کلمۃ الاسرار میں تصوف کے بنیادی مسائل سے بحث کی گئی ہے ۔ اس لئے اس کی تفہیم و تشریح میں عبارت آرائی کی گنجائش تھی اور حضرت امین نے اس سلسلہ میں اپنے زور بیان اور حسن کلام کا پورا پورا کمال دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ اور صنعت ترصیع کا خوب استعمال کیا ہے ۔ اس خصوص میں ان کی نثر کلمۃ الحقائق کی نثر کے ان حصوں سے مشابہت رکھتی ہے جن میں جانم نے صنعت ترصیع کا استعمال کیا ہے ۔ لیکن اس صنعت کے استعمال میں بھی باپ اور بیٹے میں یہ فرق ہے که جانم کے جملوں میں ایک آدھ لفظ کی کمی بیشی کردی جائے تو دو جملے موزوں ہوکر شعر بن جاتے ہیں ۔ اس کے برخلاف حضرت امین کے جملے صنعت ترصیع کے باوجود نثر کا آہنگ رکھتے ہیں ۔

۵ - کلمۃ الاسرار کی نثر میں ایک داخلی آہنگ پایا جاتا ہے بالکل ایسا ہی جیسا کہ سب رس کی نثر میں ہے ۔ اسی مشابہت کے باعث راقم الحروف کا خیال ہے کہ گولکنڈہ میں سب رس اور بیجاپور میں کلمۃ الاسرار یہ دونوں نثری کارنامے کلمۃ الحقائق کی نثر سے مستفاد اور ترقی یافتہ نثری نمونے ہیں ۔ اگر کلمۃ الحقائق ، کلمۃ الاسرار اور سب رس کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یقیناً بعض دلچسپ نتائج برآمد ہوں گے ۔

٦ - حضرت امین کی نثر کے ترقی یافتہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کی عبارت میں کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ان کا کوئی جملہ فارسی یا عربی کا ترجمہ ہے ۔ حضرت امین کے جملوں کی ترکیب ہی اردو نہیں ہوتی بلکہ ان کا انداز بیان اور ان کا لب و لہجہ اردو زبان کے انفرادی آہنگ کی نشان دہی کرتا ہے ۔

۷ - عجز بیان کی وجہ سے جس طرح کلمۃ الحقائق میں قدم قدم پر عبارت میں گنجلک پیدا ہوگیا ہے ، اس طرح کا کوئی گنجلک حضرت امین کی نثر میں نہیں ملتا ۔ کہیں کہیں دو جملوں کے درمیان کچھ کھانچا سا ضرور محسوس ہوتا ہے لیکن ان مقامات پر غالب گمان یہ ہے کہ نقل در نقل کی وجہ سے الفاظ کم یا زیادہ ہو گئے ہیں اور جملے الجھ گئے ہیں ۔ اس لئے کہ اس الجھاؤ کے باوجود مصنف کا ما فی الضمیر سمجھ میں آجاتا ہے ۔ اس کے برخلاف کلمۃ الحقائق میں جہاں عبارت گنجلک ہوگئی ہے کئی کئی جملوں کو ملاکر پڑھنے پر بھی مفہوم کا ٹھیک طور پر متعین کرنا مشکل ہے ۔ جس طرح کلمۃ الحقائق میں فاعل ، مفعول ، فعل ، متعلقات فعل اور حروف ربط کے استعمال میں نظم کی تقدیم و تاخیر ملتی ہے ایسی تقدیم وتاخیر حضرت امین کی نثر میں بہت کم پائی جاتی ہے ۔

۸ - (ا) جانم کے یہاں جملوں کی وہ تمام قسمیں نہیں ملتیں جو بعد کی نثر یا موجودہ نثر میں پائی جاتی ہیں ۔ اس کے برخلاف حضرت امین کی نثر میں جملوں کی وہ تمام شکلیں مل جاتی ہیں جو جدید نثر میں موجود ہیں ۔

(ب) اس کے علاوہ جانم کے یہاں جملوں کی جس قدر شکلیں بھی ملتی ہیں ان کی صورت یہ ہے کہ کچھ جملے تو اپنی مخصوص نحوی ترکیب کے اعتبار سے درست ہوتے ہیں لیکن بیشتر جملے اس قدر اکھڑے اکھڑے ہوتے ہیں کہ ان کی نحوی ترکیب کی چگونگی کو سمجھنے کے لئے غور کرنا پڑتا ہے ۔

کلمۃ الحقائق اور دکھنی نثر

دکن میں نثر نگاری کی طرف کم توجہ دی گئی ہے ۔ گیارھویں صدی ہجری کے ختم تک جن نثری کارناموں کا پتہ چلا ہے انھیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے ۔ ان چند نثری کارناموں کے پیش نظر راقم الحروف کا خیال ہے کہ کلمۃ الحقائق کے بعد اردو نثر کی روایت کو حضرت امین ہی نے آگے بڑھایا ۔ یہ ممکن ہے کہ کلمۃ الحقائق کے اثر سے اوروں نے بھی نثر لکھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسروں نے حضرت امین سے پہلے نثر نگاری کی طرف توجہ کی ہو لیکن نہ یہ قلمی کاوشیں ہم تک پہنچی ہیں اور نہ کسی ذریعہ سے ان کا ہمیں علم ہوا ہے ۔ اس لئے یہ قیاس حق بجانب ہوگا کہ حضرت امین بیجاپور میں اردو کے دوسرے نثر نگار ہوئے ہیں ۔ انھوں نے اپنے والد کی قائم کی ہوئی نثری روایت کو آگے بڑھانے میں ہر ممکنہ کوشش کی اور اردو نثر کو اس منزل تک پہنچایا جہاں اس کا انفرادی مزاج ، اس کا مخصوص آہنگ اور اس کا اپنا لہجہ بڑی حد تک متعین ہوگیا یہ صحیح ہے کہ اسی زمانہ میں بلکہ کلمۃ الاسرار سے کچھ پہلے گولکنڈے میں وجہی نے سب رس جیسا وقیع نثری کارنامہ مرتب کرلیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امین کی نظر سے سب رس گذر چکی ہو لیکن وجہی ہو کہ حضرت امین دونوں نے جانم ہی کی شمع سے اپنی شمع روشن کی ہے ۔ اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ حضرت امین کی نثر سب رس سے مستفاد ہے ۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ سرمایہ لفظی اور صرفی ونحوی خصوصیات کے اعتبار سے کلمۃ الاسرار سب رس کے مقابلہ میں کلمۃ الحقائق سے زیادہ قریب ہے ۔ اس وجہ سے راقم الحروف کا قیاس ہے کہ غالباً حضرت امین نے سب رس سے کوئی استفادہ نہیں کیا ۔ جہاں تک قدرت بیان ، سرمایہ لفظی کی وسعت ، روز مرہ و محاورہ اور کہاوتوں کی بہتات ، داخلی طرز فکر ، حسن تخئیل جیسے ادبی محاسن کا تعلق ہے رسالہ کلمۃ الاسرار اپنے اختصار کے باوجود سب رس کا ہم عدیل نثری کارنامہ ہے ۔ اردو نثر کے ارتقا اور خصوصاً سب رس پر کام کرنے والا اس وقت تک کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کلمۃ الحقائق کی روشنی میں کلمۃ الاسرار اور سب رس کا لسانی اور ادبی جایزہ نہ لے ۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت امین کے سلسلہ کے ہر اس بزرگ نے جو نوشت و خواند کی صلاحیت رکھتا تھا اپنے خانوادے کی تعلیمات پر نظم و نثر میں

کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن ان میں سے کسی نے اردو نثر کو اس مقام سے آگے نہیں بڑھایا جس مقام پر حضرت امین نے اسے چھوڑا تھا. بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خلفا کو نثر نگاری کی اتنی قدرت بھی میسر نہ تھی جس قدر کہ حضرت امین کو حاصل تھی کم و بیش یہی صورت حال گولکنڈہ میں بھی نظر آتی ہے. سب رس کے بعد حضرت امین ہی کے خلیفہ میرانجی خدا نما نے تمہیدات ہمدانی کا اور خدا نما کے خلیفہ میراں یعقوب نے شمائل الاتقیا جیسی ضخیم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا لیکن یہ دونوں نثری کارنامے ضخیم اور عظیم ہونے کے باوجود اس ادبی حسن سے محروم ہیں جس کی جگمگاہٹ سے سب رس گولکنڈے کی نثر کا انمول ہیرا بن گئی ہے.

دکھنی نثر کے ارتقا کے اس اجمالی جائزے میں رسالہ خلاصۃ الرویا کا ذکر ضروری ہے. اس کے مصنف کے بارے میں اختلاف رائے ہے لیکن اس قدر تو قطعی اور یقینی ہے کہ یہ رسالہ بھی حضرت امین ہی کے سلسلہ کے ایک بزرگ کی تصنیف ہے[1]. یہ بزرگ سید عبدالقادر میراں حسینی، جل ہلی، الاوری ہوں یا سید میراں حسینی منزری الجبلین، دونوں خانوادۂ امینیہ ہی کے فیض یافتہ ہیں رسالہ خلاصۃ الرؤیا اگرچہ رسالہ کلمۃ الاسرار کا ہم پایہ تو نہیں لیکن حضرت امین کے بعد جو نثری سرمایہ پیدا ہوا اس میں اپنی ادبی خصوصیات کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے.

---

۱ ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون (خلاصۃ الرؤیا اور اس کا مصنف) مطبوعہ اردو نامہ، کراچی، شمارہ ۳۶ (اپریل تا جون ۱۹۷۰ع)

*

✩ تنویر احمد علوی

تنقیــــد متن

تنقید متن (Textual Criticism) جیسا کہ اس کے اصطلاحی نام سے ظاہر ہے. اپنی نوعیت اور مقصد کے اعتبار سے اس تنقیــــد سے مختلف ہے جسے ادبی تنقید (Literary Criticism) کہا جاتا ہے . ادبی تنقید میں ادب اور مقصد ادب سے متعلق مختلف زاویہ ہائے نگاہ کے تحت کسی شعری یا ادبی تصنیف کی فکری اور فنی قدر و قیمت کے تعین کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس کے خوب و ناخوب کے بارے میں فیصلہ دیا جاتا ہے. لیکن تنقید متن کی صورت میں کسی غیر تحقیقی نقطۂ نظر کو کوئی دخل نہیں ہوتا. ذاتی یا جماعتی پسند و ناپسند سے اسے کوئی واسطہ نہیں. یہاں تو متن سے متعلق مختلف خارجی و داخلی حقائق سے گفتگو کی جاتی ہے اور اس متن کی تحقیقی اہمیت اور ترتیب متن کے نقطۂ نظر سے اس کی افادیت پر کوئی فیصلہ دیا جاتا ہے .

تنقید متن کے کام کو ہم اساسی طور پر دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں :

معروضی مطالعہ (Objective Study)

موضوعی مطالعہ (Subjective Study)

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ معروضی یا موضوعی مطالعہ بھی اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے ادبی تنقید کی خارجیت یا داخلیت سے بہ وجوہ مختلف ہے .

معروضی مطالعــــہ میں آنے والے امور کو ہم دو عنوانات کے تحت رکھ سکتے ہیں : (۱) متنی معارض (۲) متنی مواقف

متنی معارض میں کسی نسخے کی ہیئت، اس کی تقطیع، مسطر، تعداد اوراق یا صفحات، خالی ورق یا صفحے (اگر ہوں)، کاغذ، قلم، روشنائی، رسم کتابت، تزئین، مہریں، دستخط جیسے امور موضوع گفتگو بنتے ہیں. نو دریافت متون کی

---

* ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ایم اے؛ پی ایچ. ڈی؛ ڈی. لٹ؛ استاد شعبۂ اردو، دلی کالج، دہلی. دکن نصابی کمیٹی، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی: مصنف ذوق، مرتب کلیات ذوق، کلیات شاہ نصیر وغیرہ.

صورت میں ان کی دریافت کی کہانی اور اس سے متعلق ضروری باتیں بھی (جن میں افسانوی انداز فکر، جذباتی لب و لہجہ اور تأثراتی طرز گفتار سے امکانی طور پر بچنے کی ضرورت ہے) اس ضمن میں آسکتی ہیں۔

کمیاب کتب و رسائل کے سلسلے میں ان کے مخازن کا ذکر، اور اگر وہ کسی باقاعدہ لائبریری کی زینت ہیں تو نشان فہرست یا کیٹلاگ نمبر، مطبوعہ نسخوں کی صورت میں مطبع، مقام اور سال اشاعت کا حوالہ بھی متنی معارض پر گفتگو کے ضمن میں آتا ہے۔

متنی مواقف میں نسخہ کے مشتملات اور شعری متون کی صورت میں مختلف اصناف سخن کا ذکر، (اس موقع پر تعداد اشعار بھی اگر دے دی جائے تو بہتر ہے۔) غیر تصنیفی حواشی (اگر موجود ہوں)، اصلاحات، قلمزد سطور یا منسوخ اشعار (بشرطیکہ ایسی کوئی صورت موجود ہو)، نیز زمانۂ تالیف، تاریخ کتابت، تکملہ، خاتمہ، تتمہ، ترقیمہ، تعلیقات، قطعات وغیرہ میں سے جو بھی اس متن میں شامل ہو اس پر مناسب حدود کے ساتھ بحث وغیرہ امور آتے ہیں۔ مؤخرالذکر اصطلاحات میں فرق معانی و مراتب ضروری ہے جس پر ہنوز مناسب توجہ نہیں دی گئی ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک تکملہ وہ ضمیمہ یا اجزاے متن ہیں جو متن کی تکمیل کے بعد اضافے کے طور پر شامل کئے گئے ہوں۔ اس کے مقابلہ میں خاتمہ وہ اختتامی عبارت ہے جو مصنف یا مرتب نے سپرد قلم کی ہو۔ (مطبوعہ کتب و رسائل میں خاتمہ کے عنوان سے مصححین یا ناشرین کی عبارتیں بھی ملتی ہیں جو نسخہ کی اشاعت سے متعلق بعض امور کے بارے میں ہوتی ہیں۔)

ترقیمہ نقل کرنے والے شخص کی عبارت کو کہنا چاہئے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ یہ نسخہ کہاں اور کب نقل کیا گیا اور نقل برداری کا فرض کس نے انجام دیا اور اس کے محرکات کیا تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ترقیمہ میں یہ تمام باتیں موجود ہوں۔

تعلیقات کا اطلاق دوسری نوعیت کی عبارتوں پر ہونا چاہئے جو بعض مطبوعات یا مخطوطات کے آخر میں شامل رہتی ہیں۔

متنی مواقف سے متعلق بعض امور کا تذکرہ متنی معارض کے ذیل میں آجاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اب تک تنقید متن کے مختلف ضوابط کو مدون

نہیں کیا جاسکا. علاوہ بریں یہ نسخہ کی اپنی نوعیت اور اس پر گفتگو کی مناسب حدود کا سوال ہے جس کا انحصار بہت کچھ مرتب کی صواب دید پر ہونا ہے۔

معروضی مطالعہ کے مقابلہ میں موضوعی مطالعہ کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: (۱) متنی معارف (۲) متنی مصادر (۳) متنی محاسن

متنی معارف کے ذیل میں فنّی شواہد اور عصری معلومات کو رکھا جاسکتا ہے۔ فنی شواہد سے واضح طور پر یہ مراد ہے کہ کیا اس زیر بحث متن کی دوسرے متن سے متعلق کوئی شہادت یا شواہد موجود ہیں۔ عصری معلومات میں تاریخی حقائق، سوانحی حصے، تمدنی ماحول اور اس عہد کے تنقیدی میلان کو رکھا جاسکتا ہے۔

متنی مصادر میں ان کتب و رسائل اور وسیلہ ہائے معلومات کا ذکر کیا جاسکتا ہے جن کے حق میں کسی متن میں داخلی یا خارجی شواہد ملتے ہیں۔ تخلیقی فنون میں مصادر کی نوعیت دوسری ہے اور یہ جاننے کی کوشش تحقیقی حدود میں کی جاتی ہے کہ مصنف کے اکتسابی حد تک سرچشمہ ہائے فکر و فن کیا ہیں

متنی محاسن میں اسلوب نگارش پر خالص علمی نقطۂ نظر سے گفتگو کی جاتی ہے جس کا تحسین یاتعریض سے کوئی تعلق نہیں۔ صرف متنی حقائق کے ذیل میں اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ قدیم متون کے سلسلے میں لسانی نقطۂ نظر سے متن کے محاسن پر بحث زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں جہاں تک لفظیات کا تعلق ہے لغوی حقائق اور لسانی حقائق میں فرق کرنا ضروری ہے۔

متن کے معروضی مطالعہ کے حصہ اول و دوم (متنی معارض و متنی مواقف) سے متعلق ہماری زبان کی تحقیقی ادبیات میں مختلف و متنوع مثالیں سامنے آتی ہیں جن میں سے بعض کو یہاں پیش کردینا نامناسب نہ ہوگا۔

کلیات میر حسن کا تعارف یا مختصر معروضی مطالعہ مولوی حبیب الرحمان خاں شیروانی (مرحوم) نے تذکرۂ شعرائے اردو مؤلفہ میر حسن کے مقدمہ میں ان الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے:

«... لکھنؤ سے کلیات میر حسن کا نسخہ ہاتھ آیا جو سنہ ۱۲۵٦ھ کا لکھا ہوا ہے . مطلا اور مذہّب ہے اور اس اہتمام سے لکھا گیا ہے جس اہتمام سے فارسی شعرا کے دواوین لکھے جاتے تھے . تعجب بالائے تعجب یہ کہ قدرت اللہ خاں قاسم کا قول بھی اس پر صادق آتا ہے. انواع سخن سے لبریز ہے. چارسو صفحہ کا حجم ہے. تقریباً سات ہزار شعر ہیں. غزل کے اشعار تقریباً چار ہزار ہیں . چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں ہیں. سات قصیدے ہیں . مخمس ، مسدس، مثلث، رباعی بھی ہیں . وہ ترکیب بند بھی واسوخت کے نام سے موجود ہیں جن کا ذکر تذکرے میں میر حسن نے کیا ہے . مرثیے نہیں ہیں ، حالانکہ میر حسن نے مرثیوں کا لکھنا تذکرے میں لکھا ہے .»[1]

اس کی ایک اور مثال مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے قلم سے کلیات میر کے ایک نادر نسخہ کے تعارف میں ملتی ہے .

« رضا لائبریری ، رام پور ، میں میر تقی میر کے کلیات کا ایک بہت اچھا نسخہ محفوظ ہے . اس میں نکات الشعرا کے علاوہ ان کی نظم و نثر کا سارا کام، دیوان اردو ۱ تا ٦ ، دیوان فارسی ، فیض میر اور ذکر میں شامل ہیں .

« اس کی کتابت نہایت اہتمام سے کی گئی ہے ، چنانچہ ذکر میر کو چھوڑ کر اور سب کتابوں کے شروع میں طلائی لوح اور پوری کتاب میں رنگین جدول کھینچی گئی ہے . پوری کتاب کے اوراق کی تعداد ۸۲۳ ہے اور فل اسکیپ ناپ کا ۱۷ سطری مسطر کام میں لایا گیا ہے .

« دیوان اول کے خاتمہ پر ورق ۲۴۷ ب میں کاتب نے لکھا ہے : ‹ دیوان اول من تصنیف میر محمد تقی صاحب بتاریخ بست و نہم شہر رمضان سنہ یکہزار و دو صد و چہل و پنج ہجری بخط بدربط حقیر فقیر پر تقصیر بندہ شیخ لطف علی حیدری ، قلندری حسب فرمایش مرزا صاحب کرم گسترمرزا قنبرعلی صاحب دام اشفاقہ ، اختتام پذیرفت .›

۱ تذکرۂ شعرائے اردو، مقدمہ ، ص ۹

«کلیات کے آخر (ورق ۸۲۳ب) میں لکھا ہے: «الحمد للہ کہ بفضل ایزد مستعان و عنایات ائمہ علیہ الصلواۃ والسلام کہ کلیات میر محمد تقی صاحب غفراللہ ذنوبہ، بتاریخ سلخ شہر رمضان المبارک سنہ یکہزار و دو صد و چہل و شش ہجری بروز دوشنبہ یک پاس روز باقی ماندہ از خط بدربط احقرالعباد شیخ لطف علی حیدری بپاس خاطر فرمایش مرزا قنبر علی صاحب زاد اشفاقہ صورت اختتام پذیرفت»

«ان دونوں تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ لطف علی حیدری (غالباً بمعنی شیعی) نے مرزا قنبر علی صاحب کے لئے ایک برس اور دو یا تین دن میں اسے لکھا اور ۲۹ رمضان سنہ ۱۲۴۶ھ اس کی تاریخ اختتام تھی....

«کسی صاحب ذوق نے اس نسخہ کے ابتدائی تین دیوان، دیوان سوم کی ردیف م تک بغور پڑھے ہیں۔ چنانچہ جگہ جگہ بین السطور اور حاشیوں میں الفاظ اور محاورات کے معنی، مصرعوں اور شعروں کی تشریح اور متبادل الفاظ درج کئے ہیں جن میں سے اکثر اختلاف نسخ کی حیثیت رکھتے ہیں....»[1]

اس تعارف کا پہلا حصہ متنی معارض سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ متنی مواقف سے جن کو دو الگ الگ عنوانوں کے تحت رکھ کر زیادہ سہولت سے سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کی تفصیلات اور جزئی امور سے متعلق بحث کا انحصار نسخہ کی اپنی نوعیت پر ہوتا ہے۔

بیاض آزاد:

«کلام ذوق پر مشتمل یہ نادر بیاض آغا محمد باقر، نبیرۂ آزاد (لاہور) کی ملکیت ہے۔ اس کو ہلکے مٹیالے رنگ کے کاغذ پر تیار کیا گیا ہے۔ اس دور کی بیاض سازی کی عام روش کے برعکس اس کی شکل کچھ رجسٹر جیسی ہے۔ یہ کل ۹۸ اوراق پر مشتمل ہے، اس کی تقطیع ۹×۱۲ ہے۔ دونوں جانب کے پشتے خستہ

---

۱ کلیات میر کا ایک نادر نسخہ، دہلی کالج اردو میگزین، میر نمبر، ۱۹۶۲ء، ص ۶۸ تا ۳۶۷

ہوچکے ہیں۔ لیکن بیاض کا کاغذ ہنوز اچھی حالت میں ہے اور اس کے آثار کہنگی نے شکستگی کی شکل اختیار نہیں کی ، اگرچہ سواد خط روشن نہیں ہے اور خط بھی شروع سے آخر تک ایک نہیں ، نیز غزلوں کی تسطر و تحریر میں بھی کوئی خاص سلیقہ یا طریقہ نہیں برتا گیا. بعض غزلوں کے مسودے پہلی بار اس بیاض کے اوراق پر ہی تیار کئے گئے ہیں۔ یہ ذوق کی اپنی تحریریں معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں جگہ جگہ اصلاحیں بھی ذوق کے اپنے قلم سے ہیں۔ جہاں غزلیں نقل کی گئی ہیں وہاں بھی سواد خط کچھ زیادہ روشن نہیں ہے۔ کچھ غزلیں ایسی بھی ہیں جو ہلکے سرمئی یا زعفرانی رنگ کی روشنائی سے لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف وقفوں میں ذوق کا جو کلام ان کی زندگی میں یا اس کے بعد دستیاب ہوتا رہا وہ اس بیاض میں نقل کیا جاتا رہا. بعض جگہوں پر خالی صفحات بھی چھوڑے گئے ہیں ، شاید اس امید پر کہ اور غزلیں بھی ہوجائیں یا مل جائیں۔ اس کی بعض غزلیں ذوق کے مشہور شاگرد مولوی دلدار علی مذاق کی نقل کردہ ہیں۔ ان کے ساتھ میاں ذوق سلمہ لکھا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ان غزلوں کی نقل کے وقت ذوق حیات تھے۔ اس سے ان غزلوں کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ "[1]

نو دریافت متون کے سلسلہ میں احوال دریافت کی بھی اہمیت ہے۔ اس کی بعض دلچسپ مثالیں گل رعنا مرتبہ مالک رام ، مطبوعہ علمی مجلس ، دہلی ، اور کربل کتھا ترتیب دادۂ مالک رام اور ڈاکٹر مختارالدین آرزو کے دیباچوں میں مل سکتی ہیں۔ اس کی بعض اور مثالیں بھی سامنے آئی ہیں۔ اس ضمن میں زیادہ اہم بات اس رشتے کا پتہ چلانا ہوتا ہے جو اس نسخہ اور اس کے مالک یا مخزن کے مابین ہوتا ہے جس سے اس کے سفر حیات کا کچھ حال معلوم ہوجاتا ہے اور ان رشتوں کا علم اس کی تحقیقی اہمیت کو بڑھا دیتا ہے. مثلاً مالک رام صاحب نے اپنے دریافت کردہ نسخۂ گل رعنا کے سلسلہ میں صاحب نسخہ سید علی بلگرامی

۱ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کلیات ذوق مرتبہ راقم الحروف ، مطبوعہ مجلس ترقی ادب ، لاہور ، ۱۹۶۷ع

کے خاندان کا بھی ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں لکھا ہے :

«(سید علی نقی بلگرامی کے جد بزرگوار) نواب عمادالملک (سید حسین بلگرامی) کے دادا مولوی سید کرم حسین تھے . ان کا خاندان بلگرامی سادات کا ہے. .. مولوی کرم حسین کو عربی اور فارسی میں عالمانہ دستگاہ حاصل تھی. جس زمانے میں غالب کلکتے گئے ہیں یہ وہاں شاہ اودھ کی طرف سے گورنر جنرل کے دربار میں سفیر تھے....

« سید کرم حسین کا اپنے علم و فضل اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے کلکتے کے عمائد میں شمار ہوتا تھا . عین ممکن ہے کہ غالب کی ان سے ملاقات مولوی سراج الدین احمد کے ذریعے ہوئی ہو ....

« رفتہ رفتہ مولوی کرم حسن کے غالب سے تعلقات بہت دوستانہ ہوگئے تھے .

« مجھے یقین ہے کہ جب غالب نے گل رعنا مرتب کی ہے تو مولوی کرم حسین نے انھی ایام میں اس کی نقل حاصل کرلی ہوگی »[1]

مالک رام صاحب ہی کے قلم سے اس کے متن کا تعارف ملاحظہ فرمائیے :

« گل رعنا کا یہ نسخہ مکمل ہے . کاغذ کا سائز ۱/۲ ۲۴x۱۴ سم ہے اور حوض ۱/۲ ۱۹ x ۱/۴ ۹ سم. کاغذ باریک ولایتی ہلکے بادامی رنگ کا ہے . کہیں کہیں کرم خوردگی کے آثار ملتے ہیں . لیکن اس سے نہ کتاب کو کوئی نقصان پہنچا ہے نہ متن ہی کا کوئی حصہ ضائع ہوا ہے . پوری کتاب کی نظم و نثر ایک ہاتھ میں سیاہ روشنائی سے نستعلیق خط میں لکھی گئی ہے . کاتب کو اگرچہ بہت خوش خط تو نہیں کہا جا سکتا لیکن بدخط بھی نہیں ہے . غلطی بھی کم کرتا ہے . . . . ہر جگہ تخلص ، عنوان ، وله وغیرہ الفاظ شنجرفی روشنائی سے لکھے ہیں . ہر ایک حصے پر دو جدولیں ہیں . باہری جدول صفحے کے کنارے سے کچھ ہی اندر کی طرف اکہرے نیلے خط کی ہے . اس سے تین سم اندر حوض کے عین اردگرد جدول تین خطوں

---

۱ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو گل رعنا مرتبہ مالک رام ، مقدمہ ، ص ۱۵ تا ۱۸

پر مشتمل ہے ۔ باہر نیلا خط ہے اور اندر کی طرف شنجرفی رنگ کے دو خط ۔ غزلوں کے درمیان کے خطوط بھی شنجرفی ہیں .... « ہر ایک صفحے پر تیرہ سطریں ہیں ۔ صفحہ ایک خالی ہے .... پوری کتاب ۹۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔

« ص ۱ سے فارسی دیباچہ شروع ہوتا ہے ۔ اس کے عنوان میں صرف یہ لفظ لکھے ہیں : لا مؤثر فی الموجود الا اللہ

« ص ۸ سے اردو حصۂ انتخاب شروع ہوتا ہے اور یہ ص ۲۷ تک چلا گیا ہے ۔ آخری پانچ شعر اسی صفحے پر چھ سطروں میں درج ہیں اور اسی کے بعد فارسی نثر اور فارسی انتخاب شروع ہوجاتا ہے ....

« اردو انتخاب ۱۱٦ غزلوں سے لیا گیا ہے اور اس میں کل ۴۵۵ شعر ملتے ہیں ۔»[1]

اتنے ہی شعر فارسی کے بھی مالک رام صاحب نے ردیف وار درج کئے ہیں جو نسبتاً زیادہ صحیح صورت ہے ۔

متن کے معروضی مطالعہ کے سلسلہ میں پیش آنے والے بعض اہم امور کی جانب اوپر کی سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے ۔ اس ضمن میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان سے کسی متن کے معروضی مطالعہ کی قیاسی حدبندی مقصود نہیں بلکہ بعض اہم پہلوؤں پر توجہ دلانا پیش نظر ہے ۔ سچ یہ ہے کہ ایسے امور کا احاطہ متن کی اپنی نوعیت اور مرتب متن کی تفہیمی صلاحیت اور دید و دریافت پر منحصر ہے ۔ بہرحال ، متن کے مطالعہ کی اہمیت و افادیت کا جتنا تعلق متن کے خارجی حقائق کے مطالعہ سے ہے اس سے زیادہ اس کا تعلق متن کے داخلی کوائف کے مطالعہ اور حقائق کی جستجو سے ہے جسے سطور بالا میں متن کے موضوعی مطالعہ کا نام دیا گیا ہے ۔

موضوعی مطالعہ کے اعتبار سے ہم متنی حقائق کو تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں :

الف : متنی مواقف
ب : متنی معارف
ج : متنی محاسن

---

۱ گل رعنا ، مقدمہ ، ص ۱۹ تا ۲۲

متنی مواقف کے ذیل میں تاریخی کوائف ، سوانحی حقائق جس میں سیرت نگاری کو بھی شامل سمجھنا چاہئے ، عصری معلومات ، تہذیبی ماحول اور ادبی و تنقیدی رجحانات کو رکھا جاسکتا ہے

متنی معـــارف میں متنی مصادر ، متنی شواہد اور اس سے متعلق امور زیر بحث آتے ہیں جن پر معلومہ حقائق کی روشنی میں گفتگو کی جاسکتی ہے ۔

متنی محاسن میں متن کی ادبی اور لسانی خوبیاں آتی ہیں۔ ادبی خوبیوں سے مراد طرز نگارش سے متعلق ایسے حقائق ہیں جو متن کے بارے میں معلومات کا ضروری حصہ ہوں ۔ اس ضمن میں حسب ضرورت تراکیب تراشی ، الفاظ و فقرات کی استخواں بندی اور جملوں کی ساخت کی جانب تنقیدی اشارے کئے جاسکتے ہیں ۔ لسانی طالعہ میں متن کی اپنی نوعیت کے پیش نظر اس کی زبان اور لفظیات و حروف وغیرہ کا وہ تنقیدی جائزہ شامل ہے جس کی اساس لسانیاتی حقیقتوں پر ہو۔

ادبی کتب و رسائل کا اگرچہ براہ راست موضوع تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن بالواسطہ طور پر ان میں ایسے حقائق مل جاتے ہیں جو بعض تاریخی کوائف اور وقوعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تذکروں ، قدیم دواوین اور بعض دوسرے رسائل اور خطوط کے مجموعوں میں ایسے واقعات و حالات کہیں اختصار اور کہیں بعض تفصیلات کے ساتھ سامنے آتے ہیں ۔ ان واقعات کو بغیر چھان بین یا تحقیق کے تاریخ میں شامل نہیں کیا جاسکتا ۔ لیکن ان سے جہاں ایک تاریخ نگار بعض وقت اہم جزئیات اور نتائج اخذ کرسکتا ہے وہاں ان کی روشنی میں بعض تخلیقات کی شان نزول کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے ، اور اس سے زیادہ یہ کہ ان سے اس عہـــد کو سمجھنے اور متن کی اپنی تاریخی حیثیت کو متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ہم اس واقعہ کو پیش کرسکتے ہیں جسے میر نے بینوا کے ترجمہ میں درج کیا ہے :

« دروقت محمد شاہ بادشاہ سنکرن (کذا) نام جوہری جوتے فروشی را کشت ۔ بحمایت او بلوا شد چنانچہ جوتےفروشان در جامع مسجد مانع خطبہ گشتند ۔ ظفرخان روشن الدولہ کہ بطرہ باز شہرت دارد جوہری مذکور را پناہ داد ۔ آخر ہنگامہ برپا شد و جنگ عظیم درمیان امرایان

(کذا) عظام افتاد. بسیار از طرفین بقتل رسیدند. ظفر علی خان تاب نیاورد و گریخت. ازیں سانحه این قسم خفت کشید که از آن باز از خانه بدر نیامد این قصه را شاعر مسطور در مخمس بست که ہنوز بر السنه مذکور است.»[1]

اس سے نہ صرف یہ کہ مخمس کی شان نزول کا پتہ چلتا ہے بلکہ عہد محمد شاہ میں امرائے سلطنت کے باہمی اختلافات اور اختلال احوال پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔

موسوی خاں فطرت و معز کے ترجمے میں قائم نے لکھا ہے:

«روزی حضرت بادشاه در اقتضای مهمی متردد بودند. صورت واقعه برسبیل مشورت بر در نوع بخان مذکور تقریر فرمودند. بعد تأمل بعرض اقدس رسانید که باعتقاد غلام حرف ثانی معقول است. به استماع این کلمه رای حضرت بر نامعقول بودن سخن اولے انتقال نموده روی توجه ازین بی‌گناه گردانیده بطرف دیگر مشغول شدند. چون این عزیز به مغز سخن وا رسید خجالت بسیاری کشید. بعد برخاست دیوان که به خانۂ خود آمد بیماری بهم رسانید. اطبا بموجب امر حضور به معالجت وی حاضر شدند. پس از تشخیص معلوم شد که زہره اش آب شده است. فی الجمله آن روز را شام نکرده که رو به مقر اصلی آورد.»[2]

یہ واقعہ صرف موسوی خاں کے سانحۂ وفات ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ عہد اورنگ زیب کے درباری آداب اور سطوت شاہی کی نمایندگی بھی کرتا ہے۔ (ترتیب متن کے سلسلے میں ایسے متنی مواقف کا مناسب حدود کے ساتھ تذکرہ یا ان کی طرف ضروری اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسے بعض بیانات اور تراجم سوانحی نقطۂ نظر سے بڑے اہم ہوتے ہیں اور خود صاحب متن کے سلسلے میں تو ان کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔) قائم نے اپنے ترجمے کے ضمن میں لکھا ہے:

---

۱ نکات الشعرا، ص ۲۹

۲ مخزن نکات، ص ۲۹

«ہرچند از باشندگان قصبۂ چاندپور است اما از بدو شعور تا باین حال به توسل نوکریء بادشاہی به دارالخلافه شاہجہان آباد گذراند و لیل و نہار به مقتضای مناسبت به صحبت سخن سنجان عالی مقدار بسربرده. در این ایام که رشتۂ سلک انتظام مردم بادشاہی به صدمۂ انقلاب سلطنت ازہم گسیخت و ہریکی چون لآلی آب دار بر خاک مذلت افتاده رو بہرسو نہاده ، چار و ناچار بلکه بی‌اختیار ارادۂ سفر بر رای اقامت غالب آمد.»[1]

اختصار کے باوجود اس میں مؤلف کے سوانح اور اس عہد سے متعلق اہم اشارے موجود ہیں.

میر حسن نے اپنے ترجمے میں لکھا ہے:

«اصل این فقیر ابن غلام حسین ولد میر عزیزالله بن میر امامی ہرویست. میر امامی نورالله مرقده ہفت قلم و فاضل متبحر بودند. به سبب فضلیت در شاہجہان آباد آمده بین‌الاقران ممتاز گردیدند. گاه گاه شعر ہم می فرمودند. پس این عاجز سخن را سررشتۂ شاعری اجدادی است نه امروزی. حاصل که از صغر سن میلان طبیعت این فقیر به طرف سخن بیشتر بود.... اصلاح سخن از میر ضیا گرفته ام لیکن طرز اوشان از من کماحقه سرانجام نیافت. بر قدم دیگر بزرگان مثل خواجه میر درد و میرزا رفیع سودا و میرتقی پیروی نمودم. شروع جوانی از گردش روزگار بدینجا که ہرگز به کسی وفا نکرده است به طرف لکھنؤ و فیض آباد رسیدم یاری کم و بیش از قدردانیء نواب فلک جناب سالار جنگ بہادر به لب نان رسیده.... تا حال بہر نوع زندگانی می نمایم.»[2]

کسی متن پر تنقید کے سلسلے میں مصنف کی اپنی ذات کے علاوہ جو سوانحی مواد ملتا ہے اس پر تفصیل سے گفتگو کرنا بسا اوقات ممکن نہیں ہوسکتا لیکن بعض اہم تراجم کے ضمن میں تقابلی مطالعہ کے بعد جو نئی نئی باتیں سامنے آئیں ان کی جانب اشارہ کردینا ضروری ہے.

---

۱ مخزن نکات ، ص ۲۰

۲ تذکرۂ شعرائے اردو ، ص ۵۴

سوانحی مواد کے علاوہ اس امر پر بھی اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جاسکتی ہے کہ صاحب متن نے مختلف تراجم کے ذیل میں سیرت نگاری کے کیسے نمونے پیش کئے ہیں اور معاندانہ سیرت نگاری کی بھی کوئی صورت اس کے یہاں ملتی ہے یا نہیں۔ مثلاً ، میر نے اکثر شعرا کے تراجم میں ان کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کو فراموش نہیں کیا اور مختصر الفاظ میں ان کی انسانی شخصیت کے خط و خال کو پیش کردیا ہے۔ میر محتشم علی خاں کے بارے میں لکھا ہے :

«شاعر خوب فارسی و ریختہ ، فہمیدہ ، سنجیدہ ، با ہمہ بعجز و انکسار پیش می‌آمد. جنسی بود کہ در دل ہمہ کس جای او خالیست . »[1]

لیکن بعض ہم چشموں کی سیرت نگاری میں میر نے طنز و تعریض کے نشتروں سے بھی کام لیا ہے ، چنانچہ شیخ محمد حاتم کے لئے لکھا ہے :

«مردیست جاہل و متمکن و مقطع وضع ، دیر آشنا . »[2]

عصری معلومات کا دائرہ اپنے آثار و احوال کے لحاظ سے بے حد رنگا رنگ ہو سکتا ہے . اس رنگا رنگی کی طرف بحیثیت مجموعی ضروری اشارات بھی کئے جاسکتے ہیں اور بعض کوائف کو من و عن بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ ایسے کوائف کی متعدد و متنوع مثالیں ہمارے تذکروں میں مل جاتی ہیں . قائم نے ولی کے ترجمے میں لکھا ہے :

« در سنہ چہل و چہار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ میر ابوالمعانی نام سید پسری کہ دلش فریفتۂ او بود ، بہ جہان آباد آمد . گاہ گاہ بزبان فارسی در وصف خط و خالش می گفت . »[3]

میر نے ولی کی شاہ سعد اللہ سے ملاقات کے ضمن میں جس کا ذکر خود قائم کے یہاں بھی موجود ہے ، ایک اہم بات یہ لکھی ہے :

« میاں صاحب فرمود این ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ اند در ریختۂ خود بکار ببر . از تو کہ محاسبہ خواہد کرد ؟ »[4]

۱　نکات الشعراء ، ص ۶۳
۲　نکات الشعراء ، ص ۷۵
۳　مخزن نکات ، ص ۲۲
۴　نکات الشعراء ، ص ۹۰

میر حسن نے فضائل علی بے قید کے ترجمے میں ان کے افسانۂ عشق کو بھی بیان کردیا ہے :

با یکی از بتان ہند تعشق پیدا کردہ بود. از گردش روزگار ہمراہ نواب عمدة الملک بہ الہ آباد رفت. از فراق محبوب چون ماہیٔ بی‌آب و آہوان بی صحرا می تپـید و وحشت می نمود. روزی از برای دل بریٔ او نواب موصوف جمعی از اہل نشاط جمع نمود. و بہ آن طوائف اشارہ کرد کہ این را از ناز دلربایانہ بہ دام آرید. شاید کہ دل این عزیز وا شود و اندوہ و غم فراموش کند. غرض از آن جمع یک نازنین آمدہ ایشان را بہزار فریب و عشوہ رام کرد.... لیکن تماشا در آن جا ہست کہ چون ایشان کام دل حاصل نمودہ بہ سر زانوی آن پری رو سر گذاشتند و بہ خواب رفتند در خواب محبوبۂ اولین خود را دیدند.»[۱]

میر حسن نے تاباں کے ذکر میں لکھا ہے :

«تمام عالم فریفتۂ حسن او بود... بلکہ گرمیٔ بازار ریختہ از آن شعلہ رو دوبالا شد. اکثر اشخاص این فن را وسیلہ ساختہ دخیل محبت او می شدند.»[۲]

عصری معلومات کے ضمن میں ایسے حقائق کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے. مثلاً میر نے سید عبدالولی عزلت کے ترجمے میں لکھا ہے :

«تازہ وارد ہندوستان کہ عبارت از شاہجہاں‌آباد است، شدہ اند.»[۳]

عزیزاللہ کے ترجمے کے ضمن میں یہ اطلاع سامنے آتی ہے :

«غزلی گفتہ است کہ تمام اولیا را درو ذکر کردہ است.»[۴]

محمد یار خاکسار کے ترجمے میں اپنے تذکرے کے جواب میں اس کے تذکرے کا ذکر کیا ہے جو جواباً لکھا گیا ہے :

---

۱ تذکرۂ شعرائے اردو، ص ۱۱۸
۲ تذکرۂ شعرائے اردو، ص ۳۵
۳ نکات الشعرا، ص ۹۲
۴ نکات الشعرا، ص ۱۰۳

« علی الرغم این تذکرہ تذکرۂ نوشتہ است بنام معشوق چہل سالۂ
خود و احوال خود را اول از ہمہ نگاشتہ . »[1]

میاں کمترین کے ذکر میں مجلس مراختہ کا تذکرہ آیا ہے :

« گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ این لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند... »[2]

میاں عبدالرسول نثار کے ترجمے میں لکھا ہے :

در عصر فرخ سیر بادشاہ کہ ہنگامۂ نیکو سیر در اکبرآباد گرم شدہ
بود بزرگان دین باقتدار بسر می بردند ، »[3]

اس طرح کے آثار و احوال اپنے اندر مطالعہ کے لئے ایک سے زیادہ دلچسپ پہلو رکھتے ہیں . تہذیبی ماحول کا تعلق معاشرہ اور معاشرت کے کسی ایک پہلو سے نہں ہوتا. اس کا دائرہ تو قوس قزح کے دائرے کی طرح ہفت رنگ ہوتا ہے . اس کے حلقۂ شام و سحر میں ذہنی رویے ، بےتکلف محفلیں ، شعر و شعور اور علم و ادب سبھی کچھ آجاتے ہیں . شعرا کے دواوین ، نثری قصوں اور خود تذکروں میں تہذیبی کوائف ستاروں کی طرح بکھرے نظر آتے ہیں .

کسی تصنیف میں تہذیبی ماحول کا جو عکس ملتا ہے اس کے لئے بعض باتوں کا ذکر بطور خاص بھی کیا جاسکتا ہے اور اسی ماحول پر مجموعی تبصرہ بھی ممکن ہے. غالب نے اپنے ایک خط میں دہلی کی تہذیبی زندگی کی مختصر کہانی ان الفاظ میں پیش کی ہے :

« دہلی کی زندگی منحصر کئی ہنگاموں پر تھی ، قلعہ ، چاندنی چوک ،
ہر روز بازار جامع مسجد کا ، ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی ، ہرسال
میلہ پھول والوں کا . »[4]

میر نے نجم الدین علی‌خاں سلام کے ذکر میں لکھا ہے :

« اکثر اوقات اتفاق باہم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح نمودن
می افتد . »[5]

---

۱ نکات الشعرا ص ۱۰۳
۲ نکات الشعرا ، ص ۱۴۷
۳ نکات الشعرا ، ص ۱۳۵
۴ اردوے معلی ، ص ۴۰
۵ نکات الشعرا . ص ۱۴۲

فغاں کے ترجمے میں اس طرح کی باتیں آتی ہیں :

«طبع او حامل لطیفۂ بسیار است چنانچہ ناگرمل را کہ دیوان تن و دخیل بادشاہست ‹ گھی کی منڈی کا سانڈ › گفتہ و حکیم معصوم را در دربار معلیٰ ‹گاؤ گجراتی› نام کردہ .»[1]

اس سے عہد محمد شاہی اور اس کے کچھ بعد تک دہلی کے لوگوں کی خوش مزاجی اور خوش باشی کا پتہ چلتا ہے.

کسی تصنیف میں اس عہد کی معاشرت اور تہذیبی ماحول کی چند جھلکیاں یا تصویریں ملتی ہیں . ان کی طرف جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا جاچکا ہے، حسب ضرورت بلا واسطہ طور پر ہی اشارہ کیا جاسکتا ہے اور ان پر بحیثیت مجموعی بھی گفتگو ہوسکتی ہے. چنانچہ میر حسن کے تذکرہ میں جو تہذیبی فضا ملتی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی نے لکھا ہے :

« طبقۂ شعرا میں کثیر حصہ ایسے کاروباری آدمیوں کا تھا جن کا معیار اخلاق بلند تھا اور جو شعرگوئی کو زندہ دلی کا سامان اور ادب کی خدمت تصور کرتے تھے . اسی کے ساتھ اور کمالات انسانی میں بھی قدرت و کمال پیدا کرتے تھے .»[2]

فاضل مرتب نے اس ضمن میں مختلف شعرا کے تراجم سے ان اشارات و فقرات کو نقل کیا ہے جن سے صاحب ترجمہ کے افکار و کردار پر فی الجملہ روشنی پڑتی ہے .

تذکرہ نگار ایک دوسرے کی روش سے فائدہ اٹھاتے اور تذکرہ نگاری کی عمومی روایات کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں . پھر بھی ایک کے بعد دوسرے تذکرے میں کچھ باتیں ایسی مل جاتی ہیں جن سے بدلتے ہوئے تہذیبی و تاریخی حالات کا اندازہ ہو جاتا ہے . بعض مرتبین تذکرہ نے ان حالات کی طرف توجہ دی ہے اور اپنے مقدموں میں ان کی طرف اشارے کئے ہیں . مثلاً پروفیسر شیرانی نے لکھا ہے :

---

۱ نکات الشعراء، ص ۴۷

۲ تذکرہ میرحسن، ص ۱۴

« تذکرہ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اگرچہ مشغلۂ شعر کے خلاف تھا اور سیاست کے مطلع پر فتنہ و آشوب کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں. احمد شاہ ابدالی کی آمد اور بعد کے سیاسی واقعات نے مغلیہ سلطنت کے شیرازہ کو درہم برہم کردیا ہے. دہلی ویران ہو رہی ہے اور اس کے فرزند تلاش معاش میں در بدر اور خاک بسر پریشاں حال پھرتے ہیں. لیکن راجا سے پرجا تک جس کو دیکھو شوق شعر میں ڈوبا ہوا ہے. ذکور و اناث اور عامی و عالم [غرض کوئی ہو] اس چیٹک سے خالی نہیں. مسلمان اور ہندو بلکہ فرنگی زادوں تک میں یہ ذوق سرایت کرگیا ہے.»[1]

اس سلسلے میں پروفیسر شیرانی نے بعض شعرا کے پیشوں کا بھی ذکر کیا ہے جس سے مختلف طبقات انام میں ادبی و شعری ذوق کی سرایت کا پتہ چلتا ہے. ان طبقوں کو سامنے رکھ کر اس دور کے ادبی و شعری میلان کو بھی سمجھا جا سکتا ہے.

کسی عہد کے ادبی مزاج اور تنقیدی معیار کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھنا مشکل ہوتا ہے اس لئے تنقید متن میں اس مطالعہ کی بنیادی اہمیت ہے اور اس سے صرف نظر ممکن نہیں. اس سے متنی حقائق کی تفہیم میں بھی مدد ملتی ہے اور کسی تصنیف کی علمی یا ادبی حیثیت کے تعیّن میں بھی اس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے.

اہل تذکرہ نے جگہ جگہ اپنے تنقیدی نقطۂ نظر اور صاحب ترجمہ کے بارے میں اپنے ناقدانہ خیالات کا اظہار کیا ہے. مثلاً میر نے میر سجاد کی شعرگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

« تہہ داری شعر او نمایان است هرکہ واقف موشگافی طبع اوست می داند کہ شعر سوختۂ پیچدارش آتش دیدہ می ماند.»[2]

عارف علی خاں عاجز کے بارے میں رقم طراز ہیں:

« زبانش بزبان اوباشان است. اکثر ریختہ در بحر کبت می گوید.»[3]

---

۱ مجموعۂ نغز، دیباچہ، ص ۷

۲ نکات الشعرا، ص ۶۱

۳ نکات الشعرا، ص ۸۰

میر خود شاعری کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور اپنے اشعار کو کس رنگ میں پیش کرنا چاہتے ہیں اس کا اندازہ «انداز» سے ہوسکتا ہے جس کی طرف انھوں نے ریختہ کی قسمیں گناتے ہوئے اشارہ کیا ہے:

«ششم انداز است که ما اختیار کرده ایم و آن محیط ہم صنعتہا است. تجنیس، ترصیع، تشبیہ، صفای گفتگو، فصاحت، بلاغت، ادا بندی، خیال وغیرہ این ہمہ در ضمن ہمین است و فقیر ہم ازین وتیره محظوظم.»[1]

قائم اپنے تذکرہ میں جب طبقۂ دوم کے شعرا کے تراجم داخل کرتے ہیں تو تعارفی عبارت میں ایہام گوئی کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«این ستم که بعضی از شعرای ابتدای زمانۂ محمد شاه باعتقاد خود تلاش لفظ تازه و ایہام نموده شعرا از مرتبۂ بلاغت انداختہ تا به معنی چه رسد. غرض ناگفتہ بہ.»[2]

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے مرتب کردہ تذکرۂ عمدۂ منتخبہ کے مقدمے میں صاحب تذکرہ کے تنقیدی نقطۂ نظر پر روشنی ڈالتے ہوتے لکھا ہے:

«سرور کے مذاق شعر میں ان کے ذاتی رجحانات کے علاوہ اس دور کے اثرات کا پرتو دکھائی دیتا ہے. انھوں نے صحت محاورہ پر زور دیا ہے. غزلہاے طولانی کی مذمت کی ہے اور لکھا ہے کہ ایہام گوئی کا دور ختم ہوچکا، اور مشاعروں کی اہمیت کو واضح کیا ہے جہاں نقادان فن جمع ہوتے تھے اور شعر کے حسن و قبح پر بحث کرتے تھے.»[3]

متنی مواقف کے ضمن میں جن امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ کسی ادبی یا علمی متن کے تنقیدی مطالعہ میں بطور خاص اہمیت رکھتے ہیں. لیکن ضروری نہیں کہ ہر متن میں یہ تمام باتیں مل جائیں. تذکروں میں ان مباحث کو آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے. شعری متون اور خطوط کے مجموعوں میں بھی ان

---

۱ نکات الشعرا، ص ۱۰۸

۲ مخزن نکات، ص ۳۳

۳ عمدۂ منتخبہ، ص (۲۰)

کی تلاش ممکن ہے ۔ بعض تصانیف کے دیباچوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر یہ امور روشنی میں آتے ہیں ۔) مثلاً ، « دیوان زادہ » کے دیباچے میں حاتم نے اپنے زمانے کے مذاق شعری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

« سرخیء غزلیات معه سنه بسه قسم بقید آورد : یکی طرحی ، دوم فرمایشی ، سوم جوابی تا تفریق آن معلوم گردد ۔ »[1]

اسی کے ساتھ انھوں نے غزل کے شروع میں اس کے بحور و اوزان کو بھی درج کردیا ہے جس سے اس زمانے کے ادبی مذاق اور شعری مزاج پر روشنی پڑتی ہے ۔ حاتم نے یہ بھی لکھا ہے :

« در شعر فارسی پیرو مرزا صائب است و در ریختہ ولی را استاد می‌داند ۔ اول کسی که درین فن دیوان ترتیب نمود او بود ۔ »[2]

اس سے قدیم اردو شاعری پر (جہاں تک اس کا تعلق دہلی سے ہے) ولی کے شعری و ادبی اثرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔

ظاہر ہے کہ متن کے اپنے حامل اور جزئیات کا احاطہ محض چند عنوانات کے تحت نہیں کیا جا سکتا ۔ اس کا تعلق بہت کچھ مرتب متن کے صوابدید پر ہے ۔ اسی کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس کے اپنے کون سے مسائل اہم ہیں ، کن امور پر تفصیلی یا قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو ضروری ہے ، اور کن پہلوؤں کی جانب محض اشارہ کردینا کافی ہے ۔

معارف متن :

دراصل تنقید متن کا تحقیقی نقطۂ نظر سے سب سے اہم پہلو یہی ہے ۔ اس کے ذیل میں متنی شواہد ، متنی مآخذ یا مصادر اور تقابلی مطالعہ جیسے امور آتے ہیں ۔

متنی شواہد سے مراد وہ شہادتیں ہیں جو کسی متن کے بارے میں کسی دوسرے متن یا ماخذ میں ملتی ہیں ۔ اس سے متن کے حدود ، اس کے زمانۂ تالیف یا اس کے نسخ مختلفہ کے بارے میں ہمیں بنیادی معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔

تذکروں میں متنی شواہد کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں ، تذکروں کے علاوہ دیگر تصانیف ، خطوط اور دواوین ، نیز سوانح عمریوں میں بھی اس طرح کے

---

۱ دیباچہ دیوان زادۂ حاتم

۲ دیباچۂ دیوان زادۂ حاتم

شواہــد کی جستجو ممکن ہے ۔ اپنے سے متعلق متنی شواہد کو صاحب تالیف اپنے ترجمے کے ضمن میں پیش کر جاتے ہیں ۔ کہیں دیباچہ میں ان کا ذکر آجاتا ہے، کہیں کسی شعری تخلیق میں ان کا حوالہ موجود ہوتا ہے ۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں جہاں خود اپنا ترجمہ قلمبند کیا ہے وہاں اپنی تصانیف کے سلسلے میں بھی ہمیں کچھ معلومات فراہم کی ہیں :

« فقیر در این مدت ہفت ہشت ہزار بیت گفتہ باشد و یک ترکیب بند و یک رموز العارفین گفتہ است کہ مقبول دلہا گردیدہ ۔ »[1]

مصحفی کا بیان ہے :

« و آنچہ درین مدت تصنیف و تالیف کردہ این است : دو دیوان فارسی ، یکی در جواب مولانا نظیری نیشا پوری و یکی بطور خود و سہ دیوان ہندی و دو تذکرۂ فارسی و ہندی و یک دو جزو شاہنامہ تا نسب‌نامۂ حضرت شاہ عالم بہادر و یک دیوان ہندی کہ در شاہجہان آباد گفتــــہ مع مسودۂ دیوان فارسی اول کہ زبان آن بطور جلال و اسیر و ناصرعلی بود ، بدزدی رفتہ ۔ »[2]

اس طرح کی معلومات اہل تذکرہ نے اپنے احباب ، اپنے اعزہ اور دیگر معاصرین سے متعلق بھی بہم پہنچائی ہیں ۔ میر نے محمد حسین کلیم کے ترجمے میں لکھا ہے :

« صاحب دیوان قصائد و مخمس و رباعی »[3]

جعفرعلی خان زکی کے بارے میں لکھا ہے :

« بادشاہ محمد شاہ بر او فرمایشی مثنوئ حقہ کردہ بود ۔ دو سہ شعر موزون کرد ، دیگر سرانجام آزو نیافت ۔ اکنون شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد، باتمام رسانید ۔ »[4]

میرحسن نے میرمذکور یعنی محمدحسین المتخلص بہ کلیم کے ترجمے میں لکھا ہے :

« رسالہ در عروض و قافیۂ ہندی تصنیف نمودہ و فصوص را کہ کتاب عربی است بہ زبان ریختہ ترجمہ کردہ ۔ کتابی در نثر ہندی نیز ایجاد نمودہ ۔ »[5]

---

۱ تذکرۂ شعرائے اردو ص ۵۲
۲ تذکرۂ ہندی ، ص ۲۴۸
۳ نکات الشعرا ، ص ۴۲
۴ نکات الشعرا ، ص ۱۳۶
۵ تذکرۂ شعرائے اردو ص ۱۲۸

صاحب مخزن نکات نے یکرنگ کے بارے میں لکھا ہے :

«ابیات دیوانش ہمگی و تمامی قریب پانصد شعر خواہد بود .»[۱]

حاتم نے اپنے دیوان اور پھر دیوان زادہ کے متعلق اپنے دیباچۂ دیوان زادہ میں یہ وضاحتیں کی ہیں :

> «فقیر دیوان قدیم از بست و پنج سال در بلاد ہند مشہور داد . . . ہر رطب و یابس کہ از زبان این بی‌زبان آمدہ بود داخل دیوان قدیم نمودہ و کلیات مرتب ساختہ . . . یاران نازک‌طبعان از فکر قدیم و جدید کہ از مذاق ماضی و حال ازو خبر می دہد از ہر ردیف دو سہ غزلی و از ہر غزلی دو سہ بیتی ورای مناقب و مرثیہ و مخمس و مثنوی وغیرہ موقوف داشتہ . . بطریق اختصار سواد بیاض نمودہ بہ دیوان زادہ مخاطب ساختہ .»[۲]

حاتم کے اس دیوان سے متعلق لچھمی نرائن شفیق کے تذکرے میں یہ ذکر موجود ہے :

«بوقت تحریر این چند ابیات دیوانی ضخیم ازو بدست آمد .»[۳]

جس کے یہ معنی ہیں کہ شفیق کے پیش نظر دیوان قدیم تھا .

متنی شواہد دوسری طرح کے متون میں بھی مل جاتے ہیں .

متنی معارف کا دوسرا اہم حصہ متنی مآخذ ہیں تنقید متن کے ضمن میں جس پر گفتگو ضروری ہے . کبھی متنی مآخذ کی نشان‌دہی واضح طور پر کتاب کے دیباچہ یا سبب تالیف کے ضمن میں ہوجاتی ہے . کبھی متن میں اس کے شواہد موجود ہوتے ہیں اور کبھی اس کی طرف ذہن کی رہنمائی تقابلی مطالعہ کے ذریعہ ہوتی ہے جو تحقیق متن کا حصہ ہے .

پہلی صورت کی ایک مثال لچھمی نرائن شفیق کے یہاں موجود ہے جس نے اپنے تذکرہ کی بنیاد میر اور گردیزی کے تذکروں کو بنایا ہے اور اس سلسلے میں لکھا ہے :

---

۱ مخزن نکات ، ص ۴۲

۲ دیباچۂ دیوان زادہ حاتم

۳ چمنستان شعراء ، ص ۱۳۴

«در این اثنا نکات الشعرا من تصنیف میر تقی میر و تذکرۂ فتح
علی خان تازہ از ہندوستان وارد نمودہ شوری در عالم انداخت.»[۱]

اگرچہ اس موقع پر شفیق نے انہیں دو تذکروں کا ذکر کیا ہے لیکن تذکرے کے متن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حاکم لاہوری کا تذکرہ مردم دیدہ بھی اس کے مطالعہ میں رہا ہے اور بعض دوسرے مصادر سے بھی اس نے استفادہ کیا ہے۔ تذکرۂ مردم دیدہ کا حوالہ میاں نورالعین واقف کے ترجمے میں اس طور پر آیا ہے:

«با راقم سطور اخلاص دلی دارد چنانچہ تذکرۂ مردم دیدۂ شاہ
عبدالحکیم حاکم کہ سہ ہزار بیت کسری زیاد است از دستخط خود
رقم نمودہ براقم سطور عنایت فرمود»[۲]

میر نے اپنے تذکرہ کے سلسلے میں اس کا بالکل اقرار نہیں کیا کہ ان کی رہنمائی کسی دوسرے وسیلے سے ہوئی ہے، لیکن دکنی شعرا کے تراجم انہوں نے عبدالولی عزلت کی بیاض کے مطالعہ اور ان سے زبانی استفادہ کے ساتھ لکھے ہیں۔ اس کا اندازہ خود ان تراجم سے ہوجاتا ہے۔ حبیب تخلص کے ترجمے میں میر نے لکھا ہے:

«از بیاض سید صاحب مذکور نوشتہ شدہ.»

مرزا داؤد کے ترجمے میں ان کی زبانی جو کچھ تحقیق ہوا اس کا اظہار کیا ہے:

«این قدر ہم از زبانیء سید صاحب بہ تحقیق رسیدہ.»[۴]

عمدۂ منتخبہ کے مآخذ کے سلسلے میں اس کے فاضل مرتب پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے لکھا ہے:

«سرور نے میر، میر حسن، مصحفی، لطف اور ذکا کے تذکروں
کا ذکر کیا ہے اور اس کا قرینہ غالب ہے کہ ان سے فائدہ اٹھایا ہو.»[۵]

---

۱ چمنستان شعرا، ص ۳
۲ چمنستان شعرا، ص ۱۰۴
۳ نکات الشعرا، ۱۰۳
۴ نکات الشعرا ص ۱۰۵
۵ عمدۂ منتخبہ، ص ۲۱

لیکن جب کسی متن میں اس کے مآخذ کے سلسلے میں ایسے ضمنی حوالے بھی موجود نہ ہوں یا ان کی طرف اشارہ نہ کیا جائے تو مآخذ کا پتہ چلانے کے لئے تحقیقی اور تقابلی مطالعہ سے کام لینا ہوتا ہے اور بات تنقید متن کے دائرہ سے نکل کر تحقیق متن کے دائرہ میں آجاتی ہے جس پر گفتگو کی نوعیت دوسری ہوتی ہے ۔ خطوط اور دواوین جیسے ادبی متون میں مآخذ کی بات اس طور پر نہیں کی جاسکتی ۔ وہاں ان کے تخلیقی سرچشموں کی کھوج کی جاسکتی ہے جو در اصل نفسیاتی مطالعہ کا موضوع ہے ۔ لیکن بہت سے دواوین میں تراجم، تلخیص یا تضمین وغیرہ ایسی صورتیں موجود ہیں جو قدرے مختلف نوعیت کے ساتھ متنی مآخذ کی جانب اشارہ کرتی ہیں ۔

متنی محاسن تنقیدی متن کی تیسری شق ہے ۔ اس میں سب سے پہلی بات متن کا ادبی اسلوب ہے جس کا ذکر تنقید متن میں آسکتا ہے ۔ ایسے مواقع پر متنی تنقید کی نوعیت حقائق متن کی جانب واضح اشاروں سے زیادہ نہیں ہوتی اور متنی نقاد اس کے حسن و قبح پر کوئی رائے نہیں دیتا ۔ بحیثیت متن اس کے لیے سادہ و پیچیدہ عبارت کی اہمیت یکساں ہے بشرطیکہ اس کی قرأت ممکن ہو اور کہیں سے متن ضائع نہ ہوگیا ہو ۔ مثلاً ، میر کے تذکرہ کی زبان پر گفتگو اس انداز میں ممکن ہے ۔ اس تذکرہ کی زبان سادہ و سلیس ہے اور بیشتر مقامات پر عبارت ہر طرح کے جھول جھال اور پیچ و خم سے آزاد ہے ۔ لیکن کہیں کہیں میر نے بھی قدیم انداز عبارت آرائی سے کام لیا ہے جس کا ایک نمونہ ہم ذیل کی عبارت کو قرار دے سکتے ہیں (یہ خواجہ میر درد کے ترجمے سے لی گئی ہے) :

« جوش بہار گلستان سخن ، عندلیب خوش خوان چمن این فن ، زبان گفتگویش گرہ کشای زلف مشام مدعا ، مصرعۂ نوشتہ اش بر صفحۂ کاغذ از کاکل صبح خوش نما ، طبع سخن پرداز و سرو مائل چمنستان انداز است . »[۱]

بعض مؤلفین اپنے انداز نگارش یا اسلوب گفتار کے متعلق خود بھی کبھی ادعا ، کبھی اظہار و عجز اور کبھی حقیقت حال کی جانب اشارے کے طور پر کچھ نہ کچھ لکھ جاتے ہیں ۔ مثلاً ، فضلی نے کربل کتھا کے سبب تالیف کے ضمن میں لکھا ہے :

---

۱ نکات الشعرا ، ص ۴۹

« بنــدۂ حقیر، پرتقصیر حسب الارشاد اوس قبلہ گاہ کے خاص روضۃ الشہدا کا... سوناتا تھا لیکن معانی اوس کے نساء و عورات کی سمجھ میں نہ آتے تھے اور فقرات پر سوز و گداز اوس کتاب مذکورہ کے بسبب لغات فارسی اون کوں نہ رولاتے تھے۔ اکثر اوقات بعد کتاب خوانی (کذا) کے سب یہ مذکور کرتے کہ صــد حیف و صد ہزار افسوس جو ہم کم نصیب عبارت فارسی نہیں سمجھتے اور رونے کے ثواب سے بے نصیب رہتے۔ ایسا کوئی صاحب شعــور ہووے کہ کسی طرح من و عن ہمیں سمجھاوے اور ہم بے سمجھوں کو سمجھا کر رولاوے۔ مجھ احقر کی خاطر میں گذرا کہ اگر ترجمہ اس کتاب کا برنگینیٔ عبارت و حسن استعارات ہندیٔ قریب الفہم عامۂ مومنین و مومنات کیجئے... »[1]

اس سے ظاہر ہے کہ بہ تقاضۂ ضرورت مترجم بات کو من و عن سمجھانا اور ایسی عبارت لکھنا چاہتا تھا جو قریب الفہم عامۂ مومنین و مومنات ہو لیکن رنگینیٔ عبارت اور حسن استعارات کے ساتھ۔

غرض تنقید متن کے ضمن میں ایک مرتب متن کے لئے اس پر اظہار خیال مناسب حدود کے ساتھ ضروری ہوتا ہے کہ متن میں کس طرح یا کس کس طرح کا انداز نگارش ملتا ہے۔ غالب نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

« مرزا صاحب، میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ »[2]

لیکن مرزا غالب کے تمام خطوط میں یہ انداز نگارش نہیں ملتا۔ کہیں کہیں تو القاب و آداب میں بھی وہ تمام تکلفات برتے گئے ہیں جن سے ابا کا دعویٰ خود ان کے یہاں اور ان سے زیادہ ان کے بعض نقادوں کے یہاں ملتا ہے۔

قدیم تحریروں میں تنقید متن کا سب سے اہم پہلو یا دوسرے الفاظ میں متنی محاسن پر گفتگو کا اساسی مسئلہ لسانیاتی مطالعہ ہے۔ لسانیاتی مطالعہ کے اپنے کچھ اصول و ضوابط ہیں۔ لیکن قدیم زبان کو جاننا اس کی بنیادی شرط ہے۔ لسانیاتی مطالعہ میں املائی خصوصیات کو بھی داخل سمجھنا چاہیے اس لئے کہ املا زبان

---

۱ کربل کتھا مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد، دیباچہ، ص ۳۷ و ۳۸

۲ اردوے معلیٰ، ص ۳۷

کے چلن، تلفظ اور صوتیاتی حقائق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہماری زبان میں جو دور رس اور تیز رفتار تبدیلیاں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں قدیم متون سے ان کی نشان دہی ہوتی ہے اور اس عہد کی زبان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ علاوہ بریں لسانیات کے وسیلے سے ادب کے رشتے سماجیات اور تاریخ سے استوار ہوتے ہیں۔ اس لئے اس مطالعہ کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے۔ خود کسی تصنیف کے اپنے زمانے کے تعین میں لسانی مطالعہ سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بالعموم اہل تصنیف نے اپنی یا اپنے زمانے کی لسانی خصوصیات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی لیکن اردو شاعری کی تاریخ میں ایک ایسی مثال موجود ہے جہاں خود مصنف نے لسانی اعتبار سے اپنی زبان کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ مثال شاہ حاتم کے «دیوان زادہ» میں سامنے آتی ہے جس کے مختصر دیباچہ میں مصنف نے اس کا اظہار کیا ہے:

«...ولفظ «در» و «بر» و «از» و «او» که فعل و حرف باشد... بنده در دیوان قدیم خود تقید دارد و در این ولا از ده دوازده سال اکثر الفاظ را از نظر انداخته لسان عربی و زبان فارسی که قریب الفہم وکثیرالاستعمال باشد و روزمرهٔ دہلی که میرزایان ہند و فصیحان رند در مہاوره (؟) دارند منظور داشته زبان ہر دیار تا به ہندوی که آن را بھاکھا گویند موقوف کرده محض روزمرهٔ که عام‌فہم و خاص‌پسند بود اختیار نمود. شمهٔ از آن الفاظ که تقید دارد به بیان می‌آرد. چنانچه عربی و فارسی مثلاً تسبیح را تسبی و صحیح را صحی و بیگانه را بگانه و دیوانه را دوانه و مانند آن بطور عامه؛ یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک، چنانچه مَرَض را مرْض و غرض را غرْض و مانند آن؛ یا الفاظ ہندی که نین و جگ و نت وغیره آنچه باشد؛ یا لفظ «مار» و «موا» و ازیں قبیل که بر خود قباحتی لازم آید؛ یا بجای سے ستی، یا اُدھر را اودھر و کدھر را کیدھر که در آن زیادتیء حرف باشد؛ یا بجای پر په یا یہاں را یاں و وہاں را واں که در مخرج تنگ بود؛ یا کسر و فتح وضم در قافیه؛ یا قافیهٔ رائے فارسی با رائے ہندی چنانچه گھوڑا وبورا و دھڑ و سر و مانند آن؛ و ہای ہوز را بدل کردن به الف که از عام تا خاص در مہاوره (؟) دارند. بنده درین امر بمتابعت جمہور مجبور است

چنانچه «بنده» را «بندا» و «پرده» را «پردا» و آنچه ازیں قبیل باشد و ایں قاعده را تا کجا شرح دہد.»[1]

اگرچـــہ ان حقائق کی طرف حاتم نے اپنے زمانے کے ادبی معیاروں کے پیش نظر اشارے کئے ہیں لیکن دیکھا جائے تو یہ لسانی مسائل ہیں۔

میر نے اپنے زمانے کے ادبی و شعری معیـار کے سلسلے میں ریختے کی جو قسمیں گنائی ہیں اس سے بھی بعض لسانی حقـائق کی جانب ذہن کی رہنمائی ہوتی ہے:

«... اول آنکه یک مصرعش فارسی و یک ہندی ...؛ دوم اینکه نصف مصرعش ہندی و نصف فارسی؛ سیوم آنکه حرف و فعل فارسی بکار می برند و ایں قبیح است؛ چہارم آنکه ترکیب فارسی می‌آرند. . . . و ترکیبی که نامانوس ریخته باشد آں معیوب است .»[2]

شعرا کے دواوین میں بھی بعض لسانی حقـائق کی طرف اشارے مل جاتے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر ان پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ خود لسانی مطالعه کی حدیں کافی وسیع ہیں۔ اس کے دائرے میں اسم فعلی، حروف ضمـائر، تذکیر و تانیث، جمع بنانے کے طریقے غرض که زبان کے بنیادی ڈھانچے کو سمجھنے سے متعلق تمـــام ضروری امور آجاتے ہیں جن کا اس متن کی اپنی نوعیت اور ادبی، لسانی اور لغوی ضروریات کے پیش نظر مناسب حدود کے ساتھ مطالعه ضروری ہے۔

---

۱ دیباچهٔ دیوان زادهٔ حاتم

۲ نکات الشعرا، خاتمه، ص ۱۷۹

٭ خواجہ احمد فاروقی

ثانوی سطح پر تدریس اردو کے عام مسائل

(خطبۂ صدارت سمپوزیم جشن زرین جامعۂ ملیۂ اسلامیہ)

سب سے پہلے تو میں آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے مجھے جامعہ کے جشن زرین کے موقع پر یاد فرمایا اور اس سمپوزیم کی صدارت کی عزت بخشی۔

عرفی نے اپنے ممدوح کے لئے لکھا ہے کہ میں نے جو اس سے گفتگو کی ہمت کی ہے وہ ازروے استعداد نہیں بلکہ کسب شرف کے لئے ہے۔ یہی حال میرا ہے۔ میری شکرگذاری کا جذبہ اور بڑھ جاتا ہے جب میں یہ سوچتا ہوں کہ اس ہم کلامی کا شرف جامعہ میں حاصل ہوا جو نئی تعلیم کی دانشگاہ، قومی جدوجہد اور تخلیقی عمل کی تاریخ اور ہماری امیدوں اور ہماری آرزوؤں کا مرکز ہے۔ اس ادارے کو اس وجہ سے بھی سرافرازی حاصل ہے کہ اس کی تعمیر و تخلیق میں قبلۂ دیدہ و دل ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم اور ان کے مخلص ساتھیوں کا سوز جگر شامل ہے اور انہوں نے پچاس برس ہمارے دلوں کے دروازوں پر دستک دی ہے۔ ذاکر صاحب کے انتقال کے بعد بھی «نبض جادہ تپد و سینۂ صحرا گرم است» اور یہ بات اس نیلگوں آسمان پر موٹے موٹے حروف میں لکھی ہوئی ہے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ نقش جور اور نشان ستم سب مٹ جائیں گے۔ لیکن اہل علم کی بصیرت، قومی خادموں کی دل سوزی اور استادوں کی دیدہ وری نے جو نقش بنائے ہیں وہ قائم رہیں گے۔

حضرات، آج کے سے‌می‌نار (Seminar) کا عنوان ہے «ثانوی سطح پر تدریس اردو کے عام مسائل»۔ دوسری نشست تدریس اردو کے خاص مسائل کے لئے وقف ہوگی معین صاحب نے عام مسائل کو میرے سپرد کرکے مجھے بڑی چھوٹ

---

* ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، ایم۔اے، پی‌ایچ۔ڈی؛ پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، دہلی یونی‌ورسٹی، دہلی: اعزازی سکریٹری، انجمن اساتذۂ اردو، جامعات ہند، دہلی: مصنف میرتقی میر، ذوق و جستجو وغیرہ۔

دے دی ہے ۔ اس لئے اگر میں خاص مسائل میں در آؤں تو مجھے معاف رکھئے گا ۔ یوں بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ علمی مباحث ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں ، اور عام اور خاص میں گہرا رشتہ ہے

عام مسائل میں اردو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اردو کا نصاب ، درسی کتب کی فراہمی اور اساتذہ کی تیاری ، یہ سب ہی امور آتے ہیں ۔ میں ان کی حد بندی کرنا نہیں چاہتا ۔ سہولت کے لئے چند باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ لیکن اپنی گفتگو کا آغاز تدریس اردو کے مسئلہ سے کرنا چاہتا ہوں اِس لئے کہ جانِ سخن وہی ہے ۔

میں نے ایک مرتبہ ثانوی اسکولوں کے اردو استادوں سے سوال کیا ۔ عام طور پر کہاجاتا ہے کہ اردو کی تدریس بے روح اور بے کیف ہے ۔ آپ کے خیال میں اس کا سبب کیا ہے ۔ ان سب حضرات نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ اردو کسی علاقہ کی زبان تسلیم نہیں کی گئی اس لئے لوگ بددل ہیں اور اس میں جی نہیں لگاتے ۔

میرے خیال میں یہ جواب خلط مبحث اور آسان پسندی کی عجیب و غریب مثال ہے ۔ میں ہرگز نہیں کہتا کہ اردو کا علاقائی زبان تسلیم نہ کیا جانا ہمارے مسائل پر اثرانداز نہیں ہوتا ۔ ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے ۔ لیکن یہ اس تعلیمی سوال کا پورا جواب نہیں ہے ۔ حال ہی میں ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جارج روسو سے پوچھا گیا کہ انگریزی کے درجات میں لڑکے اور لڑکیاں جمائیاں کیوں لیتے رہتے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں تعلیم ایک بڑی صنعت اور انگریزی کی تعلیم خرید و فروخت کی ایک جنس بن گئی ہے اس لئے بےدلی کا پیدا ہونا لازمی ہے ۔ دوسرے ہم نے اور ہمارے استادوں نے یہ غلط سبق دیا ہے کہ ادب زندگی ہے ۔ طالب علم پوچھتا ہے کہ ہم جان ڈن یا پوپ کا مطالعہ کیوں کریں جب کہ ان میں اور ہماری ویت نام ۔ ال اس ڈی اور جنسی انقلاب کی دنیا میں مطلق کوئی رابطہ اور تعلق نہیں ہے ۔

اس لطیفہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دونوں ملکوں میں بہترین طلبا سائنسی علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تلچھٹ ہمارے حصہ میں آتی ہے ۔ اور ہم بالعموم ادب کی اس تنویری قوت سے بے خبر ہیں جو بے کیف زندگی کو پرمعنی بنا دیتی ہے یا سماجی شعور کو تیز کردیتی ہے اور نہ ہم مادری زبان کی جو اہمیت ہے اس کو پوری طرح پہچانتے ہیں ۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو کی تعلیم بڑے مقاصد سے عاری اور شخصیت سازی کی ذمہ داری سے خالی ہے۔

ادب کی تعلیم دیتے ہوئے ہمیں اس کا رابطہ زندگی سے قائم کرنا ہوگا۔ لیکن سائنس اور ادب کا جو رشتہ زندگی سے ہے اس کی نوعیت اور معنویت میں فرق ہے۔ ایک بات تو یہ کہ سائنس میں اس کا سارا ماضی اس کے حال میں پوشیدہ ہے۔ موجودہ سائنس کے طالب علم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ نیوٹن سے لےکر اِس وقت تک اُن تمام مراحل کا مطالعہ کرے جن سے سائنس گزرچکی ہے۔ اس موجودہ سائنس میں یہ تمام مراحل سمائے ہوئے ہیں۔ ادب میں یہ تعلق پیدا کرنا ہوگا، اور اس لئے اس کی تدریس کے وقت برابر ماضی سے حال کی طرف اور حال سے ماضی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

جب یہ تعلق کمزور ہو گیا ہے اور ادب کو دنیا سے الگ تھلگ فضائے بسیط میں لٹکے ہوئے ایک گنبد کی طرح سمجھ لیا گیا ہے تو اس کا لازمی اثر اس مسئلہ کے دوسرے پہلوؤں پر بھی ہوا ہے۔ مثلاً، اردو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اور پورے تعلیمی نظام میں اردو کی جو اہمیت ہے یہ مسائل بھی اسی وجہ سے الجھ گئے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری سے تو آپ واقف ہیں۔ محاسن کلام غالب والے۔ لیکن ان کے مقدمہ کے متعلق یہ گذارش ہے کہ اگر ان کی زندگی وفا کرتی اور ان کو کسی بے وفا سے سابقہ پڑتا تو اُن کے مقدمہ کا وہ رنگ نہ ہوتا جو ہے۔ مرحوم ایک مرتبہ جرمنی میں سفر کرتے ہوئے ایک جرمن پادری سے ملے۔ کچھ ہندوستان کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ اس نے پوچھا، آپ کے ملک میں تعلیم کس زبان میں ہوتی ہے؟ ڈاکٹر بجنوری نے جواب دیا، «انگریزی میں»۔ اس نے کہا، «یسوع کی قسم، کبھی ہزار برس میں بھی تم ترقی کا منہ نہیں دیکھ سکتے»۔

ڈاکٹر بجنوری نے یہ بات مجوزہ مسلم یونیورسٹی کے مسودہ ایکٹ کو پیش کرتے ہوئے ۱۹۱۲ع میں کہی تھی۔ وہ سنی ان سنی کردی گئی۔ انجمن اساتذۂ اردو، جامعات ہند، کے اجلاس علی گڑھ کے موقع پر میری علی گڑھ کے چند اساتذہ سے اردو کے ذریعۂ تعلیم کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ ایک صاحب بڑی قرأت سے کہنے لگے، «خدا کی قسم ہم انگریزی کو ذریعۂ تعلیم رکھنے کے لئے ہر ممکن

جد وجہد کریں گے » ۔ میں نے عرض کیا « میر صاحب ، یہ آپ کس سمے کی باتیں کرتے ہیں ؟ سوال یہ ہے کہ ذریعۂ تعلیم اردو ہو یا ہندوستان کی کوئی دوسری زبان انگریزی کے انتخاب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ وہ اب ذریعۂ تعلیم کے طور پر فہرست سے خارج ہے ۔ ایجوکیشن کمیشن اور وزارت تعلیم نے ہر جگہ مادری زبان کی اہمیت پر زور دیا ہے ۔ دستور نے مادری زبان کا تحفظ دفعات ٢٩ اور ٣٥٠ الف کے ذریعہ کیا ہے ۔ کیا اب بھی آپ ہمیں اس حق سے محروم رکھیں گے ؟ »

حقیقت یہ ہے کہ اردو کے معاملہ میں خود ہمارا ایمان کمزور ہے ۔ ہم اس کو حقیر اور بےمایہ سمجھتے ہیں ۔ اگر اس کا نام لیتے ہیں تو سجدۂ سہو کے طور پر لندن اور انگریزی کا بھی ذکر ضرور کرتے ہیں ۔ ایک صاحب نے مجھے کشمیر بلایا اور ا دو کے پروفیسر کے انتخاب کا مسئلہ سامنے رکھا ۔ ڈاکٹر زور کی سفارش کرتے ہوئے انہوں نے بار بار اس پر زور دیا کہ وہ لندن یونیورسٹی سے اردو کے پی ایچ ڈی اور ڈاکٹر گراہم بیلی کے شاگرد عزیز ہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ زور صاحب سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی شخص نہیں ۔ لیکن جو دلیل آپ ان کی سفارش کے لئے پیش کررہے ہیں وہ ناقابل قبول ہے ۔ غالب نے غلام امام شہید کے متعلق جو فرمایا تھا وہ بلا تشبیہ اور ادنیٰ تصرف کے ساتھ عرض کرتا ہوں ۔
وائے اس ہیچ و پوچ پر جس کے لئے گراہم بیلی کا تلمذ باعث فخر و ناز ہو !

اسی طرح جب خواجہ غلام الحسنین مرحوم نے ہربرٹ اسپنسر کی انگریزی کی کتاب کا اردو میں ترجمہ کرنا چاہا تو ڈاکٹر اقبال نے لکھا ، افسوس ہے ظرف میں مظروف کی گنجائش نہیں ہے ۔

یہ تو انگریزی کے سامنے ہمارا حال تھا ۔ اس سے پہلے اور اس سے زیادہ سقیم صورت فارسی کے سامنے تھی ۔ اب بھی لکھنؤ میں اردو اور فارسی کا شعبہ ایک ہے ۔ میسور میں بدستور یہ کوشش ہے کہ اردو کی پروفیسرشپ کو ختم کرکے اسے فارسی میں تبدیل کردیا جائے ۔ دہلی میں عربی ، فارسی اور اردو کا شعبہ ایک تھا اور ایک زمانہ میں مسلم یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی کے اردو شعبوں کے صدر فارسی ہی کے ام اے تھے ۔ اردو کی کوئی الگ اور آزاد حیثیت نہیں تھی ۔ وہ نرم و نازک بیل کی طرح ایک تناور درخت سے چمٹی ہوئی تھی ۔ اس سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں الامان و الحفیظ ! اردو فارسی کا چربہ ہے ، اردو اور فارسی کا

رسم الخط ایک ہے اور اردو میں فارسی کے الفاظ کی کثرت ہے۔ گویا اردو کا اپنا کچھ تھا ہی نہیں۔

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے
چشم نرگس کی، دہن غنچہ کا، حیرت میری

وحید الدین سلیم کی لفظ شماری کے مطابق اردو میں ۸۰ فی صدی الفاظ سنسکرتی اور دراوڑی زبانوں سے آئے ہیں۔ اور باقی دس فی صدی لفظ تمام دنیا سے آئے ہیں۔ ترکی سے، عربی سے، فارسی سے، انگریزی سے، پرتگالی سے۔ یہی بات جواہر لال نہرو نے تلاش ہند میں لکھی ہے۔ اس کے برعکس صورت انگریزی میں ہے۔ اس میں صرف تیس فی صدی الفاظ قدیم انگریزی یا اینگلو سیکسن سے آئے ہیں اور باقی ۶۰ فی صدی لاطینی سے اور دس فی صدی دنیا کی دوسری زبانوں سے مستعار لئے گئے ہیں۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی رو سے ہندوستان میں ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے اردو کو اپنی مادری زبان ظاہر کیا ہے، ۲۳ ملین ہے اور یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ افغانستان، الجیریا، ارجینٹینیا اور آسٹریلیا کی نہیں۔ اگر یہ لوگ سچ مچ اردو کو اپنی مادری زبان سمجھنے لگیں اور اس کی تعلیم اور استعمال پر اصرار کریں تو ایک چھوٹا موٹا تعلیمی اور صنعتی انقلاب رونما ہوسکتا ہے۔ اگر یہ ۲۳ ملین آبادی سچ مچ اردو سے آشنا ہوجائے تو سوچئے کہ ان کے لئے کتنے اخبارات، کتنے صحافیوں، کتنے مدرسوں، کتنے استادوں، کتنی کتابوں، کتنے چھاپہ خانوں اور کتنے کاغذ کے کارخانوں کی ضرورت ہوگی۔ یہ بات الجیریا کے متعلق ایک یونسکو کے ماہر نے کہی تھی۔ میں نے اسے اردو کی آبادی پر منطبق کیا ہے جس کی تعداد اہل الجیریا سے بدرجہا زیادہ ہے۔

ذریعۂ تعلیم سے ملاجلا مسئلہ نصاب کی کتابوں کا ہے۔ ان کی تیاری میں نہ تعلیمی اور جمالیاتی اصول ملحوظ رکھے گئے ہیں، نہ طالب علموں کی عمر کا خیال رکھا گیا ہے۔ نہ ان کے مطالعہ سے ذوق کی کوئی چنگاری پیدا ہوتی ہے اور نہ ہمارے جذبات کی تہذیب ہوسکتی ہے۔ نصاب کی ریسرچ سے قطع نظر، یہ بھی نہیں سوچا گیا کہ کونسا سبق کس عمر کے طالب علموں کے لئے موزوں اور مناسب ہے۔ میں نے سودا کا قصیدہ «اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل» ہائی اسکول

میں پڑھا ہے پھر اسے بی اے میں پڑھایا ہے۔ اب وہ ترقی کر کے ام اے کے نصاب میں داخل ہے۔ اس واقعہ سے نہ صرف ہمارے علمی معیار کے زوال کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ وہ بےرحمی بھی ظاہر ہوتی ہے جو ہم اکثر نصاب کی تیاری میں برتتے ہیں۔ الہ آباد یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کے یہاں یہ سارا کام قینچی اور لیہی سے ہوتا تھا۔ ذرا سی دیر میں اجمیر کا سٹ تیار ہوگیا، اور پھر تھوڑی سی الٹ پھیر سے یوپی کا نصاب بن گیا، اور پھر منٹ کی چوتھائی میں ہزاروں نسخے چھپ بھی گئے۔ اس سے بحث نہیں کہ اس میں کتنے اغلاط ہیں۔

یہی حال اردو نصاب کے مافیہ کا ہے۔ وہی امید کی خوشی، وہی نیرنگ خیال کے مضامین، وہی بےنظیر اور بدر منیر کا قصہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب اردو والے قبیلۂ عشق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس زبان میں گویا مضامین علمیہ کا وجود ہی نہیں اور اس کی ساری کہانی رات اور زلف کی کہانی ہے۔

اسٹیٹسمین کے ایک سروے کے مطابق ان درسی کتابوں میں صرف کتابت اور طباعت ہی کی غلطیاں نہیں بلکہ واقعات بھی غلط مندرج ہیں۔ مثلاً، ایک کتاب میں لکھا ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوتا ہے یا بعض ایسے بیانات ہیں جو سیکولر تعلیم کے منافی ہیں۔ ان کی نشان دہی سیدین کمیٹی کرچکی ہے۔

امریکہ میں ڈاکٹر جان تھوبالڈ نے درسی کتابوں پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ان میں صرف اینگلوسیکسن نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے، انڈین، نیگرو، یہودی، لاطینی اور ایشیائی نسل کے لوگوں کی تہذیبی اور فکری نمایندگی نہیں ہے۔ ہماری کتابیں بھی قومی تہذیب کو اجاگر نہیں کرتیں اور بعض سے تو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ہندوستان آزاد ہوگیا ہے اور اب اس کے تعلیمی تقاضے سنہ ۴۷ء سے مختلف ہیں۔ میں جامعہ کے استادوں سے مؤدبانہ درخواست کروں گا کہ وہ اردو ٹیکسٹ بک ریسرچ کا شعبہ قائم کریں اور ابتدائی اور ثانوی سطح پر پورے ملک کی رہنمائی کا فرض انجام دیں۔ یہ حضرات اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں اس لئے کہ ان کے کالج کی ہندوستان گیر شہرت ہے، اور ان کے پاس اچھے کام کرنے والے موجود ہیں۔

آخر میں میں چند جملے اردو کے استادوں کے متعلق کہنا چاہتا ہوں اس لئے کہ اردو کا مستقبل ان استادوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ کڑھے ہوئے ہیں،

اقدار کے محرم ہیں اور تعلیمی نظام میں اردو کی اہمیت کے شناسا ہیں تو اردو کا مستقبل محفوظ ہے ۔ اگر وہ حق بخشوائے ہوئے ہیں یا اپنی زندگی سے بیزار ہیں یا ہر وقت نوحہ گر کو ساتھ رکھتے ہیں ، یا ان کا ایمان اعلیٰ قدروں سے اٹھ گیا ہے تو اردو کی خیریت نہیں ۔ اس کا اندازہ پڑھانے سے بھی ہوتا ہے ، نصاب کے انتخاب سے بھی ، امتحان کے سوالوں سے بھی تدریس میں صرف شعر کی ہجے کافی نہیں بلکہ فکر و فن ، تاریخ و تہذیب کی طرف اشارے بھی اسی طرح ضروری ہیں جس طرح الفاظ کے معنی بتانا اور ان کے معنوی محاسن کو پیش کرنا ہمارے طالب علم اکثر بتوں کی طرح بیٹھے رہتے ہیں ان کو سبق میں برابر کا شریک ہونا چاہئے اور یہ اسی وقت ہوگا جب سبق صرف تحسین نہ ہو بلکہ دوسری تخلیق بن جائے ۔

ثانوی سطح پر زبان اور قواعدِ زبان کی تعلیم بھی ضروری ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کی طرف بالکل توجہ نہیں دی جا رہی ہے ۔ حالانکہ عہد حاضر کے نوجوان کا سب سے بڑا المیہ اظہار ہی کا ہے ۔ وہ نہ لکھ سکتا ہے نہ بات کرسکتا ہے ۔ یہ بےتوجہی ایک تو اس غرور کی وجہ سے ہے کہ اردو ہماری مادری زبان ہے اور « مستند ہے میرا فرمایا ہوا »۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ قواعد کو غلط طریقہ سے زبان و ادب سے الگ کرکے پڑھایا جاتا ہے ۔ قواعد کی تعلیم اس طرح ہوتی ہے جیسے وہ کسی مردہ زبان کے اصول صحیحہ کی پوٹ ہو ۔ پڑھائی اس طرح ہوتی ہے جیسے الفاظ الگ الگ بھاری اور بےجان پتھر ہوں ۔ زندہ زبان کو یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ صرف بےروح حرفوں سے بنی ہے اور اس کا اصوات سے کوئی تعلق نہیں ۔ اردو قواعد کی کتابیں گویا فارسی کے قواعد کو سامنے رکھ کر حریری کاغذ پر اتار لی گئی ہیں ۔ صہبائی سے لے کر فتح محمد خاں تک جتنی اردو کی قواعد لکھی گئی ہیں وہ سب فارسی کی زائیدہ — اور قبیح ہیں ۔ ڈاکٹر عبدالحق دوسری انتہا کو پہنچ گئے اور اس کو انگریزی سے قریب کردیا ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں اردو کا اردو پن اور اس کا فطری جوہر چھپ گیا ۔ زبان ایک مسلسل اور نامیاتی عمل ہے جس میں ایک تغیر ہی کو ثبات ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ ناسخ کے فتوے غلط ٹھہریں اور حالی کی ابالی ہوئی کھچڑی ہی مرغوب قرار پائے ۔

آخر میں چند جملے امتحان کے متعلق عرض کرنا ضروری ہیں اس لئے کہ ان کا بھی تدریس سے گہرا تعلق ہے ۔ لیکن جس طرح ہماری تہذیبی زندگی جامد

اور روایتی بن کر رہ گئی ہے اسی طرح امتحانات کے سوالات روایتی بن کر رہ گئے ہیں پروفیسر نورالحسن ہاشمی کا لڑکا بی اے کے امتحان میں شریک ہو رہا تھا۔ صبح کو تاریخ کا پرچہ تھا۔ میں نے یوں ہی مذاق میں کہا کہ میں دس سوال لکھواتا ہوں۔ ان میں اگر پانچ نہ آجائیں تو میرا ذمہ۔ عجیب اتفاق کہ پانچ سوال وہی رکھے تھے۔ اس میں کسی لیاقت کی ضرورت نہیں۔ دو سال کے پرچے سامنے رکھ کر یہ کام بآسانی ہوسکتا ہے۔ ہم کیا سوال کرتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم کس طرح پڑھاتے ہیں۔ سوال نہ صرف طریقۂ تعلیم کا غماز ہوتا ہے بلکہ اس سے تعلیمی مقاصد بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ « میر کی خصوصیات شاعری بیان کیجئے » تو ہم طالب علم سے راست معلومات کی توقع نہیں کرسکتے اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک ہزار صفحے کا کلیات میر پڑھےگا۔ اس لئے یا تو وہ کلاس کے نوٹس لکھ آئےگا یا ڈاکٹر عبدالحق یا حضرت اثر لکھنوی کے مقدمے بغیر سمجھے ہوئے پیش کردےگا۔ امتحان تو اس علم کا ہونا چاہئے جو فرسٹ ہینڈ ہو یا بلا واسطہ حاصل کیا جائے، اور سوالات ایسے ترشے ہوئے ہوں کہ وہ ذہن کی تربیت کو ظاہر کریں۔ طالب علم کی رسائی کتاب کی روح اور خیال کے ارتقا تک ہوسکے اور وہ جملہ کا تعلق جملہ سے، پیراگراف کا تعلق پیراگراف سے، اور ایک باب کا تعلق دوسرے باب سے جوڑسکے۔

حضرات! اس محفل میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان مسائل کو تفصیل سے اور ماہرانہ انداز میں پیش کریں گے۔ میں نے صرف اشارے کئے ہیں۔ میرا مقصد نسخہ لکھنا نہیں ہے۔ حالات کا احاطہ کرنا مقصود ہے جس سے امید ہے کہ افہام و تفہیم میں مدد ملےگی۔

* عبدالرزاق قریشی

سودا کا ایک قطعہ؟

(مولانا) محمد حسین آزاد نے میرزا جان جاناں مظہرؒ کی زبان کے بارے میں یہ رائے دی ہے کہ « زبان ان کی نہایت صاف و شستہ اور شفاف ہے »[1] پھر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ « جو سودا اور میر کی زبان ہے وہی ان کی زبان ہے۔ »[2] مگر اس تعریفی جملے کے فوراً بعد یہ اضافہ کرتے ہیں :

« لیکن سودا بھلا کسے خاطر میں لاتے تھے، چنانچہ سب آداب اور رعایتیں بالائے طاق رکھ کر فرماتے ہیں :

مظہر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ　　سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا
آگاہ فارسی تو کہیں اس کو ریختہ　　واقف جو ریختہ کے ذرا ہووے ٹھاٹ کا
سن کر وہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ ہے یہ　　اور ریختہ بھی ہے تو فیروز شہ کی لاٹ کا
القصہ اس کا حال یہی ہے جو سچ کہوں　　کتا ہے دھوبی کا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا [3]

سودا پر اردو میں دو مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک شیخ چاند (مرحوم) کی « سودا » ہے اور دوسری ڈاکٹر خلیق انجم کی « مرزا محمد رفیع سودا »۔ ان دونوں کتابوں میں بھی اس قطعہ کا ذکر ملتا ہے۔ اول الذکر مصنف نے سودا کی لسانی اصلاح اور کوششوں کے سلسلے میں اس کو نقل کیا ہے[4] اور ثانی الذکر نے ہجویات کے تحت۔[5] لیکن دونوں مصنفین نے اپنے ماخذ کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ممکن ہے ان کا ماخذ آب حیات ہی ہو۔

۱　آب حیات، بار دوازدہم، لاہور، شیخ مبارک علی، ص ۱۴۲
۲　ایضاً، ص ۱۴۳
۳　ایضاً
۴　سودا، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، ہند، ۴۲ع، ص ۲۵۵
۵　مرزا محمد رفیع سودا، علی گڑھ، انجمن ترقی اردو، ہند ۶۶ ع، ص ۲۸۸

* عبدالرزاق قریشی، ریسرچ اسسٹنٹ انجمن اسلام، اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی

مولانا آزاد لائبریری ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ ، کے سلیمان کلکشن میں کلیات سودا کا ایک مخطوطہ ہے جس میں قطعۂ مزبور پایا جاتا ہے ، لیکن بجاے چار اشعار کے تین اشعار پر مشتمل ہے اسے نیچے نقل کیا جاتا ہے :

مظہر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ سودا یقیں تو جان کہ روڑا ہے باٹ کا
آگاہ فارسی تو کہیں اوس کو ریختہ واقف جو ریختہ کی زباں کے ہیں ٹھاٹ کا
کہتا ہے سن کے وہ کہ یہ اغلب ہے فارسی کتا ہے دھوبی کا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

مذکورہ بالا نسخہ ناقص الآخر ہے اس لئے اس کے زمانے کا تعین نہیں ہوسکتا.

اورینٹل پبلک لائبریری (خدابخش خاں لائبریری)، پٹنا ، کے کلیات سودا کے تین مخطوطوں میں مذکورہ بالا قطعہ ملتا ہے . ان میں سے ایک نسخے کا سال کتابت نامعلوم ہے ، اور دوسرے دو کے سنہ کتابت ١٢٢٩ھ اور ١٢٤١ھ ہیں . ١٢٢٩ھ کے مخطوطے میں یہ قطعہ اس طرح سے نقل ہوا ہے :

مظہر کا شعر ریختہ اور فارسی کے بیچ سودا یقیں تو جان کہ روڑا ہے باٹ کا
آگاہ فارسی تو کہے اوس کو ریختہ اور ریختہ بھی ہے تو فیروز شہ کی لاٹ کا
کہتا ہے سُن وہ اوس کو یہ اغلب ہے فارسی واقف جو ریختہ کی زباں کے ہے ٹھاٹ کا
القصہ ہر دو فرقہ کے نزدیک اون کا شعر کتا ہے دھوبی کا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

١٢٤١ھ کے نسخے میں اسے یوں نقل کیا گیا ہے :

مظہر کا شعر ریختہ اورفارسی کے بیچ سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا
آگاہ فارسی تو کہے اوس کو ریختہ واقف جو ریختہ کی زباں کے ہو ٹھاٹ کا
کہتا ہے سُن وہ اوس کو وہ اغلب ہے فارسی اور ریختہ بھی ہے تو فیروز شہ کی لاٹ کا
القصہ ہر دو فرقہ کے نزدیک اون کا شعر کتا ہے دھوبی کا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

تیسرے مخطوطے میں جس کا سال کتابت نامعلوم ہے اس قطعہ کو یوں لکھا گیا ہے :

مظہر کا شعر ریختہ اورفارسی کے بیچ سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا
آگاہ فارسی تو کہے اوس کو ریختہ واقف جو ریختہ کی زباں کے ہے ٹھاٹھ کا
کہتا ہے سُن وہ اوس کو یہ اغلب ہے فارسی اور ریختہ بھی ہے تو فیروز شہ کی لاٹھ کا
القصہ ہر دو فرقہ کے نزدیک اون کا شعر کتا ہے دھوبی کا نہ گھر کا نہ گھاٹھ کا

انجمن ترقیء اردو ، ہند ، علی گڑھ ، کے کتب خانے کے کلیات سودا کے ایک نسخے میں بھی جس پر سنہ کتابت دوج نہیں ، یہ قطعہ پایا جاتا ہے ، اور دو لفظی

اختلافات سے قطع نظر، بالکل اسی شکل سے نقل ہوا ہے جیسے اورینٹل پبلک لائبریری ، پٹنا ، کے ۱۲۴۱ ھ والے نسخے میں لکھا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ ، کتب خانۂ سالارجنگ ، حیدرآباد ، کے ایک نسخے میں جو ۱۲۳۸ ھ کا مخطوطہ ہے ، یہ قطعہ ملتا ہے ۔ اور دو ایک خفیف لفظی اختلافات سے قطع نظر اسی طرح سے نقل ہوا ہے جیسے مذکورہ بالا نسخے میں درج ہے ۔ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (کتب خانۂ آصفیہ) ، حیدرآباد ، کے ایک نسخے میں جو ۱۲۳۷ ھ کا مخطوطہ ہے ، یہ قطعہ ملتا ہے اور اورینٹل پبلک لائبریری ، پٹنا ، کے ۱۲۲۹ ھ والے نسخے کے مطابق ہے ۔

مذکورہ بالا نسخوں کے واضح اختلافات قطعہ کو مشکوک بناتے ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقتاً فوقتاً اس میں ترمیم ہوئی ہے یا تدریجاً اس میں تراش خراش کی گئی ہے ۔ جن نسخوں کے سال کتابت معلوم ہیں وہ سودا کی وفات (رجب ۱۱۹۵ ھ) کے بہت بعد کے مخطوطے ہیں اس لئے ان میں الحاقی کلام کے ہونے کا امکان ہے ۔ مولانا آزاد لائبریری کا نسخہ (سلیمان کلکشن) خصوصاً مشکوک ہے کیونکہ اس میں کی بیشتر پہیلیاں ، سلام ، مرثیے وغیرہ ایسے ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں پائے جاتے ۔

شیخ چاند (مرحوم) اور ڈاکٹر خلیق انجم نے کلیات سودا کے دو نسخوں کو مستند مانا ہے ۔ ایک نسخہ وہ ہے جو مرحوم حبیب الرحمان خاں شروانی کے کتب خانے میں تھا اور اب مولانا آزاد لائبریری ، مسلم یونی ورسٹی ، علی گڑھ ، کے حبیب کلکشن میں ہے ۔ ڈاکٹر خلیق انجم کی تحقیق کے مطابق یہ کلیات سودا کا سب سے قدیم نسخہ ہے ۔ « ١٧ ربیع الثانی ۱۱۷۴ ھ کو اس کی کتابت مکمل ہوئی ۔ »[1] دوسرا نسخہ وہ ہے جو سودا نے اودھ کے نائب رزیڈنٹ رچرڈ جانسن کو تحفۃً دیا تھا اور جو اس وقت انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں محفوظ ہے ۔ یہ نسخہ بقول ڈاکٹر خلیق انجم « ۱۱۹۳ھ اور ۱۹۱۵ ع کے درمیان مرتب ہوا »[2] اور « کلیات سودا کے معتبر ترین نسخوں میں ہے ۔ »[3] ان دونوں نسخوں میں مذکورہ بالا قطعہ نہیں پایا جاتا ۔

---

۱ مرزا محمد رفیع سودا ، ص ۴۴۴ و ۴۴۵
۲ ایضاً ، ص ۴۴۵
۳ ایضاً ، ص ۴۴۶

مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، کے یونی ورسٹی کلکشن میں کلیات سودا کے دو نسخے ہیں۔ ان میں سے ایک میں سنـــہ کتابت نہیں ہے اور دوسرا ۱۲۲۱ھ کا مخطوطہ ہے۔ یہ دونوں نسخے بھی قطعۂ مذبور سے خالی ہیں۔

انجمن ترقیء اردو، ہند، علی گڑھ، کے کتب خانے میں بھی اس نسخے کے علاوہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، دو مخطوطے اور محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک نسخے پر تاریخ تحریر درج نہیں، لیکن دوسرے کا سنہ کتابت ۱۱۹۵ھ ہے جو سودا کا سال وفات ہے۔ ان دو نسخوں میں زیر بحث قطعہ نہیں ہے۔

کتب خانۂ سالارجنگ، حیدرآباد، میں مذکورہ بالا مخطوطے کے علاوہ چار نسخے اور ہیں۔ ان میں سے ایک کا سال کتابت نامعلوم ہے، بلکہ یہ نسخہ نامکمل ہے۔ باقی تین کے سنـــہ کتابت ۱۲۲۰ھ، ۱۲۴۷ھ اور ۱۲۷۹ھ ہیں۔ ان تینوں نسخوں میں قطعۂ مزبور نہیں پایا جاتا۔

اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (کتب خانۂ آصفیہ)، حیدرآباد، میں بھی مذکورہ بالا نسخے کے علاوہ دو مخطوطے اور ہیں۔ دونوں میں سنہ کتابت درج نہیں۔ یہ دونوں مخطوطے قطعۂ زیر بحث سے خالی ہیں۔

ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد، کے کتب خانے میں کلیات سودا کے دو اچھے مخطوطے محفوظ ہیں۔ ایک کی تاریخ ترتیب قبل ۱۱۹۴ھ اور سنہ کتابت ۱۲۱۳ھ ہے اور دوسرے کی تاریخ ترتیب ۱۱۹۴ھ اور سال کتابت ۱۱۹۵ھ ہے، یعنی یہ نسخہ سودا کی زندگی میں یا ان کی وفات کے فوراً بعد لکھا گیا کیونکہ ان کی تاریخ وفات ۴ رجب ۱۱۹۵ھ ہے۔ ادارۂ مزبور کی فہـــرست مخطوطات کے مرتب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور لکھتے ہیں کہ «اس کلیات کے آغاز میں اصلح الدین کا لکھا ہوا فارسی نثر میں دیباچہ ہے جو سودا کی موجودگی میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سودا کی زندگی ہی میں مرتب کیا گیا ہے»۔[1] ان دونوں نسخوں میں قطعۂ مزبور نہیں ہے۔

رضا لائبریری، رام پور، میں کلیات سودا کے سات نسخے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک نسخے میں سنہ کتابت درج ہے اور وہ ۱۲۱۹ھ ہے۔ ان نسخوں میں سے کسی ایک میں بھی مذکورہ بالا قطعہ نہیں ملتا۔

---

۱ فہرست مخطوطات اردو، کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد، ۴۳ء، جلد اول، ص ۱۰۳

نول کشور پریس، لکھنؤ، کے چھپے ہوئے کلیات سودا کے متعدد اڈیشن ملتے ہیں ان میں یہ قطعہ نہیں ہے ، حالانکہ ان میں الحاقی کلام بھی بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے ۔

ان شواہد کی موجودگی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ زیربحث قطعہ سودا کا نہیں ہوسکتا بلکہ الحاقی کلام ہے ۔

نکات الشعرا ، تذکرۂ ریختہ گویان ، مخزن نکات وغیرہ میں جو میرزا مظہرؒ کے ہم عصروں کے لکھے ہوئے تذکرے ہیں، ایک بات مشترک پائی جاتی ہے ، اور وہ یہ کہ میرزا صاحب کی شعر و شاعری ‹ہنگام جوانی› تک تھی ۔ بعد میں وہ اگر اس طرف توجہ بھی فرماتے تھے تو محض تفریحاً ۔ خود میرزا صاحب نے اپنے فارسی دیوان کے دیباچے میں لکھا ہے کہ اب واردات تازہ کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے ۔ سودا ۱۱۸۵ھ تک دہلی میں رہے ۔ اگر ان کو میرزا صاحب کی زبان پر اعتراض ہوتا تو وہ قطعہ ان کے پہلے (یا سب سے قدیم) نسخے (۱۱۷۴ھ) میں موجود ہوتا ۔ لکھنؤ پہنچ کر ان کا یہ قطعہ لکھنا قیاس سے دور معلوم ہوتا ہے ، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ میرزا صاحب شعر گوئی تقریباً ترک کرچکے تھے ۔

حضرت میرزا مظہرؒ کی اس عہد کے لحاظ سے شستہ و رفتہ زبان اور شگفتہ انداز بیان کے علاوہ سودا کو اختلاف عقائد کے باوجود میرزا صاحب سے جو محبت و عقیدت تھی اس کی شہادت وہ قطعۂ تاریخ ہے جو انہوں نے میرزا صاحب کے شہید ہونے پر کہا تھا ۔ اسے نیچے نقل کیا جاتا ہے ۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ میرزا صاحب کا قاتل سودا کا ہم عقیدہ یعنی شیعہ تھا ۔

مظہر کا ہوا قاتل جو اک مرتد شوم		اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات ان کی کہی با روے درد		سودا نے کہ ‹ ہاے جان جاناں مظلوم ›

اس احترام و عقیدت کے پیش نظر یہ باور کرنا مشکل ہے کہ سودا نے « سب آداب اور رعایتوں کو بالاے طاق رکھ کر » یہ قطعہ کہا ہوگا جس میں انتہا درجے کی گستاخی اور بےادبی پائی جاتی ہے ۔

یہاں پر عشقی عظیم آبادی کا یہ بیان بھی نقل کردینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ « اکثری از سخنوران آن عہد مثل میرزا رفیع سودا و میر تقی میر باریاب صحبتش

(صحبت میرزا مظہرؒ) می گردیدند و دقائق فنون شعر و سخن بطریق استفادہ می پرسیدند ۔ »[۱]

بعض دوسرے تذکرہ نویسوں نے بھی میرزا صاحب کی زبان کی تعریف کی ہے ۔ مثلاً میرحسن جو تذکرہ نگاروں میں اپنی شعرفہمی و نکتہ سنجی کے لئے ممتاز ہیں ، میرزا صاحب کو « فصحائے زمان و بلغائے دوران » میں شمار کرتے ہیں ۔[۲] مصحفی نے ان کی فصاحت زبان کا اس طریقے سے اعتراف کیا ہے : « در تمام دیوانش (دیوان یقین) فصاحت و بلاغت زبان استاد (میرزا مظہرؒ) جلوہ ظہور می دہد ۔ »[۳]

انشاء اللہ خاں انشا نے دریائے لطافت میں اپنی اور میرزا صاحب کی ملاقات کا ذکر کیا ہے ۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ « جناب فیض مآب میرزا صاحب علیہ الرحمۃ میرزا جان جاناں مظہر تخلص کی فصاحت اور بلاغت کی شہرت بےحد سننے میں آئی تھی ۔ »[۴] انھوں نے میرزا صاحب کی زبان کی ایک جگہ اور بالواسطہ تعریف کی ہے ۔ میرغفرغینی کی زبان سے وہ کہتے ہیں کہ « میر انشاء اللہ خاں ۔ ۔ ۔ اب چند روز سے شاعر بن گئے ہیں ۔ میرزا مظہر جان جاناں کے روزمرہ کو نام رکھتے ہیں ۔ »[۵]

احد علی یکتا لکھنوی اگرچہ بذات خود میرزا محمد رفیع سودا کو افصح الفصحا مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ « بعضی تصفیۂ محاورۂ اردو را بصفائیکہ مروج است بمرزا جان جانان المتخلص بہ مظہر کہ یکی از مشاہیر صوفیۂ این عصر گذشتہ ، نسبت دہند ۔ واللہ اعلم ۔ »[۶]

---

۱ دو تذکرے مرتبہ کلیم الدین احمد ، جلد ۲ ، تذکرۂ عشقی ، پٹنا ، ۶۳ع ، ص ۱۸۱

۲ تذکرۂ شعرائے اردو مرتبہ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی ، طبع جدید ، دہلی ، انجمن ترقیء اردو ، ہند ، سنہ ۴۰ع ، ص ۱۷۱

۳ تذکرۂ ہندی مرتبہ مولوی عبدالحق ، اورنگ آباد ، انجمن ترقیء اردو ، ہند ، ۳۷ع ، ص ۲۰۳

۴ اردو ترجمہ از پنڈت کیفی ، اورنگ آباد ، انجمن ترقیء اردو ، ہند ، ۳۵ع ، ص ۲۷

۵ ایضاً ، ص ۹۵

۶ دستور الفصاحۃ مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی ، رام پور ، ۴۳ع ، ص ۶

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

اور

ادبی پبلشرز

کی مطبوعات

	قیمت
۱ - ولی گجراتی از ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	۳ رُپیے
۲ - نور المعرفت از ولی گجراتی مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیرالدین عرفی	۲ «
۳ - اردو مخطوطات مسجد جامع، بمبئی مرتبہ مولوی حامد اللہ ندوی	۴ «
۴ - میرزا مظہر جان جاناں از عبدالرزاق قریشی	۶ «
۵ - لغات گجری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی	۱۰ «
۶ - دیوان عزلت « عبدالرزاق قریشی	۱۰ «
۷ - مبادیات تحقیق از « «	۴ رپے، ۵۰ پیسے
۸ - نوائے آزادی مرتبہ « «	۵ رپے
۹ - مقالہ نما (نوائے ادب) مرتبہ مس رقیہ انعام دار	۲ «
۱۰ - راگ مالا از سید عبد الولی عزلت مرتبہ عبد الرزاق قریشی	۴ «

ملنے کا پتا:

ادبی پبلشرز، شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

ایڈیٹر : عبدالرزاق قریشی

پرنٹرپبلشر سید شہاب الدین دسنوی نے ادبی پرنٹنگ پریس ، ۸، شیفرڈ روڈ ، بمبئی ۸، میں
چھپوا کر، مالکان انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹوٹ ، ۹۲، دادا بھائی
نوروجی روڈ ، بمبئی ۱ ، کے لئے شائع کیا .

Publications of the Islamic Research Association, Bombay

1. **Diwan of Khaki Khorasani.** Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 6-00

2. **Two Early Ismaili Treatises (Haft Babi Baba Sayyidna and Matlubu'l-Mu'minin)** by Nasiru'd-din Tusi. Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 4-00

3. **True Meaning of Religion (Risala Dar Haqiqati Din)** by Shihabu'd-din Shah. Persian text, with English translation by W. Ivanow. Rs. 4-00

4. **Kalami Pir, or Haft Babi Sayyid Nasir.** Persian text, edited and translated into English by W. Ivanow. Rs. 7-50

5. **Arabon-ki Jahaz-Rani (Arab Navigation)** by Syed Sulaiman Nadwi. In Urdu (Revised Edition). Rs. 6-00

6. **The Book of Truthfulness (Kitab al-Sidq)** by Abu Sa'id al-Kharraz. Arabic text, edited and translated by A. J. Arberry. Rs. 4-00

7. **Al-Hidayatu'l-Amiriya.** Arabic text, edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs. 5-00

8. **Islamic Research Association, Miscellany, Volume I,** edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs.12-50

9. **The Nuh Sipihr of Amir Khusraw.** Persian text, edited by Mohammad Wahid Mirza. Rs.15-00

10. **Kitabu'l Kashf of Ja'far B. Mansuri'l Yaman.** Arabic text, edited by R. Strothmann. Rs.25-00

ملنے کا پتہ:

ادبی پبلشرس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

Adabi Publishers, 8, Shepherd Road

BOMBAY - 8

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription :

Inland & Pakistan : Rs. 6 Foreign : Shillings 12
(inclusive of postage)

Price per copy: Rupee one & Paise fifty

[Vol. 21 1970 JULY - SEPTEMBER No. 3

All remittances to be made to

THE ADABI PUBLISHERS

8 Shepherd Road, Bombay 8 (India)

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

ناشر

ادبی پبلشرس (شعبۂ اشاعت انجمن اسلام) بمبئی ۸

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی، ایچ، ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:- چھ روپے
فی پرچہ:- ڈیڑھ روپیہ
} مع محصول ڈاک

ایڈیٹر: عبدالرزاق قریشی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۱. دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

نوائے ادب بمبئی

تاریخ اشاعت ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۰ ع

جلد ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۰ شمارہ ۴

شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شاہ بہاء الدین باجنؒ	شیخ فرید الدین برہان پوری	۱
۲	خزائن رحمت	شیخ فرید الدین برہان پوری	۱۰
۳	قصیدۂ امین گجراتی	ابوالنصر محمد خالدی	۵۲
۴	اردو میں لسانیاتی تحقیق	گوپی چند نارنگ	۶۴
۵	مقالہ نما	عبدالحلیم ساحل	۱ ـ ۲۶

٭ شیخ فرید الدین برہان پوری

شاہ بہاء الدین باجن رح

نویں صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ شاہ باجن رح کا نام شاہ بہاء الدین ابن حاجی معز الدین اور لقب و تخلص باجن ہے۔

حاجی معز الدین مولانا احمد مدنی کی اولاد میں سے ہیں۔ شاہ موصوف نے «خزائن رحمت» میں اپنا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا ہے:

> «بہاء الدین الملقب بہ باجن ابن معز الدین ابن علاء الدین ابن شہاب الدین ابن شیخ عبد الملک المعروف بہ شیخ ملک و قیل ملک شہ ابن احمد القریشی الخطابی ابن اعظم...»[1]

یہ سلسلۂ نسب اس طرح حضرت آدم تک چلا جاتا ہے۔ سلسلہ میں اسماء کے اختلاف کے بارے میں مرقوم ہے کہ

> «پس از عدنان اسامی بسیار اختلاف است و پیش از عدنان اکثر اختلاف نیست»[2]

عاشق رسول مولانا احمد مدنی کے متعلق صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ ابومدین کے مریدوں میں سے تھے۔ عارف کامل اور زاہد مرتاض تھے۔ علم حدیث اور تفسیر میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ علم حدیث کی اکثر مشکلات معاملہ میں حضور سرور کائنات صلعم سے حل کرلیا کرتے تھے۔ ہمیشہ نصف شب بعد روضۂ اقدس پر آستانہ بوسی کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ حرم محترم کے دروازے کھل جاتے تھے۔[3]

ایک مرتبہ مولانا احمد مدنی کے دل میں سیر و سیاحت کی خواہش پیدا ہوئی۔

٭ ڈاکٹر شیخ فرید الدین برہان پوری، ام. اے. (اردو)؛ ام. اے. (فارسی): پی اچ. ڈی. پروفیسر و صدر شعبۂ اردو و فارسی، جبل پور یونیورسٹی، جبل پور: دکن بورڈ اف اسٹڈیز، فیکلٹی اکیڈمک کاؤنسل، جبل پور یونیورسٹی، جبل پور: دکن بورڈ آف اسٹڈیز عربی و فارسی، فیکلٹی آف آرٹس، ناگپور یونیورسٹی، ناگ پور.

۱ خزائن رحمت (قلمی)، ص ۱۱، تاریخ برہان پور ص ۱۰۱، اذکار ابرار ص ۲۱۲، گلزار ابرار (قلمی) ورق ۱۳۷

۲ خزائن رحمت ص ۱۲

۳ ترجمۂ گلزار ابرار - اذکار ابرار ص ۲۱۲، گلزار ابرار ورق ۱۳۹

اپنے فرزند شیخ عبدالملک کو ہمراہ لیا ۔ چند سفردوست طلباء بھی ہمراہ تھے ۔ عراقین ، خراسان ، ماوراء النہر اور سندھ کی سیر کرتے ہوئے دہلی آ پہنچے ۔ دہلی میں چند سال حدیث کا درس دیا ۔ دہلی کا بادشاہ (؟) ان کا معتقد ہوگیا اور ان کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی شادی کردی ۔[1]

چند سال بعد مولانا احمد اپنے ہمراہیوں کے التماس پر اپنے وطن واپس چلے گئے اور شیخ ملک نے دہلی کو اپنا وطن بنا لیا ۔[2] شیخ عبدالملک کے یہاں شیخ شہاب الدین اور شیخ شہاب الدین کے یہاں شیخ علاء الدین اور شیخ علاء الدین کے یہاں حاجی معز الدین فرزند پیدا ہوئے[3]

اس متقی اور متورع خاندان کے چشم و چراغ حاجی معز الدین مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری کے مرید تھے ۔ سات مرتبہ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو چکے تھے ۔ تین حج تنہا کئے اور باقی اپنی والدہ کے ساتھ ادا کئے ۔

بزرگوں کے وطن کے دیدار کی تمنا نے حاجی معز الدین کو سفر حجاز پر اکسایا ۔ انتظام کرکے گجرات پہنچے تو اس کی دامنگیر خاک نے انہیں عیال داری میں پھنسا دیا ۔

احمدآباد میں سنہ ۷۹۰ ھ میں شاہ باجنؒ پیدا ہوئے ۔ جب ان کی عمر چار سال کی ہوئی تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا خزائن رحمت میں وصال کےوقت ان کی عمر ۱۵ سال بیان کی گئی ہے ۔[4] دیگر تذکرہ نویسوں کے بیانات میں اختلاف ہے ۔[5]

شاہ باجنؒ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں تذکرے خاموش ہیں ۔

ارادت و بیعت

صاحب خزینۃ الاصفیاء[6] نے شاہ باجنؒ کو شیخ عزیز اللہ متوکل کا مرید لکھا

---

۱ خزائن رحمت ص ۵۹ « پادشاہ دہلی بسیار معتقد شد و دختر خود را بہ پسر ایشان کار خیر کردہ دادہ .»
تاریخ برہان پور ص ۱۰۲
تذکرۂ اولیاے دکن

۲ خزائن رحمت ص ۵۹

۳ خزائن رحمت ص ۵۹

۴ خزائن رحمت ص ۵۸

۵ اذکار ابرار ۱۴۰ سال (ص ۲۱۲)
اولیاے دکن ۱۳۹ سال (ص ۱۸۸)
تاریخ برہان پور ۱۲۵ سال (ص ۱۰۲)

۶ خزینۃ الاصفیاء ، ص ۴۱۱ ، جلد اول (شیخ علی متقی کے بیان میں)
اخبار الاخیار ، ص ۱۱۲

ہے ۔ مگر وہ خود اپنے رسالہ «خزائن رحمت» میں شیخ رحمت اللہ سے اپنی ارادت کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور بار بار خود کو شیخ رحمت اللہ کا غـــلام اور مرید لکھتے ہیں۔ خزائن رحمت میں انھوں نے اپنی ارادت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ میں پندرہ سال کا ہوا تو میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ مجھ کو مرید کرادیں۔ اس وقت ان کی والدہ نے ان کے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیا کہ :

> «تمہارے والد حاجی معز الدین مخدوم جہانیـان کے مرید و خلیفہ تھے ۔ ان کے نبیسہ سید برہان الدین قطب احمدآباد میں تھے اور ان کی والدہ کو بہن کہتے تھے ۔ ایک روز حاجیٔ موصوف کے ہمراہ سیـــد قطب کے گھر گئے ۔ حـاجیٔ موصوف نے خدا سے اس فرزنـد کی درازیٔ عمر کی درخواست کی ۔ حضرت نے نام دریافت کیا تو عرض کیا کہ اس کا نام بہاء الدین ہے ۔ سید موصوف نے بہاء الـدین زکریا کہہ کر سر اٹھا لیا اور ملتانی زبان میں کہا :
>
> ‹ اسارہا بہاء الدین اللہ بود ہودو سو تہائی ›
>
> اور میٹھے چاول کھلاکر رخصت کردیا»[1]

یہ شاہ باجنؒ کے بچپن کا واقعہ ہے ۔ جب شاہ باجنؒ نے مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی تو ان کی والدہ نے سید برہان الدین قطب سے مرید ہونے کا مشورہ دیا ۔ وہ اپنی والدہ کے ہمراہ ان کے گھر گئے ۔ والدہ نے اندر جاکر حضرت قطب سے انھیں مرید کرنے کی درخواست کی ۔ شاہ باجنؒ جماعت خانـہ میں تھے ۔ انھوں نے شاہ موصوف کو دیکھ کر کمال حیرت سے ان کی بزرگی اور عظمت کی تعریف کی اور فرمایا کہ اس کی ارادت ہماری طرف نہیں ہے ۔

ان کی والدہ نے ناراض ہوکر ان کے یہاں آنا جانا بند کردیا ۔ سید برہان نے لوگوں سے دریافت کیا تو معلـــوم ہوا کہ فرزند کو مرید نـہ کرنے کی وجـہ سے ناراض ہیں ۔ سید موصوف نے شاہ باجنؒ کو مرید کرنے کے لئے طلب کیـا ۔ وہ آمادہ ہو گئے ۔

شاہ باجنؒ کے چچـازاد بھائی شیخ میاں شیخ رحمت اللہ کے مرید تھے اور

---

۱ اولیائے دکن ، ص ۱۸۹

تاریخ برہان پور ، ص ۱۰۲

اذکار ابرار ، ص ۲۱۳ : ۱۴ سال

وہ اپنے مرشد سے ملنے جا رہے تھے۔ باصرار شاہ باجنؒ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ وہ اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر وہاں چلے گئے۔ شیخ رحمت اللہ کے جماعت خانہ میں پہنچے۔ شیخ موصوف گھر میں تھے۔ ان کو اطلاع دی گئی۔ خادم نے آکر کہا کہ وضو کرکے آتے ہیں۔ جیسے ہی شیخ رحمت اللہ جماعت خانہ میں آئے شاہ باجنؒ کی نظر ان کے قدموں پر پڑی اور وہ سجدہ میں گرگئے۔ شیخ رحمت اللہ نے ان کو مرید کیا اور انھیں اپنی کلاہ پہنا دی۔

اکیس برس تک شیخ کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا اور ولایت کے درجہ پر پہنچے۔ پھر اجازت لے کر خشکی کی راہ سفر حجاز پر روانہ ہوئے۔ دہلی سے خراسان پہنچے۔ خراسان سے زیارت کعبہ کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت سرور کائنات نے ان کے پیر سے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے مرید سے کہہ دیں کہ حج قبول ہوا۔ اب لوٹ کر برہانپور خاندیس میں قیام کریں اور طالبان علم و عرفان کی ہدایت و رہنمائی کریں۔[1]

اس کی تعبیر انھوں نے پیر کی رحلت سے کی۔

شیخ رحمت اللہ کے کوئی فرزند نہ تھا۔ انھوں نے اپنے بھتیجے شیخ احمد عطاء اللہ ابن شہر اللہ کو ایک خاص خرقہ سپرد کیا کہ وہ اسے شیخ باجنؒ تک پہنچا دیں۔ جب شاہ باجنؒ نے ہندوستان کی طرف مراجعت کی تو شیخ رحمت اللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

خانقاہ میں پہنچے اور آستانہ بوسی کا شرف حاصل کیا۔ شیخ ابو احمد نے خرقہ اور فرمان ان کو دے دئے۔ شاہ باجن نے خرقہ قبر پر اور فرمان قبر کے پاس رکھ دیا اور مؤدب کھڑے ہوگئے۔ قوالوں نے گانا شروع کیا جب اس « سخن » پر پہنچے:

شاہ رحمت اللہ منجہ بہ بلاؤ
تم باج لاگوں کس کے پاؤ

تو قبر سے ندا آئی:

باجن لاگے تیرے پاؤ[2]

اس روز سے باجن ان کا لقب مشہور ہو گیا۔

---

۱ اولیاے دکن، ص ۱۸۹
اذکار ابرار، ص ۲۱۳
گلزار ابرار، ورق ۱۳۹ ب
۲ خزائن رحمت، ۷۵

چند سال انھوں نے شیخ احمد عطاء اللہ کی خدمت میں گذارے۔ ایک روز احمدآباد میں انھیں خیال آیا کہ ان کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہوگئی ہے۔ شاید ان ایام میں سفر واقع ہو جائے۔ اس رات شیخ رحمت اللہ کو خواب میں دیکھا کہ صحن میں کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں :

« ای شیخ باجن ، عمر پدر شما صد و پنجاہ سال بود و عمر شما صد و بیست سال است . مقام شما در شہر برہان پور است . وصال شما ہمانجا خواہد شد . »[1]

شیخ باجنؒ کی عمر کا بڑا حصہ سیاحی میں گذرا . وہ سندھ سے خراسان تک اور دکن میں سیلون تک سفر کر چکے تھے .

« ایں فقیر از طرف سندھ تا خراسان و از طرف دکن تا سیلان مسافرت نمود . »[2]

سلطان غیاث الدین (۸۷۳ - ۹۰۵ھ) کے زمانہ میں وہ شیخ عزیز اللہ متوکل کے روضہ کی زیارت کے لئے مانڈو بھی گئے تھے .

ایک مدت کے بعد انھیں شیخ برہان الدین اور شیخ زین الدین کے روضہ کی زیارت سے مشرف ہونے کا خیال آیا . تین رات تک جو معاملہ پیش آیا اس کو یوں بیان کیا ہے :

« ہمدران سہ شب متواتر در معاملہ فرمودند کہ وصال ما شدہ است .
. . امانت بہ شما است . و شہر برہانپور حوالۂ شما کردیم و اجازت نامہ نوشتہ دادند . »

ان دنوں شیخ جیون حضرت برہان الدین غریب کے روضہ کے مرید تھے . ان کو حضرت موصوف نے خواب میں فرمایا کہ شیخ باجنؒ زیارت کے لئے آ رہے ہیں ، ان کو امانت دے دیں . جب شیخ باجنؒ وہاں پہنچے تو انھوں نے تاخیر کی . خواب میں ان کو تاکید کی گئی . دوسرے دن امانت ان کے سپرد کردی .

اس کے بعد شیخ برہان الدین نے شاہ باجنؒ سے معاملہ میں فرمایا کہ برہان پور ہمارا مقام ہے . اسے ہم نے تمھارے سپرد کیا .

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۱۳

۲ خزائن رحمت ، ص ۲۷

۳ خزائن رحمت ، ص ۷۶

اصل عبارت ملاحظہ کیجئے :

« بعد از آن حضرت شیخ برہان الدین این فقیر را در معاملہ
فرمودند کہ برہان پور مقام ماست ، حوالہ بہ شما کردیم
« این فقیر را وداع کردہ بہ برہان پور فرستادند »[1]

وہ دولت آباد سے بیدر پہنچے ۔ بیدر میں شیخ منجھلے منصور زماں مسعود بک کے خلیفہ تھے ۔ ان کی خدمت میں چلہ کشی کی اور خرقۂ مسعودی حاصل کیا ۔ پھر وہ گجرات لوٹے اور یہاں آٹھ سال تک خلوت و ریاضت کی ۔[2]

اس کے بعد برہان پور میں قیام کے دیرینہ فرمان کی تعمیل کا وقت آیا ۔ وہ برہان پور کی طرف متوجہ ہوئے اور خانہ پور (توابع برہان پور) میں قیام کیا ۔ شہر کے حکام اور مشائخ کرام انہیں شہر میں لائے ۔ یہاں ان کے واسطے گھر ، خانقاہ اور جامع مسجد تعمیر ہوئی ۔

برہان پور میں قیام

برہان پور میں شاہ باجنؒ کے قیام کی مدت کا تعین مشکل ہے ۔ چالیس برس کی عمر میں احمد کے خواب ، سفر اور بعد میں آٹھ سال تک قیام احمد آباد کو محسوب کیا جائے تو تقریباً ۵۵/۶۰ سال ہوتے ہیں ۔ گویا انہوں نے عمر کا نصف سے کم حصہ یہاں گذارا ۔[3]

اگر تعمیر مسجد کا سن بنیاد ۸۷۷ھ سے ۴/۵ سال قبل برہان پور میں اقامت گزینی کا شمار کریں تو تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے ۔

برہان پور میں وہ زہد و عبادت اور ریاضت میں مصروف ہو گئے اور رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے ۔

برہان پور میں شیخ حسام الدین (متوفی سنہ ۹۶۰ ھ) نے علی متقی کو ان کا مرید کرایا:

« اولاً پدر والا قدر او را در عمر ہفت سالگی بخدمت شاہ باجنؒ
کہ در برہان پور سکونت داشت مرید کرد . »[4]

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۷۷
۲ اذکار ابرار ، ص ۲۱۴
۳ شاہ باجن رحؒ ، تاریخ پیدایش ۷۹۰ ھ
تاریخ وفات ۹۱۲ ھ
۴ خزینۃ الاصفیاء ، ص ۴۳۲

شاہ باجنؒ نے بقیہ عمر طالبان علم و معرفت کی رشد و ہدایت میں خانقاہ میں بسر کی

زہد و ریاضت ان کے صحیفۂ کمال کے روشن ابواب ہیں ان کی ذات تصوف اور علم باطن کا سرچشمہ تھی۔ اس سے ہزاروں سالکان معرفت فیض یاب ہوئے۔ برہان پور ان کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا اور یہ فیض آج تک جاری ہے۔

شاہ باجن سنہ ۹۱۲ ھ میں واصل بحق ہوئے۔[1] قطعات تاریخ وفات ملاحظہ ہو:

شاہ باجن در زمانش قطب بود
رخت خود را چون بسوی حق ربود
از سر افسوس شد تاریخ آن
شاہ باجن عاشق اللہ بود

شاہ باجن نزد شاہ بیچگون محبوب شد
سال تاریخ وصالش در حروف خوب شد

مقبرہ:

برہان پور میں شاہ باجنؒ کا مقبرہ زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مقبرہ ایک وسیع احاطہ کے شمالی مشرقی گوشہ میں ایک خانقاہ سے متصل ہے۔ احاطہ میں مغربی رخ پر سہ دری عالیشان مسجد ہے۔

سنگ سیاہ کی مسجد اور مقبرہ فاروقی دور کی تعمیری یادگاریں ہیں۔ عادل خاں فاروقی کو شاہ موصوف سے گہری عقیدت تھی۔ مسجد کی دو ممتاز خصوصیات سادگی اور استحکام ہیں۔ آہک پاشی نے اس کی خوب‌صورتی کو چھپا دیا ہے۔

مسجد سے متعلق دو کتبات ہیں۔ ایک کتبہ مسجد میں ستون پر ہے اور دوسرا احاطہ کے جنوبی رخ کے باب داخلہ پر لگا ہوا ہے۔ دروازہ کا یہ کتبہ ملبہ میں پڑا ہوا تھا۔ مسجد کی مرمت کے دوران اسے اٹھا کر دروازہ پر لگا دیا گیا ہے۔

باب داخلہ کا کتبہ — سنہ ۸۷۷ ھ کا یہ کتبہ، تعمیر مسجد سے متعلق دو سطروں کا ہے۔

سطر ۱ بَنَی هذا المسجدَ فی زمنِ خان الأعظم و خاقان المعظم عادل خان زادَ اللهُ عُلُوّه تاجُ ابن کیلا حَسْبَةَ لِلّهِ

سطر ۲ و رَجا(ءَ) علیهِ قالَ علیه السلام: «مَن بنَی مسجداً لِلّهِ بنَی اللهُ

---

۱ تاریخ برہان پور، ص ۱۰۳

(لَہُ) قصراً فی الجنۃِ » فی شہور سنۃِ سبعو سبعین و ثمانَ مائۃِ

دوسرا کتبہ مسجد میں ایک ستون پر ہے۔ چھ سطروں پر مشتمل کتبہ کے سرنامہ پر طغرا میں تاج کی شکل میں ایک عبارت ہے جو ابھی تک صاف نہیں پڑھی گئی ہے۔

دوسرا کتبہ شاہی حکم ہے جس کی خواندگی سطور ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:

۱۔ این مثال واجب التعظیم از بندگی حضرت اعظم همایون ادعائیا تا اصحاب مستاجر و عہدہ

۲۔ داران وزارت دامت تائیدهم بعزیز دانند. چند دوکان ازان ملک الشرق

۳۔ تاجکیلا بجهت ارباب مسجد که بناء جدید ملک الشرق مذکور است انعام عاطفت فرموده

۴۔ سبیل عهده‌داران دیوان وزارت و اصحاب مستاجر آنکه امروز باز گرد و پیرامون بازار

۵۔ مذکور نگردند و یا بی‌وجه تشویش و مزاحمت ندهند هرچه حاصل بازار مذکور باشد، در هر سالے در موجب جائز

۶۔ داده دارند. بمزید تاکید محتاج نگردیده حکم پروانۂ معظم و مثال مکرم توجه کنند تا پسندیده افتد.

سال بنیه سبعو سبعین وثمانمائة

شمالی رخ پر سنگی حجروں کی ایک خانقاہ ہے جو موجودہ احاطہ کے بیرونی جانب شمال کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں۔ ان سے احاطہ کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کے نشانات بھی اب زمانے نے مٹا دئے ہیں۔

ان حجروں کے بعد چند قبریں اور ایک مقبرہ ہے۔ گنبد کے داخلی دروازہ پر ایک رباعی کندہ ہے۔ رباعی کے اردگرد خوب صورت رنگین چینی پتھروں سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ یہ کاشی کاری کا عمدہ نمونہ ہے۔

مشرقی رخ پر ایک خانقاہ ہے۔ جنوبی رخ پر ایک بلند چبوترہ پر چند قبریں ہیں۔

مسجد سے متصل گلی میں شاہ عبدالحکیم ابن شاہ باجنؒ[1] کا مزار ہے۔ ان کی ایک قلمی یادگار « حاشیۂ تلخیص المفتاح ، کتب خانۂ درگاہ برہان الدین راز الہی (برہان پور) میں محفوظ ہے۔ ان کے صاحب زادے شیخ فرید صاحب تصنیف تھے۔ ان کی تخلیقات نظم و نثر کا پتہ نہ چل سکا صاحب گلزار ابرار نے لکھا ہے کہ « فارسی اور عربی کی بہت سی مبسوط کتابوں کا انتخاب اس طرح کیا ہے کہ وہی انتخاب ان مبسوط کتابوں کے معانی کا فائدہ دیتا ہے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ »[2]

گلزار ابرار (قلمی ، ورق ۳۹۶ پر) اور ثمرات الحیات (مرتبہ عاقل خان رازی ، قلمی) کے چند ثمروں میں شیخ فرید کا ذکر ملتا ہے۔

عزت اللہ خاں (نبیرۂ شاہ باجنؒ) کی فقہی تصنیف مرآۃ المسائل[3] فقۂ حنفی پر ایک مبسوط کتاب ہے۔

صاحب تذکرۂ اولیائے دکن نے انوار الاخبار اور مشکوۃ النبوۃ کے حوالے سے شاہ باجنؒ کی اولاد میں سے ایک صاحب تصنیف فرد شاہ اسد اللہ کا ذکر کیا ہے۔

سجادہ نشینوں کی غفلت اور بےپروائی کی وجہ سے خانقاہ اور حجروں کی حالت شکستہ ہو گئی ہے۔ مختلف اسناد سے جو راقم کے پاس ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ کی نگرانی کے لئے راویر ، خانہ پور ، سنکھیڑا وغیرہ علاقہ شاہ جہان ، اورنگ زیب اور شاہ عالم نے جاگیر میں دئے تھے۔ ان جاگیروں کو ان کے مالکوں نے مع اسناد[4] فروخت کر ڈالا۔

---

۱ حالات ، اذکار ابرار ، ۲۶۵

۲ اذکار ابرار ، ۶۰۳

۳ مرآۃ المسائل پر ملاحظہ کیجئے راقم کے مضامین :
- سب رس ، جون ۵۹ع
- مجلۂ علوم اسلامیہ ، علی گڑھ

۴ اسناد پر مضمون کے آخر میں لکھا جائے گا ۔ ف

* شیخ فرید برہان پوری

خزائن رحمت

«خزائن رحمت» حضرت شیخ باجن رح کی قلمی یادگار ہے۔ اس میں حضرت موصوف نے اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ رحمت اللہ کے ارشادات اور دیگر مشائخین کے اقوال وغیرہ جمع کئے ہیں۔ اس میں توحید و معرفت کے اسرار و رموز کا بیان ہے۔ حضرت موصوف نے جا بجا اپنے ہندی اشعار اور دوہے نقل کئے ہیں:

راقم السطور کے علم میں «خزائن رحمت» کے تین قلمی نسخے ہیں:[1]

۱۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا زشت خط نسخہ

۲۔ سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری (مقیم کراچی) کا نسخہ

۳۔ ناقص الآخر قلمی نسخہ مملوکہ مولوی سید احکام اللہ صاحب (برہان پور)

حضرت باجن رح کے اشعـــار اردو کا قدیم ترین نمونہ ہیں۔ اپنی زبان کو وہ «دہلوی زبان» کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو اس عہد کی زبان اور اس کے کینڈے کی نشان دہی کرتی ہے۔ زبان کے لســـانیاتی نقطۂ نظر سے ان کے اشعار کا مطالعہ اہم ہے۔ اس سے اردو کے ارتقائی پہلوؤں کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

تعارف و تبصرہ:

حمد و ثنا کے بعد، بسم اللہ کی فضیلت کے بیان میں احادیث نبوی سے استناد کیا گیا ہے۔

---

۱ راقم کے پیش نظر نسخہ ۳ کی نقل ہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق کو برہان پور سے خزائن کا ایک نسخہ ملا تھا۔ جو ۱۹۴۷ء میں دہلی میں ضائع ہوگیا۔ مولوی خلیل الرحمن (مولف تاریخ برہان پور) کے پاس بھی اس کا ایک نسخہ تھا۔

---

* ڈاکٹر شیخ فرالدین برہان پوری ام۔ اے (اردو)؛ ام۔ اے (فارسی)، پی اچ۔ ڈی؛ پروفیسر صدر شعبۂ اردو و فارسی، جبل پور یونی ورسٹی، جبل پور؛ رکن بورڈ آف اسٹڈیز، فیکلٹی اکیڈمک کونسل جبل پور یونی ورسٹی، جبل پور؛ رکن بورڈ آف اسٹڈیز عربی و فارسی، فیکلٹی آف آرٹس، ناگپور یونی ورسٹی، ناگپور۔

خالقِ کائنات کی حمد و ثناء یوں بیان کی گئی ہے :

«حمد مر خدائے را کہ جمیع اشیاء را باجدت موجود گردانید و در ہر شے بفردیت خود ظاہر کہ جمال خود را جلوہ دارد.... »

حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا کی پیدائش کے بعد مرقوم ہے کہ

«ہمہ تن ہا از تن آدم موجود گردانید و در ہرتنی دلی مو در ہر دلی جانی و در ہر جانی جانانی خود عیان شد »

دلم تنہا و خوبـان چند تن ہا
بگو چون می رسد یک تن تنہا
فـدا جان ہا و تـن ہا بر تو تنہا
کہ تنہا می بری جان ہا و تن ہا

اس کے بعد شاہ باجن رح کے ذیل کے دو شعر مرقوم ہیں :

ہیا یو روپ سروپ کہیں ان ایکی ایک
کہ کیوں ملتـــا ہے اس ایکی ایک
باجن جیون واردئی تجہ ایکی ایک
توں ہی ایک نجانا، سب ہی جیویں ایکی ایک[1]

جب ہستئ مطلق کا بحرِ وجود جوش میں آیا اور حسنِ ازل نے پردہ سے باہر آنا اور کمالات و شیونات کو ظاہر کرنا چاہا تو اپنے کمالات سے ہزاروں، لاکھوں صورتوں میں آپ ہی اپنے اوپر جلوہ فرما ہوا. اس بحرِ وجود نے جو اپنی ہستیء مطلق سے سب کا محیط ہے اپنے امواج علمی کی مختلف حیثیتوں سے مختلف عالم پیدا کئے.

ہر یک بشکل کون دگر گون نہاد گر[2]
کامل مصوریست کہ یکساں نیـــافرید

تجہ ایک روپ ہور بہانت بہوت
دیکہ عاشق شیدا ہونی ہوئے

---

۱ روپ سروپ ـ شکل و صورت ایکی مختلف جیون ـ زندگی وار دئی ـ قربان کیا
نجانا ـ غیر معلوم جیویں ـ مخلوقات

۲ خزائن رحمت ص ۴ ــــ اورینٹل کالج میگزین ، نومبر ۱۹۲۰ء، ص ۱۲۰
ہور ـ اور بہانت ـ قسمیں بہوت ـ بہت سریکہا ـ مانند

باجن ایکی ایک سریکھا ناہیں
یہ کہئیے جوئی جوئے

اس کے بعد سورۂ اخلاص کا ترجمہ مندرج ہے۔

نا اُنہ جنیا نا وہ جانا نا اُنہ مائی باپ کھیلیا نا اُنہ کوئی گود چڑھایا
باجن سبہ اُنہ آپن پایا پرگٹ ہوا پر کہیں نہ بیٹھا رہیا آپ گھایا۔[1]

صفات و تجلی کی دو انواع، جلال و جمال، کے بیان کے ذیل میں «لیس کمثلہ شئ» کی تشریح کرتے ہوئے سعدی اور سنائی کے اشعار نقل کئے گئے ہیں

اقرار می‌کنند دو جہاں بر یگانگیش
یکتا و پشت عالمیان بر درش دوتا

سعدی

ہرچہ در خاطرت آید کہ من اینم نہ من آنم
ہرچہ در وہم تو گنجد کہ چنین ام نچنانم

اس کے بعد شاہ باجنؒ کا ہندی شعر درج ہے:

باجن وہ کس سرکھا ناہیں ہور اس سرکھا ناہی کوئے
جنیا کوئی من منہ چنتوے ویسا بھی نا ہوئے[2]

حمد و ثناء میں اقرار عجز کرتے ہوئے شاہ موصوف نے اپنے چار فارسی اور دو ہندی اشعار نقل کئے ہیں:

«در حالِ گدائی این فقیر چیزی گفتہ است ...

---

۱ خزائن رحمت، ص ۴ پنجاب میں اردو، ص ۳۷ میگزین، ص ۲۲۰
نہ اس کو کسی نے جنم دیا نہ اس نے کسی کو جنم دیا نہ اس کو کسی ماں باپ نے کھلایا نہ کسی نے اس کو گود لیا سب نے اس کو اپنے اندر پایا وہ کہیں ظہور میں آ کر بیٹھا نہیں رہا۔
پروفیسر شیرانی نے آخری مصرع یوں لکھا ہے
باجن سبہ انہ آپ نہ پایا پرگھٹ ہوا پر آپ لگایا

۲ خزائن رحمت، ص ۵ اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۴۰ع ص ۱۲۰
سرکھا، سریکھا، مانند ناہین نہیں ناہی جنیا جو کوئی من دل
منہ۔ میں چنتوے۔ تصور کرے

«بدرستی و راستی که من اگرچه هستم پسر آدم از روی صورت امّا مرا معنی ست در آن صورت که گواهی به پدری من بدهد.» دوهره:

پیٹھا جایا باپ بابا پند جایا بیٹا اکھے باجن بندت یاں دیویہ ہٹیا[1]

حقیقتِ محمدی کے ذکر میں ذیل کے دو اشعار کے بعد ایک دوهره ہے.

اشعار:

وصفِ حق را جز محمد کس نداند وصف احمد جز خدا دیگر که خواند

جز خدا او را کسے نشناخته کس خدا را هم چو او نشناخته

دوهره:

محمد سرور پرم کار رحمت اللہ بھریا باجن جیوڑا وار کراکین دھریا[2]

حمد و نعت کے بعد مصنف نے اپنا شجرہ حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ عدنان کے بعد اسامی میں اختلاف. عدنان کے قبل زیادہ اختلاف نہیں ہے.

سببِ تالیف:

مؤلف نے شیخ رحمت اللہ کے بعض کلمات اور مشائخ سلف کے کلمات و مناقب جو کتبِ معتبرہ سے جمع کئے تھے مرتب کرکے رسالہ کا نام «خزائن رحمت اللہ» رکھا تاکہ اس خانوادہ کے ارادت مند مستفیض ہو سکیں.

«این فقیر بهاء الدین الملقب به باجن که غلام سلطان المشائخ المفتقر الی الله مخدوم شیخ رحمت الله قدس الله سره العزیز است بعضی کلمات از زبان حضرت ایشان و از کلماتِ مشائخ سلف و مناقب ایشان که منقول از کتب معتبره جمع کرده بود و آنچه در طبع این

---

[1] خزائن رحمت ص ۹

پیٹھا - بیٹا جایا - پیداکیا بابا - باپ پند - اوپری طور سے

اگر پنڈ پڑھا جائے تو جسم مراد ہوگا

اکھے - پہلا بندت - معزز دیویہ - دیوتا

جو پہلے پیدا ہوا وہ معزز ہے

[2] ایضاً ص ۱۰

باجن جیوڑا وار کر سر آگین دھریا، اورینٹل کالج میگزین نومبر ۳۰ ع

بھریا - بھردیا جیوڑا، جیونا، جیون - زندگی وار کراکین - قربان کرکے [رحمت اللہ نے محمد کا سرود ہمارے اندر بھردیا. باجن نے زندگی نثار کردی] پنجاب میں اردو ص ۲۰۷

ہر صبح و شام بر درِ تو می‌کنم صدا
از خود جدا مگرداں ، بنما مرا لقا[1]
و آن کاسۂ زنجیل کا نرا بہا کافورا
وان مشک بوے لون شرابست طہورا

باجن بشارتی کہ ہمین دارد و پناہ　　کس نا امید نیست خود از رحمتِ الہ

ہندی اشعار :

باجن بکھاری کیا بکھان کرے گا　　وے اپنی بھیکہ کارن کچھ کچھ کہے گا
جے کچھ قسمت ہے سو ھی ھے گا　　گدا کوں تیو ہی مانگیا کرے گا[2]

اعتراف عجز کے بعد خدا کی ستّارالعیوبی ، عیب پوشی ، خطا بخشی کا ذکر کرتے ہوئے اس تالیف کے عیوب و اسقام سے چشم پوشی کی استدعا کی گئی ہے اس سلسلے میں ذیل کا دوہرہ منقول ہے :

باجن جے کسی کے عیب ڈھانپے　　اس تھے دُرجن تھر تھر کانپے
نعمتِ علی ایسی تھے پائے　　میچیاں انکھیان چاری نکھائے

حمد و ثناء کے بعد نعتِ سرورِ کائنات ہے. کلام پاک کی آیات کے حوالے اور ان کے ترجمے کے بعد ذیل کا عربی شعر اور اس کا فارسی نثری ترجمہ دیا ہوا ہے.

اِنّی و اِن کُنت ابن آدم صورة　　فلیٰ فیہ معنی شاہد بابوتی

۱　آب زدگی کی وجہ سے صاف نہیں پڑھا جا سکا.

۲　پنجاب میں اردو ص ۲۰۷ پر یوں مرقوم ہے

باجن بکھیاری بکھاں کریگا　　وے اپنی بھیک کارن کچھ کچھ کہیگا
جو کچھ قسمت میں ہے سو ہی لہیگا　　گدا کوں یتو ہی براتا رہیگا

خزائن رحمت ص ۷ پنجاب میں اردو ص ۲۰۷

بکھاری - تعریف کرنے والا　　اگر بھکاری پڑھیں تو بیچارہ مراد ہوگا
بکھان - تعریف　　بھیکہ - بھیک　　کارن - واسطے　　کچھ - کچھ
کوں - کو　　تیوھی - تو یونہی　　مانگیا کریگا مانگا کریگا

۳　خزائن رحمت ، ص ۸ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۳۰ع ص ۱۲۰
پنجاب میں اردو، ص ۲۰۷
جے - جو　　تھے - سے　　درجن - عیب والا　　میچیاں - میچ بھاں ہوئی
میچیان ..... آنکھیں ان سے چار نہیں ہوتی تھیں

فقیر گنجید و سنجید تحریر یافت و این رساله « خزائن رحمت الله » نام نهاد ....

باعث نوشتن این رساله آن بود که مریدان و معتقدان این خاندانِ کرام ارشاد بگیرند . »[1]

زیر نظر رساله سات خزائن پر مشتمل ہے۔ اس کی زبان سادہ اور آسان ہے تاکہ عوام و خواص آسانی سے سمجھ سکیں۔[2]

فہرست مندرجات ملاحظہ کیجئے :

خزائن اوّل : چار مشائخ کے مناقب اور آٹھ انبیاء کے ذکر پر مشتمل ہے۔

مناقب اوّل : شیخ رحمت الله کے ذکر میں ہے۔ اس کی نو قسمیں ہیں :

قسم اول — پیدائش

قسم دوم — طفلی سے بلوغ تک بعض احوال

قسم سوم — ذکر ایثار و انکسار

قسم چہارم — ذکر حیا و آداب

قسم پنجم — ذکر عبودیت و تفویض و تسلیم

قسم ششم — ذکر فقر و غنا

قسم ہفتم — ذکر ارادت

قسم ہشتم — ذکر معاملۂ ارادت مولف یا پیر دستگیر

قسم نہم — ذکر رحلت

مناقب دوم : مناقب شیخ عزیزالله چار اقسام پر مشتمل ہے :

قسم اول — ذکر توکّل

قسم دوم — ذکر انتقال شیخ عزیزالله

قسم سوم — ذکر رحلت شیخ عزیزالله

قسم چہارم — ذکر ارادت و ارشاد شیخ عزیزالله

مناقب سوم : ذکر شیخ لطیف الدین دریانوش۔ یہ مناقب شیخ لطیف الدین دریانوش کی بیعت ، نعمت سے سرفرازی ، لباس و مسکن ، شرافت و محبت اور رحلت کے بیان پر مشتمل ہے۔

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۱۲

۲ خزائن رحمت ، ص ۱۴

مناقب چہارم :

حضرت خواجہ محمد ابن زاہد یوسف چشتی کے بیان میں ہے اس میں خواجۂ موصوف کی کرامات ، نسب اور خانوادۂ چشت کے ظہور کا ذکر ہے. کشف المحجوب سے بارہ خانوادوں کا بیان نقل کیا گیا ہے.

انبیائے کرام میں سے حضرت ابراھیم خلیل اللہ ، حضرت ایوب ، حضرت یوسفؑ ، حضرت سلیمان ، حضرت زکریا ، حضرت یحییٰ ، حضرت عیسیٰ اور حضور سرور کائنات رسالت مآب کا ذکر خیر ہے.

خزانۂ دوم :

حضرات اہلِ طریقت کے افعال کا ذکر پینتیس مفتاح میں عنواناتِ ذیل کے تحت مذکور ہے :

نیّت ، فرائض حق سبحانہ ، اعتقادات ، صلواۃ ، توبہ ، انواع توبہ ، القاب توبہ ، تائبان ، شرائط توبہ ، پیر کا مرید کو توبہ کرانا ، کلاہ دینا ، ارادت و بیعت ، شروطِ بیعتِ نساء و طریقِ بیعت زنان ، تلقین ، طاقیہ ، خرقہ ، سجّادہ ، مقاماتِ شیخ ، انواع مریدی ، وسیلۂ پیر ، معنیٔ پیر و مرید ، آداب مرید با شیخ و با حق تعالیٰ ، دنیا ، ریاضت ، نفس و عُجب ، مجاہدہ ومشاہدہ ، عزلت ، اربعین و اخلاص ، احکام اربعین ، قوتِ اربعین ، اعتکاف ، احکام اعتکاف ، صحت دل ، آداب تلاوت قرآن پاک ، فضائل بعض آیات .

خزانۂ سوئم :

خزانۂ سوم میں اہلِ حقیقت کے حالات اُنیس « فتح » میں عنواناتِ ذیل کے تحت بیان کئے گئے ہیں :

صفت دل و صفا و عظمت ، خطرہ ، محاسبہ و استقامت ، طہارتِ دل (جو ذکر و فکر اور مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے) ، انواع ذکر ، کلماتِ مراقبہ ، حالتِ ذکر میں پیدا ہونے والے انوار ، اشغال ، ولایت و فضیلت و معرفتِ اولیاء ، معرفت مشائخ ، قسم سالکان ، جواز سماع بحکم نص ، جواز سماع و غناء و رقص بحکم احادیث ، جواز سماع و رقص یاران ، شرائط و آداب و انواع سماع ، سماع و صوفی ، طلب و محبت ، تحسینِ اخلاق ، خواب ، حیات و ممات ، عقل و علم .

خزانۂ چہارم :

خزانۂ چہارم میں چھ مفتوح ہیں . ان میں دل و روح کے اسرار ، عشق حقیقی ، معرفت ، صفات و مراتب تجلّیات کلّیہ ، طالبان معرفت ، اصطلاحات صوفیاء وغیرہ کا ذکر ہے .

خزانۂ پنجم :

خزانۂ پنجم میں ذکر و اوراد ، دعوات و ادعیہ ، حرزیات و حزبیات ، کا تفصیل سے بیان ہے .

اوراد کے فوائد و انواع ، تعویذات ، حرزیات ، طلسمات افسون اور ان کی انواع . ادعیہ ، دعوات سورۂ کلام اللہ ، دعوت آیات کلام اللہ ، دعوتِ اسماء اللہ ، دعوتِ ادعیہ ، دعوت حرزیات . دعوت حزبیات کا تفصیلی ذکر مرقوم ہے .

خزانۂ ششم :

خزانۂ ششم میں نماز اور دعاؤں کے مہینے ، دن اور اوقات اور دیگر تفصیلات مندرج ہیں .

خزانۂ ہفتم :

خزانۂ ہفتم میں شاہ باجن رح کے اشعار ہیں . اس خزانہ کا تعارف یوں کرایا گیا ہے :

« در ذکر اشعار کہ مقولہ این فقیر است بزبان ہندوی جکری خوانند و قوالانِ ہند آن را در پردہہا و سرود می نوازند . بعضی در مدح پیر دستگیر و وصفِ روضۂ ایشان و وصفِ وطن خود کہ مقام گجرات است و بعضی در ذکر مقصد مقصوداتِ مریدان و طالبان و بعضی در ذکر عشق و محبت درین خزینہ بالتفصیل جمع کردہ شد با نام پردہہا و سرودہا . »[۱]

جلد اول چوتھے خزانہ پر ختم ہوجاتی ہے . زیر نظر رسالہ ناقص ہے اور چوتھے خزانہ پر ختم ہوجاتا ہے . فہرست مندرجات سے بعد کے تین خزانوں کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی ہیں . ساتواں اور اہم خزانہ زیر تبصرہ رسالہ میں نہیں ہے .

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۲۱

حزانۂ اول شیخ رحمت اللہ کے بیان میں نو مناقب پر مشتمل ہے۔

مناقب اول میں شیخ موصوف کی پیدائش اور نام کی وجہ بیان کرتے ہوئے مرتب نے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش کے وقت امساکِ باران تھا۔ ان کے پیدا ہوتے ہی بارش شروع ہو گئی۔ خواجہ رکن الدین نے «رحمت اللہ» نام اسی رعایت سے رکھا۔

شاہ باجن رح نے ایسا عجیب نام اپنے دوران سفر میں سندھ سے خراسان تک اور دکن سے سیلون تک کہیں نہیں سنا۔

«ایں فقیر از طرف سندھ تا خراسان و از طرف دکن تا سیلان مسافرت نمود۔ این اسم جائی نشنیده و اگر جائی خواہد بود نادر که النادر کالمعدوم»[1]

قسم دوم میں بچپن سے بلوغ تک کے بعض احوال کا مذکور ہے۔ بارہ سال کی عمر میں روزہ اور شب بیداری کی شدت کا ذکر کرتے ہوئے شاہ باجن رح نے ذیل کے اشعار موزوں کئے ہیں:

آن که او در طلب روی خدا خواہد بود
آن دل سوختہ را داغ جگر خواہد بود
ہر زمینی که رود پای تو چون سرو روان
جان باجن چو بران خاک فدا خواہد بود[2]

ان ابیات کے بعد ہندی کے اشعار منقول ہیں:

تنکے ہو بلہاری جی نت دہیان دہنی کے لاگیں
ہری ہری اور کہک جگاویں پھرے پھرے بیٹھیں جاگیں
راجے کے دربار سہے نت ساری راتوں بھرے ہری
اُن بِن بیگرو کرل کریں مندر مندر دیوری پلیتہ[3]

---

۱ خزائن رحمت، ص ۲۲

۲ خزائن رحمت، ص ۲۳

۳ خزائن رحمت ص ۲۴
تنکے - ان کے جی - جو نت - ہمیشہ دہنی - مالک، خدا لاگیں - لگائیں ہری - فدا
کہک، کوک - دھن جاگیں جاگتے ہیں پھرے ہری - ہری ہری کہے بیگرو کرل کریں - بیکار کام کیا کریں
دیوری - دیوتا پلیتھ - بھوت پریت
ان بن بیگرو . . . اس کے علاوہ لوگ فضول مندر مندر پوجا پاٹ کرتے ہیں:
اورینٹل کالج میگزین، نومبر سنہ ۳۰ع میں پروفیسر شیرانی نے پنجاب کے نسخے سے آخری دو مصرعے یوں نقل کئے ہیں: راجے کے دربار سکل رات پھرے پر نہ
مندر مندر دیورے یا نہ رن بن پنکھوڑی کرل کرنہ (ص ۱۲۲)

آپین جاگیں اورن بھی جگاویں   پھری پھری سبد سناویں
النگ النگ بیٹھ ہیں جوکے ات (کذا)   جاگو لوگا جاتی ہے رات [۱]

اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۳۰ ع، ص ۱۲۲ پر عقدۂ مذکور یوں نقل کیا گیا ہے:

ایک آپین جاگنہ اور نہ بھی جگاونہ   پھرے پھرے سبد سناؤنہ
النگ النگ بیٹھی ہیں جوکیاں   جاگو لوگا جاتی ہے رات

اتباعِ سنت نبوی میں شیخ رحمت اللہ کی شدتِ ریاضت کا ذکر ہے۔ قرآن اور احادیث کی روشنی میں حضور رسالت مآب کی شب بیداری کا بیان ہے۔

مناقب سوم میں شیخ رحمت اللہ کے ایثار و انکسار اور عاجزی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیّد السادات برہان الدین قطب نے ان کو «مجسم حلم» کہا ہے۔

شاہ باجنؒ نے اپنے عم زاد میاں مینا، [۲] مرید شیخ رحمت اللہ، کی ایک رباعی اس مقام پر نقل کی ہے:

بسی گردیدہ ام در مُلک اللہ   بہند و سند و مصر و کعبۃ اللہ
ندیدم ہیچ کس را در زمانہ   تواضع و حلم شیخ رحمت اللہ

ایثار اور احسان کے فرق کی وضاحت یوں کی ہے:

«ایثار آنست کہ مقدم دارد حظوظ و نصیب برادران را بر حظوظ و نصیب خود در کار دنیا و آخرت و احسان آنست کہ نیکوئی کند در حق کسی کہ بر تو بدی کردہ است و اگر در حق کسی کہ نیکی کردہ است در حق او نیکی کردن احسان نیست بلکہ مکافات است۔» [۳]

---

۱ آپین ۔ خود بھی   اورن ۔ دوسروں کو   پھری پھری ۔ دن دن بھر   سبد ۔ شبد   سبد سناویں بھجن کریں (سنائیں) النگ ۔ الگ   بیٹھ ہیں ۔ بیٹھے ہیں   جوکے ات ۔ کذا، یہ لفظ جوکیاں ہونا چاہئے   جوگی الگ الگ بیٹھے ہیں۔   جاگو لوگا ....   دنیا جاگ گئی ہے، رات جا رہی ہے۔   پنجاب میں اردو، ص ۲۰۸

۲ خزائن رحمت، قلمی، ص ۲۷
«برادرم میاں مینا خادم بندگی شیخ رحمت اللہ می نویسد»
.... پسر عم این فقیر شیخ مینا کہ مرید شیخ رحمت اللہ بود پیش این فقیر آمد» ص ۶۲
غالباً صفحہ ۲۷ کے اقتباس کی بناء پر پروفیسر شیرانی نے تحریر فرمایا ہے:
«شیخ باجن نے اپنے ایک بھائی کا ذکر کیا ہے۔ ان کا نام شیخ میناں تھا»
اورینٹل کالج میگزین ص ۱۱۵

۳ خزائن رحمت، قلمی، ص ۲۷

شیخ رحمت اللہ کی حیا و آداب کے ضمن میں سلطان قطب الدین کی مجلس علماء و مشائخ کا ذکر ہے۔[1] اس مقام پر سلطان کو «مرحوم» لکھا ہے۔

سلطان قطب الدین بن محمد شاہ گجراتی نے سات برس، سات ماہ سلطنت کرنے کے بعد ۲۳ رجب ۸۶۳ ھ کو وفات پائی۔[2]

اس اندرونی شہادت سے کتاب کی تصنیف کے سال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

«عبودیت، تفویض و تسلیم» کے بیان میں عبادت و دعا کے اوقات و شرائط مرقوم ہیں۔

فارسی شعر کے تحت ہندی دوہرہ ہے۔

اجابت دعا را ببـاید دو چیز   یکی لقمۂ حلّ دگر صدق نیز

دوہرہ:

باجن دعا خدا اُسی کی قبولے   کھاوے حلال اور ساچ بولے[3]

عبودیت کی شرائط کے تحت شاکر و شکور کے فرق کی وضاحت ملاحظہ کیجئے:

«میانِ شاکر و شکور فرق است که شاکر در حالتِ ہستی شکر گوید و شکور در حالت نیستی و فقر شکر گوید و شاکر آنست که اگر عطا یابد شکر گوید و شکور اگر نیابد او منع و عطا ہر دو نعمت از حق می بیند۔»[4]

حضرت شیخ رحمت اللہ کی مقام بندگی کے متعلق چند روایات نقل کی ہیں اور «یقین و توکل» کے متعلق خیال خام کے عنوان سے شاہ باجن رح نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:

«ای درویش، اگر یقین و تسلیم استوار نباشد بر فقر و توکل ثابت قدم آمدن نتواند زیرا که یقین و تسلیم ہر دو شہپر سالک اند۔ چون این ہر دو استقامت یافت بر توکل و فقر ثابت قدم آمد۔ اینجا غنای دل حاصل شود و از اختیار بے اختیار گردد....

---

۱ خزائن رحمت، قلمی، ص ۲۸

۲ تاریخ فرشتہ جلد اول، ص ۲۹۱۔ تاریخ فرشتہ میں ص ۲۹۱ پر ۸۶۳ھ مرقوم ہے۔ مگر ص ۲۸۷ پر لکھا ہے کہ سات برس سات ماہ قطب الدین نے سلطنت کی اور محمد شاہ (متوفی ۷ محرم ۸۵۵ھ) کے بعد تخت نشین ہوا۔ اردو ۔ قدیم، ص ۴۳

۳ خزائن رحمت، ص ۴۲ ساچ ۔ سچ اردو زبان و ادب، ص ۷۵، ساچ کو سیاہ لکھا ہے۔

۴ ایضاً ص ۴۳

... باجن، درویش بی اختیار وقتی شود که جذبهٔ حق او را بسوی خود کشد و مجذوب سازد و این مقام دست ندہد جز تسلیم و تفویض و از روی لغت تفویض کار به کسے سپردن است و سپارندہ سالک باید تا سپردن درست آید.

کرا زہرۂ آنکه از بیم تو کشاید زبان جز به تسلیم‌تو

و ہرکه در میدان تفویض افتاد مرادات او را ہم چنان در کنار او نہند که عروس را در کنار نوشه دارند۔[1]

ہم درین محل بزبان ہندی گفته است۔ دوہرہ:

اللہ سیتی جیکوئی ہوئے اللہ اور جگ اس کا ہوئے
من مراد گھر بیٹھے پاوے تب اس مار نہ سکے کوئی »[2]

آگے چل کر شیخ موصوف کے اختیار کے سلب ہونے، ترک تصرف اور نشانِ تجرید کا بیان ذیل کے ہندی کلام پر ختم ہوجاتا ہے۔

میری نہ نہ رک رک پیویسی منجھ بالنـــه بول جو دئی
تیرے ہری یہ من چھڈیـا سبہ بنـــد پرم اس بیدہنیا
سبہ سرجن انپـہ ہوئے رہا یہی باجن تجھ کو کن کہـا؟[3]

مناقب ششم میں مرشد کے فقر و غناء کا بیان کرتے ہوئے شاہ باجنؒ نے چند تاریخی واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگه لکھا ہے که ایک روز زبان دُربار و یاقوت‌نثار سے یہ ارشاد ہوا:

« مردم را دو چیز در تشویش می اندازد که پیش از وقت قسمت می طلبد یا بیش از قسمت می خواہد۔ »[4]

فقیر کی تعریف ملاحظه کیجئے:

« دانی فقیر کیست؟ یعنی فانی از خود و باقی با حق بودن و موصوف

---

۱ خزائن رحمت قلمی، ص ۳۵
۲ ایضاً، ص ۳۶
۳ ایضاً، ص ۳۷ منجھ - مجھ تیرے ہری ... چھڈیا - تیرے ذکر پر یہ دل لگ گیا
سبہ - سب بند - ناتے پرم - پریم بیدہنیا - بندھے ہوئے ہیں سرجن - مخلوق سبہ سرجن ... کہا؟
جو تانا بانا اس نے بنایا ہے اس پر ساری کائنات چل رہی ہے۔ باجن تجھ کو یہ حقیقت کیسے معلوم ہوئی؟
۴ ایضاً، ص ۳۹

شدن به صفت تخلقوا باخلاق الله تعالیٰ عبارت ازوست و عدم التفات به کونین و اکتفا بمکون .»[۱]

تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ دیکھئے :

سلطان محمود بن محمد شاہ گجراتی حضرت شیخ رحمت اللہ کا مرید و معتقد تھا . ایک مرتبہ حضرت موصوف نے گجرات کی سلطنت کی اس کے حق میں پیش گوئی کی تھی . سلطان قطب الدین بن محمد شاہ کی وفات کے بعد کوئی اور بادشاہ ہوا . سلطان محمود کی والدہ نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی اور پیش گوئی کی یاد دہانی کی . حضرت موصوف نے چند روز توقف کرنے کے لئے کہا . چند روز بعد سلطان محمود بادشاہ بن گیا .[۲]

ملفوظات میں اس مقام پر وہ رباعی درج ہے جو حضرت شاہ باجن رح کے مزار (برہان پور) کے باب داخلہ پر کندہ ہے اس کے اردگرد کاشی کاری کا نفیس اور خوبصورت نمونہ مختلف نباتاتی اشکال سے مزین ہے . رباعی حسب ذیل ہے :

ای پسر روی متاب از نظر درویشان   که نظرہا بیابی ز درِ درویشان
ظلم اعدا چو بود در در درویش در آ   که مرادات بیابی ز در درویشان[۳]

« ترک دنیا » کے سلسلہ میں ترک حلال حسبتہ اللہ کی وضاحت کرتے ہوئے اہل سلوک کے ترک و مراتب کا بیان ہے کہ غیر حق کو خود پر حرام کرلیتے ہیں .

باجن ساد پرم کا جین چکھا ہوئے   ویتو کبھو نہ چھوڑیں جی سر کسے کوئے[۴]

ذکر حق سالک کی قوت لا یموت ہوتا ہے . خدا کا ذکر جن کا حلوہ ہے ان کو دنیا و آخرت کے حلوہ کی کیا ضرورت ہے .

باجن حلوا پرم کاری جہ چاؤں کھاتیا   اس توں کچھ نبھاوے جیو نشہ سوں لائیا[۵]

ضمنی طور پر سلطان ابراهیم ادہم کے چند واقعات بیان کئے ہیں . ایک جگہ لکھا ہے کہ

---

۱ خزائن رحمت ، قلمی ، ص ۴۰

۲ ایضاً ، ص ۴۱ ، ۴۲
» کوئی اور « سے مراد سلطان داؤد ابن احمد شاہ ہے جو سلطان قطب الدین کے بعد تخت نشین ہوا اور سات روز سلطنت کرنے کے بعد معزول کردیا گیا . (تاریخ فرشتہ جلد اول ، ص ۲ - ۲۹۱)

۳ ایضاً ، ص ۴۲

۴ ایضاً ، ص ۴۷
ساد - مزہ   پرم - پریم   جین - جو   ویتو - وہ تو   جی - جو   سر کسے کوئی - کوئی سزا دے

۵ ایضاً ، ص ۴۸   جہ - جس نے   چاؤں کھاتیا - شوق سے کھایا   جیو - جیسے

«تارک الکونین سلطان ابراھیم ادہم رحمت اللہ علیہ بہ محبت حق پیوست، ہفتاد ہزار حرم و ہژدہ لک اسپ و بادشاہیء بلخ گذاشتہ درویشی اختیار کردند، چنانچہ بزبان ہندی کسی گفتہ است:

ستر ہزار سہیلیاں تری اٹھارہ لکھ سائین گیری کارن چھوڑا شہر بلخ»[1]

فقیر بے نوا و با نوا، فقیر فضول، فقیر عاجز، فقیر قانع اور فقیر خاص کے مراتب کی تشریح کی گئی ہے۔

مناقب ہفتم میں شیخ رحمت اللہ اور ان کی ہمشیرہ بی بی عائشہ کے حضرت خواجہ مودود بن خواجہ محمد زاہد چشتی سے مرید ہونے کا ذکر ہے. خواجہ مودود کے انتقال کے بیان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کا واقعہ بھی مذکور ہے۔

سیب را بو کرد موسیٰ جان بداد تو بگو کان سیب از بستان کیست؟

شعر مذکور کے نیچے باجن کا ہندی دوہرہ منقول ہے:

باجن چرا تہا سو پئ دیا جو ترا توں کیا لینہ
سونے گھر کا پاہوناں شالی پھرا دیہیہ
جی جیو راکھنہ سائیں کارن جب بھاوہ تب دینہ
جیرا دیونہ اپنا نیہہ سائیں کا لینہ[2]
جونرا آہی لوکنہ کارن لوکنہ کا جیو لینہ
وی جی ماتی پرم کی ان کا جیو کیوں لینہ
باجن چرا عاشقنہ کا جائی تو شہ سوں جائے
جیو تو پھیلنہ دی رہی جونرا کیا جائے

اس دوہرہ کا مفہوم یہ ہے کہ جان اللہ کی دی ہوئی تھی۔ اس کو سونپ دی اللہ نے جان دی تھی، ہم نے اس کی نگرانی کی۔ جو اس دنیا کے لئے

---

۱ خزائن رحمت، قلمی، ص ۴۸ سہیلیاں۔کنیزیں تری۔گھوڑے سائین گیری۔فقیری

۲ باجن چراتہا۔باجن کی جان تھی سوپئی۔سونپیں دیہ۔سونپ دیا توں۔تو کیا لینہ۔تمہارا کیا لیا پاہوناں شالی۔پہرہ دار ہونا پھرا۔نگرانی دیہیہ۔دیا جی۔جو جیو۔زندگی راکھنہ۔رکھتا ہے بھاوہ۔پسند آیا دیہہ۔دنیا جیرا۔جی دیونہ۔دنیا نیہہ۔خوشی لینہ۔لینا جونرا۔صرف آہی۔اس لوکنہ۔دنیا لوکنہ کا جیو لینا۔دنیا کی زندگی لینا جی۔جو ماتی۔نشہ میں چور، مست پرم۔پریم ان کا جیو کیوں لینا۔ان کی جان کیوں لینا جیرا۔جی عاشقنہ۔عاشق جائے۔جانا شہ۔خدا سوں۔طرف جیو۔جان پھیلنہ۔پھلتی ہے جونرا کیا جائے۔وہ تنہا کیا جائے گی

زندہ رہا، اس کی جان اے لو. جو خدا کے لئے زندہ رہا، اس کی جان کیا لینا. باجن اگر عاشق کی جان جاتی ہے تو جائے وہ خدا کی طرف جاتی ہے. جان تو وسعت پا رہی ہے. وہ صرف تنہا کیا جائے گی.

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ

«محب با محبوب چسپیدہ است چنانچہ شب با روز و روز با شب و سایہ از اصل خود جدا نمی شود و ممکن نیست کہ سایہ از اصلِ خود جدا شود پس آنجا فیض گفتن و ستدن غیر غیرت آمد.

غیرتِ او غیر نگذاشتہ خود بخودی عین مہیّا شدہ
گشت چنین سِرّ چو باجن عیاں از طربش مردہ دل احیاء شدہ»[۱]

قسم ہشتم میں شیخ رحمت اللہ سے شاہ باجنؒ کی ارادت کا ذکر ہے. اس ذیل میں شاہ موصوف نے اپنے والد حاجی معزالدین کا مختصر حال بیان کیا ہے. اور شجرۂ نسب بھی دیا ہے.

قسم نہم میں شیخ رحمت اللہ کی علالت اور وصال کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علالت کی خبر پا کر سلطان محمود بن محمد شاہ گجراتی نے علاج کے لئے طبیب حاذق روانہ کئے اور وہ خود بھی حاضر خدمت ہوا. انتقال کی خبر سن کر، سلطان پا پیادہ ان کے یہاں گیا. علماء و مشائخ شہر اس کے ساتھ تھے. اس نے اپنے ہاتھوں سے انہیں غسل دیا اور تکفین کی. وہ تابوت کا ایک پایہ اپنے کاندھے پہ رکھے ہوئے قبرستان تک گیا اور خود اپنے ہاتھوں سے انہیں سپرد خاک کیا.[۲]

شیخ رحمت اللہ کی تاریخ وفات ۱۹ جمادی الآخر ۸٦۷ھ ہے.

شیخ کے انتقال کے وقت شاہ باجنؒ کہیں باہر گئے ہوئے تھے. واپسی پر ان کو خرقہ اور فرمان عطا ہوا. فرمان کی نقل زیرنظر ملفوظات میں ہے. اس میں سلوک و ارادت کے آداب کا بیان ہے. شریعت کی پابندی، عوام الناس کی خدمت، حسن خلق، تواضع، تحمل و بردباری، نیاز مندی اور ایثار و انکسار کی تعلیم ہے.

---

۱ ـ خزائن رحمت، قلمی، ص ۵۸
۲ ایضاً، ص ٦۸ - ۵۸

فرمان و خرقہ کے حصول کی شرف یابی کا ذکر کرتے ہوئے شاہ باجنؒ نے لکھا ہے کہ خرقہ شیخ رحمت اللہ کی قبر پر ڈال دیا گیا تھا اور فرمان قبر کے نزدیک تھا۔ قوال میرے اشعار گا رہے تھے۔ خود شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں

«شیخ ابو احمد و این فقیر با ادب در روضہ ایستادہ شدیم و قوالان گمتار این فقیر کہ بزبان ہندی کردہ است می گفتند و قوالان چون باین سخن رسیدند کہ

شاہ رحمت اللہ منجہ پہ بلاؤ   تم باج لاگوں کس کے پاؤ

از قبر ندا رسید کہ   باجن لاگے تیرے پاؤ

از آن روز باز بدین لقب مشہور و ملقب شدیم۔»

اس مقام پر ذیل کا دوہرہ مندرج ہے :

محمد سرور پرم‌کار رحمت اللہ بھریا   باجن کان پکڑ کر نا نئے (ناؤں) انہوں دہریا[1]

احمد آباد سے شاہ باجنؒ کے شیخ برہان الدین کے روضہ کی زیارت کو جانے اور شیخ جیون (متولی روضہ شیخ برہان الدین) سے خرقہ و اجازت پانے اور برہان پور روانہ ہونے کا ذکر ہے۔[2]

مناقب دوم میں شیخ عزیز اللہ متوکل کا بیان چار اقسام مناقب پر مشتمل ہے۔ قسم اول میں ان کے توکل اور خدمتِ «تزکیۂ قلوب» کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

«ہمیشہ بہ عمارتِ دل‌ہا اشتغال داشتند و می فرمودند کہ مال عزیز اللہ بر آب و گل خرچ نمی شود. گاہی در و دیوار نساختند الا مالابد کہ خانہ را بکاہ می‌پوشیدند و دیوار ہم از کاہ می بود   بیت :

در دہہ عمارت چکم بام چہ سازم   این خانہ نکو ز اول بنیاد ندیدم»[3]

موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرنے کے بعد ذیل کا شعر نقل کیا گیا ہے:

دنیا پُلیست در گذرِ دارِ آخرت   اہل تمیز خانہ نکـــردند بر پُلی[4]

---

۱ خزائن رحمت ، قلمی، ص ۷۵۔ پروفیسر شیرانی نے دوسرا مصرع یوں نقل فرمایا ہے :
باجن جیوڑا وارکر سر آگیں دھریا   (پنجاب میں اردو، ص ۲۰۸)

۲ ایضاً ، ص ۷۹ تا ۸۱

۳ ایضاً ، ص ۸۶

۴ ایضاً ، ص ۸۷

شیخ رحمت اللہ کی زبانی ایک روایت بیان کی ہے کہ تمام عمر میں صرف ایک بار شیخ عزیز اللہ کے مزاج میں تغیر پیدا ہوا جب ملک بدہ المخاطب بہ ظہیر الملک (دیوانِ سلطان محمود) نے چراغ کے روغن کے لئے ماہانہ رقم کی پیش کش کی۔ اس موقع پر "خیال خام" کے تحت باجنؒ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"خیال خام

ای درویش کہ بعضی مردمان صادق اند و بعضی کاذب. باجن ، کاذبان چہ دانند کہ در تاریکی چہ روشنائی است کہ روشنائی از سپیدی کشیدہ در سیاہی انداختند و در عین تاریکی روشنائی و در عین روشنائی تاریکی و از سیاہی سپیدی را می بیند این معاملہ در عین خود مشاہدہ کن.

اسمـــا انکہ سبہ انکہ منہ دیکھ
کالی پتلی اُجلی ہور راتی دیکھ
کہیں کہیں نیلی پوتلی یہ اھی سیکہ
نین جے دیکھیں جے جھکیں تجہ کو توں بھی نینہ دیکھ[1]

مفہوم یہ ہے کہ آسمان کی سب چیزیں آنکھوں میں دکھائی دیتی ہیں. کالی پتلی سفید ہوجائے تو سب اندھیرا ہے. کہیں نیلی پتلی میں بھی یہی ہے. آنکھیں جو تجھ کو دیکھتی ہیں ، جو جھکتی ہیں تم بھی آنکھیں کھولو.

فتوح کی تقسیم کے سلسلے میں اہل توکل کی ہمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"ملک ہا و دہ ہا کسی را دادہ باشند بہ خرچ کردن کم نشود چنانچہ می بینی ہر سال فصل نو و بہار می آید. وای برین بیچارہ کہ ہر سال کہنہ می شود و روز بروز اجل قریبی می شود و ہر روز نو و تازہ و این بر ہمان اندازہ.

---

۱ خزائن رحمت ، قلمی ، ص ۹۱ . اسمان کیے سبہ - آسمان کی سب چیزیں انکہ - آنکھ منہ - میں راتی - رات نین ، نینہ . آنکھیں جے - جو

خدا داند کہ این عالم کی ظہور کردہ شدہ است و این عالم را چند
مدت مہلت دادند و تاکی بدین ظہـــور باقی خواہد ماند و کی فانی
خواہد شد .... ظہورِ رب العالمین را کسی نداند جز حضرت رب العالمین

باجن کوئی نجانے وہ کد تھا اور کد تھیں پرگٹ تھـایا
اوہی جانیں آپ کوں جن سبھ جگ نے پایا)[۱]

قسم دوم میں شیخ عزیز اللہ کے مختلف مقامات کے سفر اور قیام مانـڈو کا تذکرہ ہے .

خواجہ رکن الدین کان شکر قدس سرہ کے انتقال کے بعد شیخ عزیز اللہ متوکل نہروالہ عرف پٹن سے مانڈو اور مانڈو سے احمدآباد آئے.[۲] یہاں شیخ احمد کھٹو سے ان کی ملاقات ہوئی جن کا انتقال ۱۴ شوال ۸۴۹ھ کو ہوا. چند روز بعد وہ بھڑونچ چلے گئے. وہاں سے نذر آباد ہوتے ہوئے شادی آباد (مانڈو) پہنچے اور بالائے قلعہ قیـام کیـا. وہیں ان کا روضہ ہے جس کی زیارت کے لئے شاہ باجن رح سلطان غیــاث الدین[۴] [۹۰۵ - ۸۷۳ھ] کے دور حکومت میں مانڈو گئے تھے. شاہ موصوف نے سلطانِ مذکور کے عدل و انصاف، معارف پروری اور فقراء دوستی کی تعریف کی ہے.[۵]

شادی آباد (مانڈو) کے علماء و اکابرین[۶] (شیخ نور الدین محدث، میاں جیو، سید فرید، خواجہ لکھن جو اس وقت بقیدحیـات تھے) وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ موصوف نے قلعۂ مانڈو پر چار حوض کا ذکر کیا ہے.

ناظرین کرام کی دلچسپی کی خاطر شاہ موصوف کی زبانی اس مقام کا خاکہ درج ذیل ہے :

---

۱ خزائن رحمت، قلمی، ص ۹۳ اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۳۰ع، ص ۱۲۲ پنجاب میں اردو ص ۸ ۲
« باجن کوئی نجانے وہ کد تھا اور کد تھیں پرگت ہوا
وہی جانے آپ کــوں جب تھے پرگت ہوا »
کد ـ کب اوہی ـ وہی آپ کوں ـ آپ کے لئے

۲ ایضاً، ص ۹۴ حالات گلزار ابرار، ص ۱۵۸

۳ ایضاً، ص ۹۵

۴ ایضا، ص ۹۶ حالات تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۲۰۴

۵ ایضاً، ص ۹۶

۶ ایضا، ص ۹۷

(شیخ عزیز اللہ) «بالای قلعه مندو سوار شدند و مقام خود را بالای چهار حوض ساختند، رہتیه، تونیه، جامنیه و شکر تلاؤ. و این درویش بزیارت مخدوم شیخ عزیزاللہ مشرف گشته و چهار حوض مذکور بدین طریق واقع است.

سه حوض یکجا جاری ہستند و جامنیه موازنهٔ یک تیر پرتاب جدا واقع شده است و درمیان آن حوضها ہمین فرق .... است و به صفت جوی ہای بہشت است که ہر چهار یک جا جاری ہستند و درمیان خویش جمع نمی شوند. ہم چنین حوض ہای شیرین و پاک و لطیف ہستند و آب شکرتالاؤ ہمچو شربت است و آب رہتیه شیر است و آب تونیه ہمچو شهد است و آب جامنیه ہمچو شراب طهور است و روضهٔ شیخ المتوکل مخدوم شیخ عزیزاللہ ہمچو بیت المقدس است و پایان روضهٔ شیخ چبوترهٔ پسر سلطان احمد شاہ گجراتی اسمه مبارک خان دانشمند و درویش سیرت و سبع قرات قاری بود.»[1]

قسم سوم میں شیخ عزیز اللہ کی رحلت کا ذکر ہے۔ مرقوم ہے کہ وفات (۲۳ صفر ۸۵۱ھ) سے قبل انہوں نے اپنے فرزندوں اور مریدوں کو توکل و قناعت، بدعات سے احتراز اور خدا ترسی کی ہدایات کیں۔ ان کی وفات کے تیسرے روز سلطان محمود خلجی «مغفور»[2] [متوفی ۱۹ ذیقعدہ ۸۷۳ھ] کے حکم اور شیخ کی وصیت کے مطابق شیخ سعداللہ اور شیخ رحمت اللہ قلعه سے نیچے اتر آئے۔

شیخ عزیز اللہ کے پانچ فرزند تھے:[3]

۱- شیخ حسن سرمست عرف شیخ کریم اللہ مدفن بھڑونچ
۲- شیخ سعداللہ مدفن شیخ واڑہ احمد آباد
۳- شیخ رحمت اللہ مدفن کنار سابرمتی، احمدآباد
۴- شیخ شہر اللہ مدفن شادی آباد
۵- شیخ نصراللہ مدفن قلعهٔ اسیر (برہان پور)

قسم چہارم میں شیخ عزیز اللہ کی ارادت کا حال ہے اور خواجہ رکن الدین کے چند خلفاء کے نام درج ہیں۔[4]

---

۱ خزائن رحمت، ص ۹۷
۲ ایضاً، ص ۱۰۰ تاریخ فرشته، جلد دوم، ص ۲۰۱
۳ ایضاً، ص ۱۰۱ گلزار ابرار (ترجمه)، ص ۶-۲۰۵
۴ ایضاً، ص ۱۰۳

مناقب سوئم میں لطیف الدین دریا نوش قدس اللہ سرہ العزیز کی بیعت ، لباس و مسکن ، عشقِ رسول اور رحلت کا ذکر چار اقسام میں ہے ۔

« سلطانِ صوفیاء » حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات سے ملفوظاتِ لطیف الدین میں منقول چند روایات کا بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ مخدوم جہانیان سیّد جلال بخاری نے طواف کعبۂ مبارک کے دوران غلاف کعبہ کو معلق دیکھا ۔ انھوں نے شیخ عبد اللہ یافعی (مکی) قطب عصـــر سے اس کے متعلق دریافت کیا انھوں نے انہیں قطب الہند شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا. سید موصوف نے دھلی کی راہ لی اور شیخ مذکور کی خدمت میں حاضر ہوکر نعمت و خلافت سے مشرّف ہوئے اس موقع پر ذیل کے ابیات نقل کئے گئے ہیں :

« کسی بزبان ہندی گفتہ است :

سید جلال خبر جیوں پائی
باٹ دھلی کے جیو سنہ لائی
اینہا رہی ہوں کیا کچھ لاؤں
جہاں مکہ جائے تہاں ہوں جاؤں
شیخ نصیر الدین دئے بڑائی
سید جلال خلافت پائی [1]

شیخ نظام الدین اولیاء رح اور شیخ لطیف الدین رح کی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ [2]

شیخ لطیف الدین قدس سرہ کے لباس اور مکان کی کیفیت بیان کی ہے :

« خانۂ بندگی حضرت شیخ لطیف الدین این صورت بود کہ از سرکی کہ در شہر دھلی می شود کہ مناسب ٹٹی می باشد آنرا می آوردند و از آن خانہ می ساختند . سرما و گرما و برشگال ہمدران سرکی می گذاردند و چون آن سرکی کہنہ می شد و آنرا بادی پرانیدہ بعدہ سرکی دیگر می آوردی و اگر کسی می پرسیدی کہ خانہ چرانمی کنید جواب می فرمودی

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۱۰۷

جیوں ۔ جیسے ہی باٹ ۔ راہ جیو سنہ ۔ جان کے ساتھ اینہا رہی ہوں ۔ یہاں رہونگا

تہاں ہوں جاؤں ۔ وہاں جاؤنگا

۲ ایضاً ، ص ۱۰۹

« آوی آری بابا ہمی بیچارے
کیــا گھرتے ہیں بنجــارے»

و مناسب این محل قطب العالم لنگر جهان شیخ فرید الدین شکر گنج می فرمایند :

او ولد ہوسا ٹھرو ایوں منجه کرتیه
مول سنبھالے اپنا پاچھیں لا ہا لینه [1]

قسم چہارم میں شیخ لطیف الــدینؒ اور شیخ یحییٰؒ کی رحلت کی تفصیلات مرقوم ہیں ۔ لکھا ہے کہ خواجه محمد زاہد چشتیؒ حضرت شیخ لطیف الدینؒ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے ۔ شیخ یحییٰؒ ابن شیخ لطیف الدینؒ کے دونوں صاحبزادے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے ۔ سماع کے دوران شیخ یحییٰؒ نے جان عزیز جان آفرین کے سپرد کردی ۔

شیخ یحییٰ کی نسبت مشہور تھا :

« بعضے مسافران می گویند:

شیخ یحییٰ جیسے پڑے تیسے سہی   اپنی پیــڈہ کسے نکہے

و مسافران این چنین ہم می گویند :

شیخ یحییٰ پیر بیا ہے کیرا   حــاجت پاوے نت سویرا [2]

اس واقعه کو نقل کرتے ہوئے که شیخ یحییٰ نے خواجــه محمد زاہد کے وضو کا پانی طشت میں سے پی لیا تھا ۔ شاہ باجنؒ نے اپنے تین فارسی اشعــار نقل کئے ہیں :

زان مئے پاک چون لطیف طهور   یافت یحییٰ ہزار ذوق و سرور
بود عزیز از خدا عزیز الله   کرد رحمت برحمت الله ظهور
بود باجن چو از کلاب درش   یافته زو شهود و نور و حضور [3]

سماع کے متعلق لکھا ہے که محرّق اور قاتل ہے :

باجنا گر تو بخواہی تا بیابی وصل دوست
گیر پای صوفیان و ذیل مطرب در سماع [4]

---

۱ خواتن رحمت ، ص ۱۱۲   اردو زبان و ادب (مولوی عبد الحق) ، ص ۴۵

۲ ایضاً ، ص ۱۱۷   اردو زبان و ادب   اورینٹل کالج میگزین ، اگست ۳۰ ع ، ص ۱۸
پیڈہ ۔ تکلیف ، میگزین میں (پیڈن) مرقوم ہے

۳ ایضاً ، ص ۱۱۸

۴ ایضاً ، ص ۱۱۹

سماع کے بارے میں شاہ باجن رح کے خیالات ملاحظہ کیجئے:

«باجن، سماع بازی نیست جان بازیست — جانباز می باید کہ با شاہباز بازی بہازد۔ ہر وقت کہ طالب از طلب محبت برخیزد از سر جان برخیزد کہ صاحب جان محب ہمین محبوب جان است

یہ جیو دیسوں یہ جیو دیسوں   نس دن تمسنہ بھوک کریسوں
یہ جیو پیارا منجہ تیرے تائیں   بہیت تمہاری کروں کسائیں
باجن جیو تمہارے تائیں   جیوجیو آھی تو تو نہیں کسائیں»[1]

مناقب چہارم میں خواجہ محمد زاہد چشتی کا بیان ہے۔ ظہور کرامات، نسب اور خانوادۂ چشت کا ذکر کرتے ہوئے اظہار کرامت سے منع کیا ہے۔

«درویشان کرامت را ستر کنند چنانچہ آدمی عورت خود را ستر کنند۔»[2]

شیخ حمید الدین صوفی کی قناعت پیشگی کے ذیل میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کا کلام نقل کیا ہے:

«بندگی شیخ العالم لنگر جہان شیخ فریدالدین شکر گنج بزبان ہندی بموافق این فرمودند۔ بزبان ہندی

راول دیول ہمی نجائے   پھاٹا پہنا روکہا کھائے
ہم درویشنہ ایہی ریت   پانی لوڑیں ہور مسیت

این درویش بموافق این ہم می گوید بزبان ہندی

راول دیول ہم نہ بوجتہ   لوجہ لرائی ہم نہ لوجتہ
بیٹھی اجہنہ ٹھنڈی چھانہ   جی کچہ دیوے سوہی کھانہ[3]

پروفیسر شیرانی نے پنجاب کے نسخہ سے اس کلام کو یوں نقل کیا ہے:

راول دیول ہم نجانا   پھاٹا پہنہ روکھا کھانہ
ہم درویشنہ ایہی ریت   پانی لوڑیں ہور مسیت

---

۱ خزائن رحمت، ص ۱۱۹   اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۲۰ع، ص ۱۱۱
جیو - جان   دیسوں - دوں گا   نسدن - روزانہ   تمسنہ - تم جیسے   بھوک کریسوں - عبادت کروں گا
تائیں - نزدیک   بہیت - بہت بہت   کروں کسائیں - کشٹ کروں گا
جیو جو ۔ ۔ ۔ ۔ کسائیں - جان جان ہے اور تو تو مالک ہے
۲ ایضاً، ص ۱۲۰
۳ ایضاً، ۱۲۸   اردو زبان و ادب، ص ۳۰

بیٹھے آچھیں ٹھنڈی چھانو　　جو کچھ دیوے سوہی کھانو [۱]

ایک روز شیخ حمیدالدین کے فرزند سخت فقر سے تنگ آکر فراخیِ معاش کی دعا کی درخواست لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے چلے۔ شیخ کے پاس پہنچنے تک کمزوری کے سبب سے ایک جگہ گر گئے۔ یاد حق میں مشغول شیخ حمیدالدین بیٹے کے گرنے کی آواز سے آنکھ کھول دیتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ

«ای فرزند چه واقع است؟ پسر شیخ عرضداشت کرد که سبب فاقه بود. بندگی شیخ حمیدالدین فرمودند ہاں بابا کچھ کچھ».....[۲]

جس کا یہ مطلب تھا کہ آئندہ فلاح ہوگی۔

شاہ باجن رح کی ایک دعا کے آخر کا مصرع ملاحظہ کیجئے:

مفلس آمده ام بر در تو　　جز تو ندارم اِلاّ در تو
کل و جز ہمه از کل تو　　باجنا بیچاره ندارد جز تو [۳]

مختلف خانوادوں کے ذکر کے بعد شاہ باجن رح کی ایک طویل نظم درج ہے: [۴]

۱　اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۳۰ ع، ص ۱۲۲
راول، رنیواس۔ رانی واس۔ حرم　دیول، دیولہ۔ بت خانہ　ایہی۔ یہی　ریت۔ طریقہ
لوڑیں۔ پسند کریں　مسیت۔ مسجد　بوجتہ، پوجتے۔ بوجھتے　اچھنہ، اچ ہوں، اچ ہنہ　آج ہی
چھانہ۔ چھاؤں　کھانہ۔ کھانا

۲　خزائن رحمت، ص ۱۳۲　اورینٹل کالج میگزین، اگست سنہ ۳۰ ع

۳　خزائن رحمت، ص ۱۳۴

۴　ایضا، ص ۷۔ ۱۶۶　اورینٹل کالج میگزین، نومبر سنہ ۳۰ع، ص ۱۱۹
پنتہ، پتھہ۔ راستہ　سکے، لنکھے۔ (میگزین) نہ سکے　جیری۔ جو پڑھ۔ پڑھ کر
پوتھیں۔ کتابیں (میگزین میں پوتھی لکھا ہے)　سبہ جانہ۔ سب جان لیا　سدہ بدہ۔ عقل
بسارے۔ بھول گئے　بکارے۔ بیکار، سب ریاضت بیکار گئی　درشنی۔ فلسفی (میگزین ص ۱۱۹: درستی
درشن۔ فلسفہ　سر ننگے۔ سر ننگے　پانوہ، پانوں۔ پاؤں (میگزین میں پانوہ مرقوم ہے)
کھو۔ کھلے　سیودی۔ شو کی پوجا کرنے والا　ہوئے کر۔ ہوکر
ہوئے کر سیو کرنہ۔ چاہیے وہ «شیو کرن» ہو جائے، پوجا کرتے کرتے وہ خود شیو ہو جائے
تپشی۔ تپسیا کرنے والے　روپ بھر آئے۔ روپ بدل کر آئے　ابد۔ عبد
باندیہیں (؟) (میگزین میں باندہ لکھا ہوا ہے ص ۱۱۹　باول۔ پاگل　مانی۔ مست (میگزین راتی ماتی)
ارداوین۔ چلائیں، گرجیں (میگزین میں ارداون ہے)　بےسدہ۔ بیہوش　جھنگم۔ جنگم۔ سیلانی
جٹادھاری۔ سادھو　ہور۔ اور　ہندو۔ سیاہ　نس۔ رات　گرگبنہ۔ گلے کا ہار　منڈہ۔ منڈا
سیوین۔ عبادت کریں　جنبہ۔ جنبہا۔ ایک فرقہ ہے　میگزین میں جنبہ مرقوم ہے
ایک مندر.. یہ شعر میگزین (ص ۱۱۹ میں درج نہیں ہے　کلکل۔ آواز　کیل کرنہ۔ کھیل کرنا
بھوتیں دھرنہ۔ بھوت پکڑتے ہیں　رہیں اپاسی۔ اُپاس (روزہ رکھے ہوئے۔ بھوکے رہ کر
راتنہ جاگنہ۔ راتوں کو جاگتے ہیں
ایک.. مانگیں. یہ مصرع میگزین میں یوں مرقوم ہے — ہوئے بھکاری تجھے مانگنہ
مکت منیں، مکت منی۔ نجات پائے ہوئے رشی منی　ہم نے ایسے ایسے (نجات پائے ہوئے) رشی منی
دیکھے ہیں　باجن تو کیا لکھ رہا ہے　لیکھا۔ تحریر

« این فقیر بزبان ہندی گفتہ است :

تیرے پنتھ کوئی چل نسکے جیری چلے سو چل چل تھکے
پڑھے پنڈت پوتھیں دھویاں سبھ جانہ سُدہ بُدہ کھویاں
سبھ جوگیوں جوگ بسارے یہ تپسی تپ بکارے
ایک درشنی درشن بھولے سر نانگے پانو نہ کھولے
ایک سیوری ہوئے کر سیو کر نہ ہوئے بر تپی کیا دکھ دہر نہ
ایک درویش ہوئے کر آئے ہوئے قلندر روپ بھرائے
ایک ابدال ہوئے ابد ہوتے ایک ہاند یہیں ہا ہا ہوتے
ایک کھلی ہوئی دیوانی ایک باول ہنڈہ رانی
ایک ماتی ہوئے ار راویں بے سدہ ہو ہو جائیں
ایک جہنگم جٹا دھاری ہور ہندونس اندھیاری
ایک کاہری ہوئے گر کپہ منڈہ سیو بن تجھی جنبہ
ایک مندر کیکل کیل کر نہ ایک بھونک بھونک باؤنی بھوتیں دھر نہ
ایک رہیں اپاسی راتنہ جاگنہ ایک ہوئی بھیکماری تجھی مانگیں،
یوں ڈولی ڈولی ہوئے کرے سب رل رل کھل کھل کھوئے کرے
وے مکت منہیں یو دیکھے آرے باجن توں کس لیکھے

نیکوکار اور بدکار اللہ کے کرم پر امید رکھے ہوئے ہیں ۔ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے چند ہندی اشعار نقل کئے ہیں :

ساجن تجھ بن دُنہ جگ چنت داوے کوئے
ساجن تیرا کرم مجھ لوائے اور کچھ ہوئے نہ ئے

روزے دہر دہر ، نماز گذارے ، دیتے فرض زکات
فضل تیرے بن ، چھوٹک ناہیں ، اکیں مکیں بات

سونا روپا بھر بدری ہور بہتی دام
بہت بڑایاں ، کپڑے خاصے ، موٹا نام

تجھ بن یہ جی مجھ ہی کچھو نہ آوے کام
بہتر باہر میری رے تجھ سوں سب سرام

جی جیو ہوئے پیو سوں تجھ تو ہی سب کچھ
بہتی کھوری، کھربری، منجھ ناہیں رجھ
باجن کئے یہ بنتی شیخ رحمت اللہ پائوں
دُنہ جگ واری دئے گر ہو سرجن رایوں[1]

مذکورہ بالا ہندی اشعار کی تشریح کے سلسلے میں ذیل کے فارسی اشعار درج کئے ہیں:

یک لحظه عنایت تو ای بنده نواز
بهتر ز ہزار سال تسبیح و نماز

چشم را گر نبود حظِ لقای تو، چه سود؟
سینه را گر نبود داغ ہوای تو، چه سود؟
بی تو گر بر سر من تاجِ مکلل باشد
تا نباشد سر من در ته پای تو، چه سود؟[2]

حضور سرور کائنات کی عبادت و ریاضت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک شب آپ نے «خوف خدائے عزّ وجل» سے نرانگشت پر کھڑے ہوکر تمام رات عبادت کی. پاے مبارک سے خون بہہ نکلا اور سوج گئے. اس مقام پر شاہ باجن رحہ کے دو اشعار ملتے ہیں:

«بزبان ہندی این فقیر گفته:

---

۱ خزائن رحمت، ص ۱٦۸؛ اورینٹل کالج میگزین، ص ۱۲۱؛ پنجاب میں اردو، ص ۸ ۲
دنہ - دونوں چنت - تصور، خیال
اے مالک یہ تیرا کرم ہے کہ میں تیری عبادت کرتا ہوں اور تیرے سوا کسی کا دھیان نہیں کرتا.
دوسرا شعر میگزین میں مندرج ہے ص ۱۲۱ جس کا دوسرا مصرع یوں ہے
بن فضل تیرے چھوٹک ناہیں آگیں مکھمن بات
عبدالحق صاحب نے ,, آگیں مکھہ میں بات ,, لکھی ہے
چھوٹک ناہیں - نجات نہیں ہو سکتی اگین بکھیں بات - آگے کچھہ بھی کہیں ہدری - بدرا - تھیلی
بہتی - بہت بڑایاں - بڑائیاں کپڑے خاصے - خاص خلعت
موٹا نام - شہرت بھیتر باہر - اندر باہر تجھ سوں سب بسرام - تیری وجہ سے سکون ہے جی، جے - جو
پیو - خدا کھودی - چھوٹا نالہ کھ بھری - کیچڑ بھری ہوتی منجھ ناہیں رجھ - راس نہیں آتا بنتی - التجا
واری دئے - نثار کئے سرجن - خالق رایوں - رضا

۲ خزائن رحمت، ص ۱٦۸

کہیت ہمارے جی کبرنیہ لو ہو پڑی بیچ
او کے ایک برم کے نینہ سہ یہ کھیچ
دُرجن دیوی ، راج ، میت ، پچاری دَر یَـڑنہ
جن سر ہووے کاج تن سرلای رانیہ [1]

« کرامت نفس » اور « استقامت روح » کے ذیل میں لکھا ہے کہ

« در حدیث است از خیر البشر ‹ انا من نور الله والمومنون من نوری › و آب از نور سلطان المرسلین است . چنانچہ ترجمۂ او بزبان ہندی گفتہ شدہ است کہ سوال (؟) قدیم بزرگی فرمودہ است

سبہ رس پانی پنچے جیوں جانے سبہ کوئی
جنہ جنہ رس پانی پنچی وہ رس کیا ہوئی

در خیال این درویش نیز چیزی کہ آمدہ است نوشتہ شد

ساجن اپنی پرم تہے اک رس پایا
اس رس سیتی باندہ کر ایک گوہر بنایا
درتہ جو کیتی تیج کے تب گوہر کلیا
کلیا گوہر نرم ہوئے ہور پانی چلیا
میٹھی کھٹّی سیہیں رس ہور رنگ بھرائی
پانی سیتن باندہ کر سبہ روپ بنائی
پاتھر کورے نالھے وہ لاکھنہ جاوے
پانی کپڑے نا تو نہی ہوئے موتی بکاوے
سرجن ہم کوں اپ سوں نت بہیت جلائیں
مٹکے مٹکے مات بھر پرم پلائیں
باجن کوں تل جدا نہ ناکھیں
دنہ جگ بہتر پانی راکھیں

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۱۷۰

لوہو - لہو برم ، پرم - خدا   اوکے - اس   نینہ - قیمت   سہ - ساتھ - وجہ سے   درجن - برے لوگ
دیوی - اچھے لوگ   میت - دوست ، محبوب   سر ہوئے - ختم ہو   کاج - کام

پانی رس جے دیکھے کوئے
اس پرم تے پانی ہوئے [۱]

«فراخیٔ معاش اور حبِّ دنیا» سے پاکی کی دعا کے بعد حضور سرور کائنات کے معجزات، اسمائے نسب، ولادت، معراج وغیرہ کا بیان ہے۔ معراج کے متعلق اشعار ملاحظہ کیجئے:

«فریضه گشته است پنجگانه نماز در معراج این فقیر بزبان هندی چیزی گفته است:

محمد جگ کا موہن رے　　مصطفےٰ جگ کا موہن رے

کاندھے سوہی کانبلی سر سوہی تاج
لٹکت آوے نبی محمد جس کارن معراج
جبریل جب آئے کھرے رے چونمے تیرے پاؤ
اوٹھ رے میرے لاڈ کھیلے شه را تیرے جاؤ
دھن جنتی راجی امنه رے شاہ عبداللہ باپ
جس کارن سارا عالم سرجا نبی محمد آپ
باجن تیرے پاؤ تلھیں رے یه جیو وار دئے
جی جگ پاوے گھری دونه نینه بھر بھر لئے» [۲]

۱　خزائن رحمت، ص ۱۷۶　　اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۳۰ع ص ۱۲۲
سبھ - سب　پانی پنچے - پانی نکلتا ہے　پنچنا - پیدا ہونا　جیوں - جیسے　جنه جنه - جس جس
سب لوگ جانتے ہیں که سب رس پانی سے بنتے ہیں۔ مگر جس رس سے پانی نکلتا ہے وہ رس کیسا ہوگا۔
پرم - اعلیٰ، فائق (خدا)　تھے - سے　سیتی - سے　جوکیتی - جو کچھ　تیج - نور　کلیا - ملایا - اکھٹا کیا
کلانا - ملانا　چلیا - چلا　سبھیں - سب　رنگه بھرائے - رنگ بھردیا　ستیں - سے　پاتھر - پتھر
کورے - کھورت - مغاک　نالے - نالے　لاکھنه، لانگھنه - پارکرنا　پانی کپرے نا - اگر پانی گرے نا
توتھی - تو وہی　موتی بکاوے - موتی ہوجاوئے　سوں - سے　ت - روز　بہیت - بھید　مات - نشه
پرم - شراب　ناکھیں - رکھیں　پانی راکھیں - آبرو رکھیں　جے - جو

۲　خزائن رحمت، ص ۱۹۱
اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۳۰ع، ص ۱۲۱ پر «عقدۂ در پردۂ کدارا» کے تحت صرف پہلا شعر مرقوم ہے۔
سوہی - اچھا لگتا ہے　کانبلی - کمبل　کارن - وجه　کھرے رے - کھڑے رہے　چونمے - چومے　اوٹھ - اٹھ
لاڈ کھیلے - لاڈلے　دھن، دھنیه - مبارک　جنتی - ماتا　امنه - آمنه　سرجا - بنا　تلھیں - تلے　جیو - جان
نینه - محبت　جس سے دونوں عالم نے گرویدگی ظاہر کی

خلفائے راشدین اور حضرت حسن و حسین کی شہادت کے ذکر پر پہلا خزانہ ختم ہوجاتا ہے۔

خزانۂ دوم اہل طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے افعال کے ذکر پر پینتیس مفتاح پر مشتمل ہے۔ احادیث و آیات کے حوالے کے ساتھ مختلف حالات اور واقعات کا بیان ہے۔

مفتاح اول میں نیت کے بارے میں لکھا ہے کہ خدائے عزوجل کی نظر نیت پر ہے۔ بیت :

ہیری مانجہ جی آپ اپاوے اس تہی باجن کنوری چھپاوے[1]

فرائض، اعتقادات، حضور قلب، زکواۃ، حج اور نماز کے بیان کے سلسلے میں ایک ایک جگہ لکھا ہے کہ «عالم قاب قوسین» کی یاد گار، نماز، کا ترک کرنا منع ہے۔ اس موقع پر شیخ فخرالدین کا ایک دوہرہ نقل کیا گیا ہے۔

«حضرت قطب العالم لنگرجہان فرید الدین اجودھنی قدس سرہ العزیز در حجرہ سر برہنہ و بشرہ متغیر شدہ می‌گشتند و این ابیات بزبان مبارک می‌خواندند :

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم خاک شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی از بہر تو میرم و از بہر تو زیم

و نیز دوہرۂ حضرت شیخ العالم است :

سائیں سیوت گل گئی ماس نرہیا دیہ
تب لک سائیں سیوسوں جب لک ہوسوں کھیہ (کیہہ)[2]

توبہ کے بیان میں مذکور ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی آنکھ میں پانی نہ رہا تو وہ خون رویا کئے۔

باجن اپنے پاپ سبہ جن رو رو دھوئے
پانیں نینو نہ رہیا تب لوہو روئے[3]

---

۱ خزائن رحمت، ص ۲۲۳

۲ ایضاً، ص ۲۰۳؛ اورینٹل کالج میگزین، اگست ۳۰ ع، ص ۹
ہیری - ہیہ دی - دل مانجہ - اندر اپاوے - رہتا ہے تہی - سے کنوری - کون رے چھپاوے - چھپا سکتا ہے
سیوت - سیوا کرتے کرتے گل گی کھل گئی ماس - گوشت نرہیا دیہ - جسم پر نہ رہا دیہ - جسم
کھیہ - خاک ہو سوں کھیہ - خاک ہوجاؤں

۲ خزائن رحمت، ص ۲۴۴ میگزین، ص ۱۲۱
سبہ جن - سب لوگ پانیں - پانی نینو، نین - آنکھیں لوہو - لہو

اورینٹل کالج میگزین ، نومبر ۳۰ ع ، میں یہ شعر یوں نقل ہے ۔

باجن جنہ روی روی اپنے پاپ دھوئے
نینہ پانی نا رہیا تب لوہو رووے

عام طور سے لوگ پانی روتے ہیں مگر جس کو اپنے یار سے جدا کردیا جائے وہ لہو روتا ہے ۔

باجن میت بچھویا جس کوں ہوئے
پانی روئے سب کوئی وہ لوہو رووے [1]

آگے چل کر لکھا ہے کہ

« ہرکہ درین جہان بگرید در آن جہان بخندد و شادان ہمچو گل از گل تازہ برخیزد ۔ دوہرہ

روج جو اہے پاپنہ دھونا ہنس ہنس روئے ایسا رونا [2]

باجن! گریہ کہ از خوف خداست گریستن مبارک ... اگر کسی را حق تعالیٰ بکرم خویش بخشد کہ از خوف خدا آن قدر گریہ کند... آب چشم عاصی ہمہ آتش را سرد کند و عصیان را محو گرداند و سیئات را حسنات گرداند ۔ دوہرہ

باجن جس پر ہووئے کرم پاپ پھر کر ہووئے دھرم [3]

توبہ کے بعد « مختلف روایات کے ساتھ » امور ذیل کا بیان ہے :

۱۔ کلاہ دادن و مقراض راندن
۲۔ ارادت و بیعت
۳۔ شروط بیعت نساء و طریق بیعت زنان کہ خواجگان چشت می‌کنند
۴۔ تلقین ذکر
۵۔ طاقیہ ــــ مختار مشائخ
۶۔ خرقـــہ

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۲۴۵
بچھویا ، بہ چھوہ ، بیوگ ۔ جدائی میگزین ص ۱۲۰ پر بچھوڑا مرقوم ہے
۲ ایضاً ، ص ۲٦۱ میگزین ، ص ۱۲۱
روج ۔ روز اہے ۔ ہے
۳ ایضاً ، ص ۲٦۱ اردو زبان و ادب ، عبدالحق ، ص ۴٦
پاپ ۔ گنہ پھرکر ۔ بدل کر دھرم ۔ ثواب

۷ - سجادہ نشستن و آداب آن

۸ - مقامات شیخ و اوصاف آن

۹ - انواع مریدی

۱۰- وسیلت با پیر

۱۱- پیری و مریدی

۱۲- آداب مرید با شیخ و حق تعالیٰ

۱۳- دین دنیا

۱۴- فرض

فرض کے علاوہ باقی امور میں شاہ باجنؒ کے اشعار مندرج نہیں ہیں۔

مفتاح بیست و چہارم میں توکل کے ذیل میں لکھا ہے کہ «استقامت توکل» سے اللہ تعالےٰ «حق الیقین» عطا کرتا ہے اور جس کو یہ مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے اس کے لئے ہر مقام یکساں ہے۔

«چون توکل استقامت یافت حق تعالیٰ حق الیقین بخشد ....
پس کسی را بدیں آیت .... قل لا املک نفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاءاللہ .... استقامت دادہ باشند او را جنگل و بیابان و آبادانی یکساں باشد. گوجری

میرا تروی رے سبھ بانوں کا رکھوال او گھٹ گھاٹ اوتارن ہار
بکٹ ڈونگر ہور پگھمیں کاٹیاں ، باگ بسیں جس ٹھیاؤں
سبھ بن کھنڈ کا تونہیں راجا تیرے واری جاؤں
گھر آنگن جنگل ہور ڈونگر باجن من یکساں یوں
گھر آنگن باہر تونہیں رکھوالا نگہ وان تیرا نانوں» ۱

ریاضات و مجاہدات کے بیان میں لکھا ہے کہ راہ سلوک سخت و باریک اور صعب ہے۔ منزلیں مشکل اور ان میں آفات بےشمار ہیں۔ سالک کو مرشد سے ہدایت طلب کرنا چاہئے اور صلحاء کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

«در راہ ہمین ہمراہان کار خواہند آمد که بزرگان فرمودہ اند

خزائن رحمت ، ص ۳۱ : آورینٹل کالج میگزین ، نومبر ۳۰ ع ص ۱۲۱
میگزین میں تھوڑے فرق اور اشعار کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ مذکورہ اشعار منقول ہیں
تروی - نجات دلانے ولا رکھوال ، نگہ وان - رکھوالا ، نگہبان اوتارن ہار - اتارنے والا
بکٹ ڈونگر - دشوارگزار پہاڑ پھگہ میں کاٹیاں - راستے میں کانٹے باگ بسیں ٹھیاؤں - جہاں شیر بستے ہیں
بن کھنڈ - جنگل تونہیں - تو ہی ناؤں - نام

الرفیق ثم الطریق ۔ بیت

ہمراہ نکو باید و ہمراہ نکو   ہمسایہ نکوباید و ہمسایہ نکو

بیت لمولفہ   اگر لشکر موافق گشت با جن

چہ غم دارد کسی از خوف دشمن[1]

« نفس کشی » کے بارے میں لکھا ہے کہ

« راہ طریقت ہمین خلاف نفس کردن است ۔ » در زبان ہندی گفتہ می‌آید :

جی من کا کھیانا نسنے   گرتپ سے جیلا اس کنے

بہور گھر بھار ادھارے   تج بھوجن ، کیا جن مارے

ادیس کہے سب اسوگا   یہ جوگی راول جوگا[2]

دنیا اور حب دنیا کو ٹھگ قرار دیا ہے ۔ دنیا کی مذمت ایک نظم میں اس طرح سے بیان کی ہے :

یہ فتنی کیا کسے ملتی ہے   جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

آن چھیل بہت جھلائے   آن رو کر بہت رولائے

آن جھوکر بہتے کھائے   آن بہت کھیرے پارے

اس بلکی ویراں جھاری   وے جی رہے استھے نیاری

وو جانے نہ استھی پاری   . . . .

اس کارن تب نہ ترسنہ   جگ ملے تو اس سنہ بلسنہ

یہ فتنی انھوں تپاوے   جگ پاس نانھوں آوے

جی اسسم کدھے اور نہ   جے ملے تو بھی اس چھوڑنہ

جی دیکھت اس تھیں بھاگے   یہ نیلج ان سنہ لاگے

دیکھو باجن یہ تو جھوٹی   مکھ میٹھی چت میں نیٹھی

یہ آہے ایسے دھیتی   . . . .[3]

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۲۱۶

۲ ایضاً ، ص ۲۲۰

کھیانا ۔ کھنا   نسنے ۔ نہ سنے   تپ ۔ ریاضت   جیلا ۔ جلا   اس کنے ۔ اس کو   گھر بھار ۔ گھر بار   بھوجن ۔ غذا   جن مارے ۔ جان مارے   ادیس ۔ ایدیش   راول جوگا ۔ سب سے بڑا جوگ (نفس کشی)

۳ ایضاً ، ص ۲۲۱   اردو کی نشوو نما میں صوفیائے کرام کا حصہ ، ص ۲۲

چھلتی ہے ۔ نخرے کرتی ہے   چھیل جھلانا ۔ پریشان کرنا   استھے ۔ اس سے   نیاری ۔ علیحدہ   ترسنہ ۔ جلنا بھننا   سنہ ۔ سنگ ، ساتھ

بلسنہ ۔ رہنا   تپاوے ۔ جلاتی ہے   نانھوں آوے ۔ ان کے پاس نہیں آتی   اسسم ۔ اس سم   کدھے ۔ کبھی   چھوڑنہ ۔ چھوڑدیتی ہے   نیلج ۔ بے شرم   مکھ میٹھی ۔ زبان کی میٹھی   چت نیٹھی ۔ خیال میں کڑوی   آہے ۔ ہے   دھیتی ۔ ڈھیٹھ ، بد تمیز

پروفیسر شیرانی نے اس نظم کو چند مصرعوں اور الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل فرمایا ہے :

یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آن چھل بہت چھلائے آن چھوہری بہتی کھاوے
آن روکر بہت رولائے
یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

[بین دوم]

آن بہت گھیرے پارے جے اس بلکے وے انہ چھارے
جے اہے اس تھے تارے وے نجانے اس تھے پارے
جے اس کارنہ تپنہ ترسنہ جے چکہ ملے تو اس سنہ بلسنہ
یہ فتنی انہوں تپاوے چکہ پاس انہوں نآوے
جے اس کدھی نہ لوریں جے چکہ ملے تو بھی اس چھورنہ
جے دیکہ اس تھے بھاگے یہ نیلج ان سنہ لاگے

[تخلص]

دیکہ باجن یہ تو جھوٹی مکہ میٹھی چت نیٹھی
یہ اہے ایسی دھیق یہ کیا کسے ملتی ہے [۱]

شریعت ، طریقت ، معرفت اور حقیقت کو تمثیل کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ذیل کے اشعار موزوں کئے گئے ہیں : [۲]

جی توں آہے بدکارو اورہنا دیکہ پسارے پاؤ
شریعت کے توں بات نچھوڑ جے تجہ جنم نہ لاگے کھور
طریقت آہے بنی کا فعل بکھیں بات نہ آہے کھیل
حقیقت دریا آہے بے کنار بھوت ڈوبے کچھ اترے پار

سالک کو چاہئے کہ کشتی کو استوار کرکے صاحب دریا (خدا) پر بھروسہ کرکے کشتی دریائے حقیقت میں ڈال دے اور اعمال صالح پر تکیہ نہ کرے .

---

۱ اورینٹل کالج میگزین ، نومبر ۳۰ ع ، ص ۱۱۸ پنجاب میں اردو ، ص ۴۰ - ۴۱

۲ خزائن رحمت ، ص ۳۲۷
بدکارو - بے عمل اورہنا - اوڑھنا چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاتا ہے کھور - انتہا
زندگی بھر تو اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا بھوت - بہت

باجن ناؤ نہ تلهرا بندهیا بہتے بہار آگیں سمندر اونان ایر یسے پار [1]

نفس کشی کے بارے میں دو اشعار نقل کئے ہیں :

« بزرگی درین باب فرموده است . بیت

لنکھنت گر کند ترا فربہ سیر خوردن ترا ز لنکھن بہ

بزرگان فرموده اند که الجوع طعام الحق لا یطعمہ الا الخواص من خواص الاولیاء

گر پاچری تو دوبلا لٹھکن موٹا ہووے

نہ جانوں کس پل کوں جھر جھره پنجر ہووے [2]

عمل میں ریا کا شائبہ ہو تو توبہ کرے ، ریا دور ہو جائے گی اور زہد و عبادت کی عادت ہو جائے گی.

بزرگی فرموده :

جھٹ مٹھ کھیلت سچ مچ ہوئی سچ مچ کھیلے بسرلا کوئی

باجن ساجن وی نر ملے جو تہ لینــــہ چھپانہ

جب ساجی اگنہ ہو چلنہ جھوٹہ چھوڑا ست جانہ

مجاہده و مشاہده ، « منظورشدن » عزلت کے بیان کے بعد « اربعین و اخلاص » میں گریہ و زاری کی یوں ہدایت کی ہے :

« گریہ کردن در خلوت گاه جائی که نه بیند کسی ترا و تو نه بینی کسی را. آنچنان وقت کی دست دهد. پس دائم در دل پنہان زاری کند که درویش را دل ریش ہم ازین معنی فرموده انـد که دائـم دل درویش زار زار است چه در خلوت و چه در جلوت . دوہره

خلوت جلوت باجنا تجه منجه ہوئے سو ہوئے

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۳۲۴ اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱۲۱

باجن ناوه تلهرا بندهیا بہتی بہار

آگیں دریاڈراونا کیوں اتریسی پار

ناؤ ـ کشتی بہار ـ وزن آگیں ـ آگے اونان ـ ڈراؤنا اتریسے پار ـ کیسے پار لگے

۲ ایضا ، ص ۳۲۷

لنکھن ـ فاقہ

۳ ایضاً ، ص ۳۲۹

یہی توں تونہیں میرا تجھ بن اور نہ کوئے
جیو جیو جیولا تجھ دہرا رکھوں ہور نہیں میرے کوئے
چوں تو بباشم دگر نباشد تجھ منجھ ہوئے سو ہوئے
روئے روئے نیہ نپرکٹ کیجئے ہنس ہنس ساس ندیجے
خنداں و گریاں با دل بریاں پر ہنس سان لیجیے
باجن ساجن ساتھیں اس بن ہور نہ سوجھے
پنہاں تنہا تن تن تنہا دوجا کوری بوجھے
سالہا اندر تمنا بوده ام ای دل قریب
من و تو باشم نباشد ثالثی با ما دگر[۱]

احکام اربعین ، قوت اربعین ، استکاف ، احتکام اعتکاف ، صحت دل اور فضائل و آداب تلاوت قرآن پاک کے تفصیلی بیان پر یہ باب ختم ہوجاتا ہے ۔

خزانۂ سیوم میں ارباب اہل حقیقت کا تذکرہ ہے ۔ یہ خزانہ انیس « فتح » پر مشتمل ہے ۔

فتح اول میں دل کی صفت، صفائی اور عظمت کا بیان ہے ۔ دل عشق کا بارکش ہے ۔ غیرحق کی صحبت سے دل تاریک اور ویران ہو جاتا ہے ۔ دل میں شیطانی ، نفسانی ، روحانی اور ملکی خطرات پیدا ہوتے رہتے ہیں ۔ ان خطرات کی تشریح کرتے ہوئے شاہ باجنؒ نے لکھا ہے کہ

« مقصود سالکان و عاشقان ہمیں دل است کہ دل بدست آید غیر حق در دل نیاید ۔ چنانچہ مولف کتاب گوید :

مجنون و شیدا کن مرا تا غیر در دل نیاورم
رقصم ہمیشہ در ہوا تا سوی غیرت ننگرم
ای آرزوی باجنا ، دایم شراب از وصل تو
دایم از آن می مبتلا و آن روی زیبا بنگرم

بزرگی فرمود : بیت

دیوانہ گر خوانی مرا گنجم نہ در ہردو سرا

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۳۴۳
منجھ ـ مجھ کو میرا میرا جیولا ـ جیا ہے نیہہ ـ محبت پرکٹ ـ ظاہر، نمایاں

دل را بدست آر اگر مرد عارفی
ہردو جہاں مگیر کہ یکدم ترا بس است

.... ہمچوں مجنوں غلبۃ العشق می باید تا نقش لیلی پدید آید [۱]

چون داغ عشق در دل مجنون نہادہ شد
لیلی ہمہ بدید چون او چشم را کشاد
باجن ہمی چون مجنون بخواہد کہ این نصیب
در عشق شیخ خویش دلش یابد این مراد

محاسبہ کے بیان میں حضرت امیر خسرو دہلوی کے شعر

ز دریای شہادت چون نہنگ لا برآرد ہو
تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

« در عدم می‌بودیم خوش بودیم کہ ما نبودیم چنانچہ بزرگے فرمودہ است :

بصحرای عدم خوش خفتہ بودیم — مرا با نیستی خواب خوش بود
ازان خواب خوشم بیدار کردی — ندانم تا ازینت چیست مقصود

سوں لانکہ (؟) منہ سووے نین بھی سکہ راج
اب جو جگایوں سجنے ناں جانوں کت کاج » [۲]

چوتھے فتح میں ذکر و فکر و مراقبہ سے دل کی طہارت کا بیان ہے . اقسام ذکر: لسانی ، قلبی، طبعی ، استیلاء حق میں شاہ موصوف کے چند ہندی اشعار منقول ہیں . ان کا پس منظر بھی ملاحظہ فرمائیے .

« سعی کند کہ ذکر جلی خفی گردد و ذکر خفی دل را گیرد کہ ذکر دل جان را گیرد و ذکر جان در سر آید کہ تن و دل و جان ہمہ ذاکر شوند و در ذکر فنا پذیرد کہ جز جان جانان نماند ہمین جان جانان شود . . .

---

۱ خزائن رحمت ، ص۳۵۹
۲ ایضاً ، ص ۳۶۵

سوون - سونے ، لانکہ - لگا ، منہ - میں ، نین - آنکھیں ، سکہ - سکھ ، سجنے ، سجن - مالک
نا جانوں - نہیں معلوم ، کت - کہاں ، کیسے ، کاج - کام

خیال این درویش که ذاکر برین طور ذکر کند که در زبان ہندی گفته شده است .

ساجن یہہ جیو منه اہے　　اپنا نانوں واپیں کہے
انکھیاں کاجھ روشن جو آوے
کانوں کوں کیوں رے سناوے
جیبب کیوں لیوے ترا نانو
جیو منہ اہے تیرا ٹھانو
کوئی نجانے جیو اہے کیسا
جس منہ اجھے ساجن ایسا
ابھیدا ابھیدا دشتا رہے
باجن جیو کا بھید کوئی نه لہے [1]

خوش آنکه دلت ز ذکر پرنور شود　　در پرتو آن نفس تو مقهور شود
اندیشهٔ غـــیر از میان دور شود　　ذاکر ہمه ذکر و ذکر مذکورشود

فتح پنجم میں (ذکر) کا تفصیلی بیان ہے . عربی ، فارسی اور ہندی زبانوں کے ذکر کے مختلف کلمات مندرج ہیں . فتح ششم میں مراقبہ کے کلمات اور ذکر کی حالت میں جو انوار رو نما ہوتے ہیں ان کا مذکور ہے . اس تفصیل میں شاہ باجن رح کا ہندی یا فارسی کلام نہیں ملتا

فتح ہفتم : بیان اشغال میں چند ابیات مرقوم ہیں . ان کا محل ملاحظه کیجیے.

« ذکر و مراقبه از حضرت پیر خود چنان اخذ کند که ہمچو پیر شود و از ذکر مولیٰ نیاساید تا وجود که موجود است ، عدم گردد و جان با جانان قرار گیرد که ہرگز نمیرد

باجن جیو امر اہے موا نه کہیو کوئے
جے اے کوئی موا کہے موا او ہی ہوئے [2]

بی ذکر خدای عز و جل دم نرود و قدم بے ذکر برندارد . بیت

۱　خزائن رحمت ، ص ۳۷۴
یہہ - یہ　جیو - جی　اہے - ہے　نانوں - نام　واپیں - خود　جیب - زبان　اجھے - بستا ہے
ٹھانو ، استھان - مقام　ہونا - رہنا　ابھیدا - مختلف　دشتا - نظر آتا ہے　دسنا - دکھائی دینا .
لہے - نصیب ہووے　لہا - نصیب ہونا
۲　خزائن رحمت ، ص ۳۹۸　میگزین ، ص ۱۲۲

نگہدار دم را کہ عالم دمی است
دمی پیش دانا بہ از عالمی است

فرمودند کہ بے ذکر دمی نزنند و این دم را رائیگان نگذارد. دوہرہ

باجن جی تو سجنا لوڑے سنجے دم کے دام
چیتل جی سوں لاک رہیں تو بھلے رے آویں کام [1]

باجن جب لک یہ ہے دم
تب لک قائم اہے قدم [2]

فتح ہشتم میں اولیاء کی معرفت، فضلیت اور ولایت کا ذکر ہے۔ ولایت کی علامات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مرتبۂ ولایت اللہ کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔ یہاں شاہ باجنؒ کی دو ابیات (فارسی شعر، ہندی دوہرہ) ملتی ہیں۔ بیت

فضل و عنایت در حق ماکن جز تو ندارم ہیچ پناہی
اینک مفلس عاصی باجن ہر دم نالد ز درد گناہی

دوہرہ

گور اندھیاری ڈر بڈا باجن کھڑا مفلس
ہیرا کنپئے، جیو ڈرے، یہ دوکھ اکھوں کس [3]

فتح نہم میں مشائخ کی معرفت کا ذکر کرتے ہوئے سالک کی قسمیں بیان کی ہیں اور عمل نیک کی اہمیت واضح کی ہے۔

باجن زہد ریائی کچھ کام نہ آوے
جب وو بینچے ہات منہ اک جو نپاوے [4]

فتح دہم سماع کے بیان میں ہے۔ اس میں سماع کے جواز (بحکم نص و احادیث) شرائط، آداب، انواع وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ صوفیوں

---

۱ ایضاً، ص ۳۹۹
سجنا ۔ سجن لوڑے ۔ پسند کرے، چاہے منجا ۔ مرتب کرنا
۲ خزائن رحمت، ص ۳۹۹
۳ ایضاً، ص ۴۰۸
گور ۔ رات ڈر بڈا ۔ ڈرا ہوا ڈرپنا ۔ ڈرا ہوا ہونا ہیرا، ہیرا ۔ دل کمپئے ۔ کانپے
اکھوں، اک ہوں ۔ کیسے کہوں
۴ ایضاً، ص ۴۱۷
بینچے ۔ فروخت کرے ہات منہ ۔ ہاتھ میں

کے نزدیک سماع صلوٰۃ ہے ۔ اس مقام پر اہل صفہ اور مزامیر کی تعریف میں چند اشعار ملتے ہیں

« ہر وقت که سلطان السیف برای جهاد می رفتند اصحاب صفه پیش از آن آنجا می رفتند و قتال می‌کردند و چون پیغمبرعلیه السلام در آن حرب گاه می‌رسیدند یاراں می پرسیدند که ایشان کیستند؟ رسول فرمودند که اصحاب صفه اند و وقت بازگشت لشکر پس پشت لشکرشده می آمدند و آنجا که صفه بود ہمانجا می رفتند ۔ ہمین مضمون بزبان ہندی گفته شده است :

جب راوت جانوہ جھوجھیں باجن تب تو اگھوں جائیں
جوجھہ جیت کر باہورنہ تب ہوئے پاچھیں آئیں [1]

پروفیسر شیرانی نے اس بیت کو یوں نقل فرمایا ہے :

جب راوت جھوجھن جاو نہ　　تبتوں آگیں ہووا جائیں
جھوجھہ کر باہرنہ [آؤنہ]　　تبتوں پیچھیں ہوا آئیں
باجن ہر وہی جو خدا فرمایا　　محمد کی کافر نہ سوں دندلایا

این درویش صفت مزامیر کرده است :

ایوں باجن باجے باجن باجے رے اسرار جھاجھے
یہ پاوا شہ کا ہاوا　　ان دستک دکھ گنوا وا
ان ہر کوں حق حق لاوا [2]

« باجن در زبان ہندی مزامیر یعنی بجنتر را می‌گویند و رباب که این عاشقان را روح باب می خوانند و این وجود آدمی صفت مندل دارد و در زبان ہندی من دل را خوانند و جسم جثه را گویند و ہندی دل ہم گویند و اگر کسی را جثه خوب می باشد او را مندل ہم می گویند ، وقتی که صوفی آواز (صوت) بشنود که صوت بی‌صورت و بی‌نشان که صوت مثال ندارد و بلا مثال است آن صوت در گوش صوفی درآید و ناپیدا شده در جگر صوفی نشیند ۔ آن صوفی که ساکن المحبت است او را در جنبش آرد :

۱　خزائن رحمت، ص ۴۳۱　　میگزین، ص ۱۱۸
راوت - بہادر، جانباز　　جاوہ - جاتے ہیں　　اگھوں - آگے　　جھوجھہ - لڑائی　　باہرنہ، بہرنا - لوٹنا
پاچھین - پیچھے

۲　خزائن رحمت، ص ۴۳۲
ایوں - یوں　　جھاجھے - نکلتے ہیں　　پاوا - آگ، پاوک　　ہر کوں - ہر کوئی　　لاوا - لینے لگے

جب مندل من منہ دھمکے یہ رباب رنگ منہ جھمکے
یہ صوفی تن پر ٹھمکے [1]

حکیم شمس اللہ قادری ، مولوی عبدالحق اور صاحب تاریخ برہان‌پور نے مذکورہ ابیات کو یوں نقل کیا ہے :

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے
صوفی ان پر ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

مجلس سماع میں عود جلانے کے متعلق لکھا ہے کہ

« جان صوفی ہمچو عود در مجمر دل می سوزد بیت
این مجمر دل چون آتش می سوزد عود چو جانش
این تن بریانش

این زمان درین مقام صوفی می باید که این صفت صوفی است چون صوفی از نی گویا و گریان و ہمچو نخود بریان و خندان و شادان در مجلس سماع درآید . بیت

این صوفی سر الہیٰ این مرتبه دارد شاہی
این مظہر عین خدائی

در آن مجلس که مظہر عین خدا باشد اینجا عین شین خدا باشد جائی که مظہر خدا باشد آنجا رحمت منزل شود که آنجا نور می بارد » [2]

شاہ باجنؒ کے ریختہ کے اس « گیت نما نمونہ » کو پروفیسرانی نے یوں نقل فرمایا ہے .

یہہ صوفی سر الہیٰ این مرتبه دارد شاہی
یہ مظہر عین خدائی در آن مجلس که مظہر عین خدا باشد

---

۱ ایضاً ، ص ۴۳۴ میگزین ، ص ۱۲ تیسرا مصرع یوں ہے یہ صوفی اللہ پر رقصے
اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ ص ۲۲
اردوئے قدیم ص ۴۶ تاریخ برہان پور ص ۱۰۲

۲ خزائن رحمت ، ص د۴۳ اورینٹل کالج میگزین ، نومبر ۳۰ع ، ص ۲۰ - ۱۱۹ پنجاب میں اردو ، ص ۲۳ - ۲۴

آنجا عین شین خدا باشد آنجا بارد رحمت الله
آنجا ساقی رسول الله آنجا روی تو شین الله
آنجا ہمه الله باشد نه غیرالله [1]

اقتباسات کا فرق ظاہر ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے:

«درین مقام باجن جان فدا کند که آنجا نور می بارد از رحمت الله
این جا بارد رحمت الله که آنجا ساقی رسول الله. این‌جا رویت شین‌الله
آنجا الله باشد نه غیر الله. نظم:

چو بیند ہر طرف صوفی صفا دارد نماید خود عیان حسن رخ دوست
چو در بر کسوت فقر است او را ہمه ملک و تملک اندر دل اوست
ہمه بر پوست می نازند لیکن بود حاصل بصوفی مغز با پوست

ملاحت آنکه خود را در صباحت
بکوی ناز و غرا او دعاگوست
شراب عاشق است از وجه معشوق
صراحی تن، پیاله لعل نیکوست
ہمچو صوفی با صفای مست باجن
بچشم او یکیست گر کہنه ور نوست

و درین مقام خلوت و جلوت یکسان باشد.» [2]

صوفی کے عالم ناسوت سے عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت میں پہنچنے کے ذیل میں نیچے نقل کئے ہوئے دوھرہ کی تشریح ملاحظہ کیجئے:

«دوھرہ بھونرا لیوے پھول رس، رسیا لیوے کھان
مالی دھنی ہے دام کا بوجه لیۂ سجان

درین مقام بھونرا جان عاشق است و گل رخسارۂ معشوق و مالی مرشد که شب و روز در طلب دام است و گل را می‌پرورد که عاشق ہمین گل است که بھونرا بغیر گل قرار نمی‌گیرد «مالی دھنی دام کا» یعنی دام قید و بند را گویند و مرشد شب و روز در قید می آرد. بوجه لیه سجان یعنی عارف.»

---

۱ خزائن رحمت، ص ۴۳۵

۲ خزائن رحمت، ص ۴۳۶ میگزین، ص ۱۲۰
کھان ـ کھانا سجان ـ عارف بوجه لیه ـ بوجھ لیتا ہے

۳ خزائن رحمت، ص ۴۳۸ میگزین، ص ۱۲۲

اورینٹل کالج میگزین ، نومبر ۳۰ع میں مذکورہ بالا دوھرہ تھوڑے سے فرق سے منقول ہے :

بھونرا لیوے پھول رس ، رسیا لیوے باس
ماس سنچے آس کر ، بھونرا کھڑا اداس (ص ۱۲۰)

اسی ذیل میں باجنؒ کے فارسی اور ہندی دو ابیات ملاحظہ کیجئے :

دوھرہ : کنکن ابھرن مدریا دے پرم پیالہ پییا
باجن جے کچھ کہیا سو سبہ کلالن دییا[1]

فارسی بیت :

مفلس آمدہ ام بر در تو جز تو ندارم الا در تو
کل و جز ہم از کل تو باجنا بیچارہ ندارد جز تو[2]

فتح پانژدہم میں مولا کی طلب و محبت کی ہدایت کی ہے :

« چون دوست با تو بود از کہ باک داری و چون دوست باشی از کہ امید داری .

شیخ سعدی شیرازی می فرماید . بیت

چون دوست موافق است سعدی سہلست جفای ہر دو عالم

. . . اے درویش ، سخن نغز بشنو کہ آمیختۂ ہمہ باش و آویختۂ کس مباش .

باجن ساجن آھے تیرا سبکوں اکھے میرا میرا[3]

فتح شانژدہم میں تحسین اخلاق کے ذیل میں تزکیۂ نفس پر بحث کی ہے اور تواضع کی اہمیت بیان کی ہے .

دوسرے فتح میں خواب کے ذکر میں شیخ فریدالدین گنج شکر کا ذیل کا قول منقول ہے : جس کا سائیں جاگتاں سو کیوں سوئے داس[4]

آخری فتح حیات و ممات کے متعلق مختلف صوفیائے کرام کے اقوال پر مشتمل ہے

---

۱ خزائن رحمت ، ص ۴۳۹
ابھرن - بھردے مدریا - شراب پییا - پیا
۲ خزائن رحمت ، ص ۴۴۴
۳ ایضاً ، ۴۵۰ اردو زبان و ادب ، (عبدالحق) ص ۴۳

خزانۂ چہارم میں اسرار توحید جل و علا اور مبداء و معاد انسان کا ذکر چند مفتاح پر مشتمل ہے :

مفتوح اول — سر روح و اسرار
مفتوح دویم — عشق
مفتوح سویم — معرفت
مفتوح چہارم — صفات و مراتب و تجلیات کلیہ
مفتوح پنجم — طالبان
مفتوح ششم — اصطلاحات صوفیہ

اس مفتوح میں شیخ ابو سعید ابوالخیر کی ذیل کی رباعی کی تشریح ہے ۔

حوران بنظارۂ نگارم صف زد
رضوان ز تعجب کف خود بر کف زد
آن خال سیہ بران رخان مطرف زد
ابدال ز بیم جنگ در مصحف زد

زیر نظر ناقص مخطوطہ تیسرے مصرع کی ذیل کی تشریحی عبارت پر ختم ہو جاتا ہے ۔

« آن خال سیہ بر آن رخان مطرف زد : المعنی ، خال سیہ عبارت است از ہستیٔ سالک در جمع الجمع بعد از تفرقہ حاصل می شود یعنی چون سالک از محظوظات نفسی و مطلوبات طبیعی از برای وصول مطلوب حقیقی انقطاع می کند ابتداءً از کثرت کائنات بامید وحدت ذات دیدہ بر می‌دوزد و مداد سواد الوجہ در دیدہ می‌کشد کہ خال حقیقی دیدہ را بہ پرتو انوار خود مکحل میگرداند و دیدۂ او ناظر انوار وحدت می‌گردد ۔ »[1]

زیر تبصرہ مخطوطہ کی جلد دوم جو باقی تین خزانوں پر مشتمل ہے مضمون نگار کو ہمدست نہ ہوسکی ۔

---

[1] خزائن رحمت ، ص ۸۷۶

٭ ابوالنصر محمد خالدی

قصیدۂ امین گجراتی

اردو ادب کی تاریخ میں پیش نظر قصیدہ کا حوالہ سب سے پہلے شمس اللہ قادری نے دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں: «محمد امین نے یوسف زلیخا کی داستان گوجری زبان میں منظوم کی۔ یہ مثنوی سنہ ۱۱۰۹ھ میں تمام ہوئی۔۔۔۔ اس نے ایک نعتیہ (کذا) قصیدہ بھی لکھا ہے جو ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۰۹۹ھ کو تمام ہوا ہے:

اول قصیدہ فارسی تھا سو ہر یک جاگا منے
پیچھوں لکھا در گوجری آیا امین کے دل بھیتر
جب یک ہزار اوپر ہوے ہجری کے نوّد نو برس
تب اے جمادی الثانی میں لکھیا قصیدہ از شکر
تاریخ بائیسویں اتھی روز جمعہ پیدا ہوا
بارے خدا کے فضل سوں پورا کیا وقت سحر

۔۔۔ قصیدہ کا قلمی نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے۔»[۱]

محی الدین قادری مرحوم نے ادارۂ ادبیات کے مخطوطات کی فہرستوں میں[۲] نصیرالدین ہاشمی مرحوم نے «دکن میں اردو»[۳] اور کتب خانہ آصفیہ و مختاریہ کے اردو مخطوطوں کی فہرستوں میں[۴] اور ڈاکٹر محمد عبدالحمید صاحب فاروقی نے اپنے فاضلانہ مقالہ «امین گجراتی کی یوسف زلیخا» میں دکھن کے کئی «امینوں» کی نشان‌دہی کی ہے[۵] لیکن ان میں سے کسی نے بھی محولہ صدر قصیدہ کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ «علی گڑھ تاریخ ادب اردو» میں جہاں جہاں امین کا ذکر آیا وہاں بھی اس قصیدے کا حوالہ نہیں پایا گیا۔[۶]

٭ ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی، ام۔ اے۔ (عثمانیہ)؛ ڈی۔ لٹ۔ (قاہرہ)؛ ریڈر، شعبۂ تاریخ، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قصیدہ سے تاریخی یا لسانی استفادہ کرنے کے لئے اس کے مصنف کی زندگی سے واقف ہونا چنداں ضروری بھی نہیں. ادب و تاریخ کے متعلم کو اتنا جاننا بالکل کافی ہے کہ سنہ دس سو ننیانوے ہجری کے موسم بہار کی ابتدائی راتوں میں امین نے ایک قصیدہ کو، جو پہلے فارسی میں لکھا گیا تھا اور بہت مشہور تھا، گوجری زبان میں منتقل کیا. قصیدہ کی تکمیل جمعہ کی مبارک رات کو ہوئی. قمری سال کے چھٹے مہینے کی بائیس تاریخ بھی کچھ کم مبارک نہیں تھی کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ غالباً اسی تاریخ میں خلیفہ ہوئے تھے.

شمسی سالوں کے حساب سے اس روز ماہ اپریل کی چودہ تاریخ تھی اور سنہ ایک ہزار چھ سو اٹھاسی عیسوی.

قصیدہ میں جو خیالی قصہ بیان کیا گیا ہے نثر میں اس کا خاکہ کچھ اس طرح ہے:

> ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے لئے ٹھیک وقت پر بیدار نہیں ہوسکے اس تاخیر پر اللہ سخت ناراض ہوا. جبرئیل اس ناراضی سے واقف ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور خبردار کیا کہ اس طرح سو رہنے پر اللہ تعالی غضب ناک ہوکر آپ کی امت کو دوزخ میں ڈالنے والا ہے. یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت پریشان ہوئے، فوراً صحرا کی طرف نکل پڑے اور وہاں ایک غار میں سجدہ ریز ہوکر دعا میں مصروف ہوگئے.
>
> تین دن تک آپ صلعم کے اصحاب نے آپ کو نہیں دیکھا تو سیدہ عائشہؓ کے یہاں خبر لینے آئے. سیدہ عائشہؓ نے کہا کہ جبرئیل کے یہ کہنے پر کہ تہجد کی نماز کے لئے ٹھیک وقت پر نہ اٹھنے کی وجہ سے اللہ غضب ناک ہوکر امت کو دوزخ میں ڈالنے والا ہے، آپ صلعم گھر سے نکل گئے نہ معلوم کدھر گئے — یہ سنتے ہی سب صحابہ آپ صلعم کی تلاش میں ادھر ادھر نکل پڑے. جنگل میں ایک گوالئے سے صرف اتنا پتہ لگا کہ کہیں دور ایک طرف سے رونے کی ایسی درد ناک آواز آرہی ہے جس کو سن کر وہ دیوانہ سا ہوگیا ہے

اور اس کے جانور بھی چارا نہیں کھا رہے ہیں۔ صحابہ اس کی بتائی ہوئی سمت کی طرف روانہ ہوئے۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے بہت دور جانے پر دیکھا کہ آپ صلعم سجدے میں سر رکھے آہ و زاری کرتے ہوئے اللہ سے اپنی امت کی بخشایش کے خواستگار ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ جب تک تو امت کو نہیں بخشے گا میں اپنا سر نہیں اٹھاؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر ابوبکر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے جو کچھ عبادت کی ہے وہ سب امت کی نجات کے لئے اللہ کی نذر کرتا ہوں۔ آپ صلعم نے فرمایا: یہاں تمہاری عبادت سے کچھ کام نہیں چلے گا۔ ابوبکر خاموش ہو رہے پھر عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے عدل و انصاف کی کارگذاری پیش کی۔ وہ بھی قبول نہیں ہوئی عثمانؓ کی خدمت قرآن سے بھی مطلب برآری نہیں ہوئی۔ جب یہ سب کارنامے امت کی نجات کے لئے کچھ کام نہ آسکے تو علیؓ کے غزوات کیا کام آتے۔ وہ بھی مایوس ہو رہے۔

صحرا میں یہ بزرگ اپنی اپنی خدمات پیش کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑا دوڑا سیدہ فاطمہؓ کے یہاں پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سیدہ یہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پہنچ گئیں اور زبان رسالت سے سارا واقعہ دوبارہ سن کر خود بھی آہ و زاری کرتے ہوئے اللہ کی جناب میں عرض پرداز ہوئیں: یا الہ العالمین جب تک میرے باپ اپنا سر زمین سے نہیں اٹھائیں گے میں بھی یونہی روتی پڑی رہوں گی۔

سیدہ فاطمہ سجدہ ریز ہوئی ہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ اللہ نے سیدہ فاطمہ کے طفیل ساری امت کو دوزخ سے نجات دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاداں و فرحاں سجدہ سے سر اٹھایا اور سب کے سب خوشی خوشی اپنے گھر لوٹے۔»

تمہیدی و اختتامی ابیات سے صرف نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ امین نے اصل افسانہ ستر بیتوں میں مکمل کردیا ہے ممکن ہے اصل فارسی قصیدہ میں بھی کچھ کم و بیش اتنی ہی بیتیں ہوں ۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کمین نے انہیں ستر اشعار کے معنی و مطالب کو بڑھاکر چار سو چالیس ابیات تک وسیع کردیا ہے ۔ بیان کردہ افسانے کی تحسین و تنقید کمین کی مثنوی کے مقدمہ میں پیش ہوگی ۔* یہاں امین کے قصیدے کے متعلق صرف دو باتیں عرض کرنی ہیں ۔

۱ ـ اصل فارسی قصیدہ کا سراغ نہ لگ سکا ، اس لئے یہ بتانا ممکن نہیں کہ اس کا مصنف کون تھا ، وہ کس زمانہ میں لکھا گیا اور اس کی بحر کیا تھی ۔ امین کا قصیدہ بحر رجز مثمن سالم میں ہے — فی مصرع مستفعلن کی چار بار تکرار ۔

امین نے اس کو چوخانہ بناکر اپنی قدرت کلام کا ثبوت دیا ہے ، گو ہر بیت میں اس کا التزام نہیں ہوسکا ہے تاہم اکثر ابیات چوخانہ ہی ہیں ۔

چوخانہ بیت کو اصطلاح عروض میں مسمّط کہتے ہیں — مادہ س م ط بمعنی ایک شے کو دوسری شے سے باندھنا یا پرونا کا اسم مفعول — اس کا مطلب ہے : وہ منظوم کلام جس کی ہر بیت چار مساوی اجزاء پر اس طرح منقسم ہوسکے کہ ابتدائی تین اجزاء کا قافیہ ایک ہی ہو اور چوتھے جزو کا قافیہ وہی ہو جس پر پوری نظم مبنی ہے بشرطیکہ اصل بحر کو مضاعف نہ کیا گیا ہو ۔ مسمط کی کئی قسمیں اور بھی ہیں ۔ تفصیل کے لئے عروض کی کسی معتبر کتاب سے رجوع کیا جاسکتا ہے ۔[۷]

موزوں بالطبع نہ ہونے والے ناظرین کی آسانی کے لئے محتاط شعراء ایسے اشعار کے ایک ایک مصرع کو دو دو جزو کرکے اس طرح لکھتے یا لکھواتے ہیں کہ بادی النظر میں یہ مستقل مصرعے معلوم ہوتے ہیں مگر اس احتیاط سے اکثر کم سواد قاری ہی نہیں بلکہ بعض اہل علم بھی بےغوری کی وجہ سے غلطی کرجاتے اور دو اجزاء کو ایک بیت فرض کرلیتے ہیں ۔[۸]

۲ ـ امین نے اپنی زبان کو گوجری کہا ہے ۔ راقم الحروف کی اس زبان سے بالکل آشنائی نہیں اس لئے اس سلسلہ میں وہ کچھ نہیں لکھ سکتا ۔ نقل مطابق اصل ضرور کی ہے اور جہاں تصحیح کی گئی ہے وہاں حاشیہ پر اصل مخطوطہ کی ہوبہو نقل بھی ثبت کردی گئی ہے ۔

اصل مخطوطہ کا صرف ایک ہی نسخہ مل سکا ۔ یہ کتب خانۂ مختاریہ میں ہے ۔[۹]

---

* یہ مضمون نوائے ادب کے اگلے شمارے میں شائع ہوگا (مرتب)

حوالے :

۱ اردوئے قدیم ، شمس اللہ قادری ، لکھنو ۱۹۳۰ ع ، اشاریہ

۲ ج ۱ ، حیدرآباد ، ۱۹۴۳ . اشاریہ
ج ۲ « ۱۹۵۱ »
ج ۳ « ۱۹۵۷ »
ج ۴ « ۱۹۵۸ »
ج ۵ « ۱۹۵۹ «

۳ لکھنو . ۱۹۶۳ ع . صفحات ۱۹۶ و ۲۳۸ و ۲۷۴

۴ آصفیہ . ج ۱ و ۲ حیدرآباد ۱۹۶۱ . اشاریہ
مختاریہ » ۱۹۵۷ . صفحات ۵۰۶ و ۵۱۲

۵ نوائے ادب . بمبئی . ج ۶ . شمارہ ۱ تا ۳

۶ تاریخ ادب اردو . علی گڑھ . ۱۹۶۳ ع . ج ۱ . ص ۱۲۸ اور آگے

۷ مثلاً قواعد العروض از غلام حسین قدر . لکھنو . سنہ تالیف ۱۲۸۸ . صفحات ۱۵۰ و ۱۷۴ و ۲۳۱

۸ صرف چند مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو « قدیم اردو » از عبدالحق . کراچی . ۱۹۶۱ . ص ۷

۱ فہرست محولہ صدر . ص ۵۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم دروداں روز و شب بر سیـــد عالی نسب
از جان و دل سوں با ادب بھیجو محمـــد کے اوپر
پیچھو سنو یک بات تم از مصطفیٰ کہتے ہیں ہم
کھائے امت کا بہوت غم او ہیں نبی خـــیر البشر
غافل کدھی ہوتے نہ تھے بھر نیند ٹک سوتے نہ تھے
ضائع عمر کھوتے نہ تھے کدھوں نہ رہتے بے خبر
یک شب محمد خواب میں سوتے تھے خوش مہتاب میں
آیا امت کے باب (میں) یو حکم از درگاہ نر
یوں جبرئیل آکے کہے اے یا نبی المصطفیٰ
تم پر حکم ہے از خدا جاگو اٹھو وقت سحر
سوتے ہو تم کیوں یا نبی بندگی بسارے تم ابھی
امت تمہاری کوں سبھی ڈالوں گا میں اندر سقر
جاگو محمد سوؤ مت غافل سو یک دم ہوؤ مت
وقت سعادت کھوؤ مت امت کی اب کروؤ فکر
امت غریب عاجز سدا اس پر غضب ایسق خدا
کر تم شفاعت لیو چھڑا ہر یک صغیر و ہم کبیر
سن کر نبی حیران سوں بوجھے اپس کے گیان سوں
یو حکم ہے سبحان سوں اٹھ کر چلے اپنے سو گھر
جب مصطفیٰ اٹھ کر چلے گھر کے بھتر آکر کہے
بدھنا مصلیٰ ہات میں نکلے نبی بیروں زِ در
جنگل منے ڈوگر بڑا یک غار بچ اس تھا بڑا
رھوے نہ کوئی اس بی کھڑا بیٹھے نبی اس کے بھتر
کرنے لگے زاری وہاں امت کی غم خواری وہاں
کرنے لگے یاری طلب مشغول شد اندر ذکر

امت ۔ میم غیر مشدد
کدھی ۔ کبھی
عمر ۔ میم متحرک
امت ۔ میم متحرک
حکم ۔ کاف متحرک
بندگی ۔ دال ساکن
فکر ۔ کاف متحرک
کبیر ۔ یا خت
ڈوگر ۔ ڈونگر ، پہاڑ
بی ۔ بھی
ط ۔ کرنے لگے طلب یاری وہاں مشغول الخ
ذکر ۔ کاف متحرک

سب یار ہوکر ایک ٹھیں نکلے نبی کوں ڈھونڈنے	ٹھیں ۔ طرح ، جانب
آئے نبی کو پوچھتے بی‌عائشہ کو ہوی فکر	فکر ۔ کاف متحرک
احمد نبی کاں ہے کہو دن تین سوں دکھے نہیں	دکھے ۔ کاف مشدد
حیران ہو اٹھ کر سبھی رو رو انکھیاں شد منکدر	
بی‌عائشہ نے یوں کہے معلوم کچھ مج کو نہیں	
آما ہوئے تئیں تین دنَ چھوڑے محمد نے شہر	شہر ۔ ہائے ہوز متحرک ہوے تئیں ۔ ہوتے ہیں
یاروں نے سب یہ بات سن بی عائشہ کو یوں کہے	
کس واسطے جنگل منے نکلے نبی چھوڑا نگر	
بولے بی‌بی یوں عائشہ خاتم نبی یک رات کوں	
سوتے تھے ٹک بھر نیند میں جبریل آئے زودتر	ط ۔ سوتے تھے یوں ٹک الخ
آکے محمد کو کہے بھر نیند کیوں سوتے ہو تم	
اٹھ کر کچھو زاری کرو رب ہے غضب امت اپر	کچھو ۔ کچھ کی زیادت
جب کا کہا جبریل نے خاتم نبی کو یہ سخن	
سن کے نبی نکلے جو ہیں معلوم نئیں اس کا اثر	
یہ بات سن کر یار سب آپس میں یوں کہنے لگے	
نکلے شہر سوں یار سب ڈھونڈے جنگل میں جائے کر	شہر ۔ ہائے ہوز متحرک ۔ جنگل ۔ نون غنہ
جنگل منے جا ڈھونڈیا چاروں طرف پایا نہ کوئی	
بیٹھا انھا اک گوالیا پوچھے محمد کی خبر	گوالیا ۔ الف اول خت
گوآلئے نے یوں کہا میں تو نہیں کچھ جانتا	گوالئے ۔ الف ممدود
ناؤں کبھی میں نیں سنا دیکھا نہیں اندر عمر	عمر ۔ میم متحرک
واقف محمد سوں نہیں پن میں سو اس جنگل منے	
آکے کھڑا تھا غار میں آواز آیا تھا ادھر	
تب میں عجب ہوکر رہا فریاد و زاری جب سنا	
یا امّتی یا امّتی سنیا سخن یہ سربسر	
جب کا ہوا ہے یہ سبب اس دن کا ہوں دیوانہ میں	

چارہ نہیں چگتے کچھو روتے ہیں سکلے جانور — سکلے، سگل ـ سب ، سارے کے سارے

سن کر نبی کے یار سب دوڑ(ے) ، گئے اس غار میں
روتے نبی کو دیکھتے دھرتی اپر راکھے ہیں سر
روتے جو ہیں گے مصطفی پیاری امت کے کاڑنے — امت ـ بتخفیف
انجو چلے ہیں بےعـــدد جیسے ندی آوے اوبھر
مکھ مصطفی نے خاک پر راکھےجو ہیں دہادنی سے — آخری رکن پڑھا نہ جا سکا ، صورت نویسی کردی گئی

ان پانی بن بھوکے نئی کھاتے جو ہیں دے کر گزر — ط ـ بھوکے نئے کھتے جو الخ
یوں کر کہتے ہیں مصطفی ای (یا) خداوند عظیم
جب تک کرم تو نا کرے امت غریب عاجز اپر — غریب ـ یای معروف خت
تب لگ میں سر کو (آپنے) اونچا زمیں سوں نا کروں
امت مجھے پیاری اہے از مادر و ہم از پدر
امت مری جنت منے جب بھر چکا توں کر کرم
تب میں خوشی لے سوں وہاں بیٹھوں گا جا اوپر صدر — صدر ـ دال متحرک
یوں کر کئے ہیں مصطفی زاری سوں کرتے تھیں بہوت — یوں کر ـ کر کے
انکھیاں سو پانی یوں چلے جیسے برستے ہیں ابر — ابر ـ باے موحدہ متحرک
حضرت صدیق نے یوں کہے اے یا رسول اللہ سنو — صدیق ـ بہ حذف یا
سر کو کرو اونچا اپیں جلتا ہے دل میرا جگـــر
طاعت عبادت میں سو کچ کیتا ہوں ڈر ڈر کاڑ سب
بخشا جو سب اس کا جزا امت تمھاری کوں مگر
حضرت نبی بولے سو یوں بوبکر یک مطلب سنو
عاصی امت میری جو ہے پاؤں اسی تے میں ثمر — امت ـ میم غیرمشدد
یوں کر کئے جب ثہ عرض حضرت نبی نے نا سنے — ثہ ـ یہ ، عرض ـ را متحرک
نا امید ہو ٹھارے رہے آئے پچھوں حضرت عمر — ٹھارے ـ ٹھیرے ، امید ـ بہ حذف الف یا یا

احمد سو یوں بولے عمر ای یا نبی المرسلیں	
میں نے کیا ہوں جو عدل سب بندگی مجھ خوب تر	عدل ـ دال متحرک
جو کچھ کیا ہوں میں عدل بخشا سو امت کو سبھی	
دیدار دکھلاؤ ہمیں اونچا کرو مکھڑا قمر	
پھر مصطفی بولے سو یوں سر کو میں اونچا تب کروں	
جب حق تعالی کر کرم بخشے امت میری اگر	امت ـ میم متحرک
حضرت عمر کا اے سخن حضرت نبی نے نا سنے	اِے ـ یہ
دو بار کہہ کر چپ رہے عثمان نے باندھے کمر	
قرآں کو میں یک جا کیا سارا ثواب اس کا سو میں	
یہ سب خدا کے واسطے کرتا ہوں امت کے نذر	نذر ـ ذال متحرک
اے یا نبی پھر خدا سر آپنا اونچا کرو	
یاراں کھڑے مشتاق سب ہیں دین داراں بے صبر	صبر ـ با متحرک
آئے تبھی حضرت علی یوں کر کہے اے یا نبی	
میری عمر اندر غزا کیتا ہوں بر حملہ کفر	عمر ـ میم ، کفر ـ ف متحرک
بخشا ثواب اس کا سو میں امت تمھاری کو نبی	
دیدار دکھلاؤ ہمیں اصحاب ہیں سب منتظر	منتظر ـ ظ مفتوح ، اصلاً مکسور
سن کر نبی بولے اے ہے تم خیال میرا نا کرو	خیال ـ یا ساقط
عاجز امت چھوٹے نہیں دارد گناہاں بیشتر	امت ـ میم متحرک
اس ٹھیں کوئی ماجرا بی فاطمہ کو جا کہا	ٹھیں ـ نون کا اعلان
روتے یو ہیں ڈونگر منے ساری امت کا سر چھتر	امت ـ میم متحرک
بی فاطمہ کے کان بچ جب یہ سخن آ کر پڑا	
ہو گھابرے اٹھ کر کھڑے سر کے اوپر ہوڑے چدر	ہوڑے ـ اوڑھے ، چدر ـ چادر
رونے لگی ہیں فاطمہ سن کر خبر یوں باپ کی	
دوڑے چلے اس غار میں آکر کھڑے پیش پدر	
کرنے لگی یوں کر عرض بابا سخن میرا سنو	عرض ـ را متحرک
کس واسطے روتے جو ہو کرتے ہو اپنے پر ضرر	
اے اضطرابی میں کبھی دیکھی نہیں تم سوں نبی	اے ـ اس ، یہ

جو درد دکھ دیتا ہے رب کرتے ہو تم اس میں صبر	صبر - با متحرک
تم بات اپنے جیو کی سب کھول کر مجھ کو کہو	
روتے ہو تم کس واسطے کس بات سوں پہنچا ضرر	
اصحاب سب عاجز کھڑے اس ٹھار کچھ چلتا نہیں	
تم بن ہمارے کیوں چلے تم چھوڑ ہم جاویں کدھر	
بچھڑے ہو جب کے ہم ستے آرام کچھ کس کو نہیں	
فرقت سوں سب روتے جو ہیں لاگا کلیجے میں خنجر	خنجر کا نون غنہ
بولے پچھوں حضرت نبی یوں بات بی بی کے انگے	
یک رات کو بھر نیند میں سوتا جو تھا میں بےخبر	
تب حق تعالی کا حکم جبریل لائے بیگ سوں	حکم - کاف متحرک
آئے مجھے یوں کر کہے چاہا خدا کا تم اوپر	
اس بھانت کی سوتے ہو تم پشتی امت کی کچھ کرو	امت - میم متحرک
یوں حکم ہے کرتار کا ڈالوں امت دوزخ بھتر	" "
اس روز کا اس غار بچ میں آ کر روتا جو ہوں	
مشکل پڑی تب کیا کروں آوے جو امت پر قہر	قہر - ہائے ہوز متحرک
بی فاطمہ نے یوں کہے بابا صبر تم کچھ کرو	صبر - با متحرک
رحماں رحم کر تب چھوٹے پیچھو امت کوں سربسر	رحم - حا متحرک ، امت - میم متحرک
بولے محمد مصطفی بیٹی صبر میں کیا کروں	صبر - با متحرک
کرنا صبر کچھ اور ہے امت چھوڑانا ہے دگر	" " "
حضرت نبی کی بات جب بی فاطمہ نے یوں سنے	
تب آپ گئے سجدے منے سر کو دھرے بھوئیں کے اُپر	
فریاد زاری کر شروع رونے لگے درگاہ میں	شروع - بہ ترخیم
دکھڑا بھرا سینے منے انکھیاں انجو سوں بھر کے تر	
کہنے لگی بی فاطمہ اے خالق ارض و سما	
دھرتی سے سر اونچا کرے جب آپتا میرا پدر	
میں بھی سو تب سر آپنا اونچا کروں گی از زمیں	

ورنہ قیامت روز لگ کرتی رہوں زاری مگر
عاصی بندے تیرے ہمیں توں دیکھ ہم میں یا خدا
پکڑے چھڑاوے توں دھنی دوجا نہیں کوئی تجھ بغیر
آیا رسول اللہ پر تب حق تعالی کا حکم

بندے ۔ نون غنہ
بغیر کی یا خت
ط ۔ حق تعالی کا یوں حکم
حکم ۔ کاف متحرک

جبریل نے آکر کہے بخشے امت اب کیا ہے ڈر
اے یا رسول اللہ تم سر آپنا اونچا کرو
امت تمہاری کاڑھنے کھلا ہے جنت ہشت در
خوش‌حال ہوکر مصطفی اٹھ کر کھڑے رہے غار میں
تب شکر حق کا لا بجا کانوں سنے جب یہ خبر
بی‌بی نے تب سر آپنا دھرتی ستے اونچا کئے
دیکھا محمد کا درس روشن پونم کا جیوں چندر
سب یار حضرت کے سنو یوں روئے لگ لگ کے گلے
آکر ملے (تب) پیار سوں جیسے ملے شیر و شکر
خوشیاں کریں اصحاب سب صف باندھ کر پیچھے رہے
آگل محمد کوں کئے ڈونگر ستے آئے اوتر
مل کر صحابی ایک ٹھیں آئے محمد کے گھروں
لیائے نبی کوں سات سب پہنچا دئے گھر کے بھتر
یاروں نے تب مانگی رضا احمد کنے باغنچہ سوں
دیتے رضا حضرت نبی بولے سخن چوں دُر گہر
اول قصیدہ فارسی تھا اے سو ہر جا گا منے

کاڑھنے ۔ کھلا ۔ لام مشدد

درس ۔ درشن

ط .... نبی تب بولے سخن الخ
ط .... تھا اے سو ہر ئیک جا گا منے
یک کی بجائے «گا» یا «اے» نکالنے
سے بھی وزن درست ہو سکتا ہے

پیچھوں لکھیا در گوجری آیا «امیں» کے دل بھتر
جب یک ہزار اوپر ہوئے ہجری کے نوّد نو برس
تب ای جمادی الثانی میں لکھیا قصیدہ از مشک تر

قصیدہ ۔ یا اور ہا خت ۔ ورنہ
«از» خارج کرنا پڑے گا

تاریخ باویس‌ویں اتھی روز جمعـــہ پیدا ہوا

بروز جمعہ بتاریخ بائیس جمادی الثانی، دس سو ننانوے ہجری مطابق١۴ اپریل سولہ سواٹھاسی ع

یاری خدا کے سوں اسے پورا کیا وقت سحر
باری تعالی توں کرم عاجز «امیں» اوپر کرے
صدقہ نبی کے پاؤں کا رحمت کرے اندر قبر
مطلب مجھے اتنـا چ ہے جو اس قصیدے کوں سنے
دے فاتحہ اخلاص سوں بھر کر مجھے بخشے اجر

قبر ـ با متحرک

اجر ـ جیم متحرک

• گوپی چند نارنگ

اردو میں لسانیاتی تحقیق

زبان قدرت کا عجیب و غریب تحفہ ہے۔ اس کے بغیر زندگی کا اور سماج کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ زبان ہماری روزمرہ زندگی کا ایسا ضروری حصہ ہے اور ہم اس کے استعمال کے اس قدر عادی ہیں کہ عام طور پر ہم یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتے کہ آوازیں کیسے پیدا ہوتی ہیں، مختلف زبانوں میں مختلف آوازیں کیوں استعمال ہوتی ہیں، زبانیں قدم قدم پر کیوں بدل جاتی ہیں، مختلف آبادیوں میں مختلف زبانیں کیسے وجود میں آگئیں، ان کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟ بعض زبانوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، بعض میں گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ آوازوں سے مل کر لفظ کیسے بنتے ہیں یا پھر ایک لفظ سے ملتے جلتے دوسرے لفظ کیسے نکلتے ہیں؟ وقت کے ساتھ ساتھ لفظوں میں کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں اور ایک زبان کے الفاظ دوسری زبانوں میں کیسے پہنچتے ہیں، اور کیا شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ زبان تہذیب کی ریڑھ کی ہڈی ہے، کسی معاشرے کی تہذیبی قدریں کسی زبان میں کس طرح متشکل ہوتی ہیں، اور اس کے بدلے میں خود زبان کس طرح تہذیبی خیالات اور رجحانات کو اور تمدنی آثار و کوائف کو متأثر کرتی ہے؟ یا خود زبان کے اندر آواز اور لفظ میں کیا رشتہ ہے، یا لفظ اور جملے میں کیا رشتہ ہے؟ ہر زبان میں آوازوں کی تعداد محدود ہوتی ہے، لیکن جملوں کی تعداد اور ان کے بننے کے امکانات لامحدود کیوں ہوتے ہیں؟ جملے سے معنی کیسے برآمد ہوتے ہیں؟ کیا معنی کوئی واقعی چیز ہے؟ کیا معنی ہمارے اندر موجود ہیں، یا خارج میں کوئی وجود رکھتے ہیں؟ زبان اور معنی کا اور زبان اور اسلوب کا، اور زبان اور رسم الخط کا کیا رشتہ ہے؟ یہ اور ایسے سینکڑوں سوال زبان کے انتہائی پیچیدہ اور پُراسرار عمل سے تعلق رکھتے ہیں، اس پیچیدہ عمل کی اصلیت اور نوعیت سے پردہ اٹھانا،

• ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ایم۔ اے؛ پی ایچ۔ ڈی؛ استاد شعبۂ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف پوسٹ گریجوئٹ اسٹڈیز، دہلی یونیورسٹی، دہلی؛ مصنف «اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو»، «کرخنداری اردو»، وغیرہ۔

اس کا تجزیہ کرنا اور اسے سائنسی اصولوں کی گرفت میں لاکر سمجھنا اور سمجھانا جدید لسانیات کا کام ہے۔

انسان نے جب سے بولنا شروع کیا، زبان کے بارے میں سوچنا بھی شروع کیا، علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ زبان کے بارے میں سوچنے کا عمل بھی ترقی کرتا رہا، لیکن زبان کا سائنسی تجزیہ کرنا اور اسے سائنسی اصولوں کی روشنی میں پیش کرنا حال ہی کی چیز ہے۔ زبان کے قدیم اور جدید علم میں فرق کرنے کے لئے ایک کو علم زبان اور دوسرے کو لسانیات کہا جاتا ہے۔ اردو میں الفاظ کی اصل کی، ان کے مادوں کی، تلفظ کی، تذکیر و تانیث کی اور متروکات کی جو بحثیں ہوتی رہی ہیں وہ علم زبان کی ذیل میں آتی ہیں۔ لغات سازی، علم بدیع و بیان اور شعریات اور عروض کے مباحث اور صرف و نحو کی کتابوں کو بھی علم زبان کے تحت میں رکھا جاسکتا ہے۔ اس مضمون میں ان سے سروکار نہیں۔ اردو میں لسانیات کے کام کی ابھی ابتدا ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: تاریخی و تقابلی لسانیات Historical and Comparative Linguistics اور وضاحتی لسانیات Descriptive Linguistics۔ اردو کی ابتدا اور مختلف بولیوں سے اردو کے رشتوں پر جو کام ہوا ہے اسے تاریخی لسانیات کی شق میں رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان اور اس کی علاقائی بولیوں کے جو تجزیے پیش کئے گئے ہیں ان کا تعلق وضاحتی لسانیات سے ہے۔ اردو میں معنویات Semantics پر ابھی کسی نے نظر نہیں ڈالی، حالانکہ سنسکرت میں «رس» «سپھوٹ» اور «دھونی» کے نظریوں کی وجہ سے معنویات کی عظیم الشان روایت موجود ہے۔ اسلوبیات Stylistics کی طرف کچھ توجہ ہوئی ہے۔

اردو کی ابتدا کے بارے میں قیاس آرائی کا سلسلہ یوں تو ‹باغ و بہار› اور ‹آثار الصنادید› سے شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس بارے میں باقاعدہ طور پر سوچنے کی پہلی کوشش محمدحسین آزاد کی ‹آب حیات› میں ملتی ہے جس میں انہوں نے اردو کو برج بھاشا سے ماخوذ بتایا ہے۔ مغربی ہندی سے جو بولیاں نکلی تھیں، ان میں برج بھاشا کھڑی یا ہریانی سے کہیں زیادہ اہم تھی۔ کچھ تو کرشن بھگتی تحریک کی بولی ہونے کی وجہ سے اور کچھ اکبر کی راجدھانی آگرہ کی بولی ہونے کی وجہ سے برج کو خاصا فروغ حاصل ہوا، اور اس نے گرد و نواح کی بولیوں کو

اور ملواں اردو کو متاثر کیا۔ اسی لئے شروع شروع میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ اردو برج سے نکلی ہے۔ سر جارج گریرسن نے شمالی ہندستان کی زبانوں کے سروے کا مہتم بالشان کام اس صدی کی دوسری دہائی (١٩١٦) میں ختم کیا تھا جس میں مغربی ہندی کی بولیوں اور اردو، ہندی اور ہندستانی پر جامع باب لکھے گئے۔ گریرسن نے پہلی بار ہند آریائی زبان کے آغاز و ارتقا پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی اور سنسکرت، پراکرتوں، اپ بھرنشوں، کھڑی، پنجابی اور ہریانی کے رشتوں کو واضح کیا تھا۔ اسی کے لگ بھگ ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی نے بنگالی زبان کے آغاز و ارتقا پر لندن یونیورسٹی میں اپنا کام ختم کیا۔ گریرسن اور چیٹرجی کے کام سے آگے چل کر اردو کے لسانی اور تاریخی پس منظر کو سمجھنے میں بیش بہا مدد ملی، اور دیکھتے ہی دیکھتے چند برسوں کے اندر اندر اردو کے آغاز اور ارتقا پر نئی معلومات کی روشنی میں غور کیا جانے لگا۔ محمود شیرانی اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور دونوں یورپ جا چکے تھے۔ ان دونوں نے اپنی اپنی جگہ پر محمدحسین آزاد کے برج بھاشا والے عوامی نظریے کی تردید کی اور اردو کے ارتقا کو اس کے تاریخی اور لسانی پس منظر میں دکھانے کی کوشش کی۔ محمود شیرانی نے قدیم اردو کے نمونوں کو دستاویزات، ملفوظات اور مخطوطات سے تلاش کرکے اردو کے اولین دور کی تاریخ سے پردہ اٹھایا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اردو پنجابی سے ماخوذ ہے۔ شیرانی کے دلائل تو مضبوط تھے، لیکن انہوں نے اردو کی ابتدا کو افغانوں کے زمانے تک محدود رکھا، اور فتح دہلی کے بعد کے اثرات کو نظرانداز کردیا جبکہ اردو کی ابتدا اور ارتقا کا سلسلہ فتح دہلی اور قیام آگرہ اور شاہجہاں کی مراجعت دہلی تک جاری رہا۔ محمود شیرانی کی کتاب ‹پنجاب میں اردو› ١٩٢٨ میں شائع ہوئی تھی، اور ڈاکٹر زور کی کتاب ‹ہندستانی لسانیات› ١٩٣٢ میں سامنے آئی جس میں انہوں نے اردو پر ہریانی زبان کے اثرات کا ذکر کیا۔ اس سے پہلے پروفیسر ژول بلوک بلٹن آف دی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز ١٩٢٨ میں ہریانی کی اہمیت پر زور دے چکے تھے۔ اس کے تقریباً پندرہ برس بعد ڈاکٹر مسعود حسین خان نے انہیں خیالات کو بنیاد بناکر اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ‹مقدمۂ تاریخ اردو› لکھا جس میں انہوں نے آزاد اور شیرانی کے نظریوں کی تردید کی اور اردو کو کھڑی، میواتی اور ہریانی سے ماخوذ بتایا۔ وہ ان کے لئے نواح دہلی

کی بولیوں کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں ، لیکن ان کی کتاب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اردو کی ساخت میں اصل بولی کون سی ہے ، کھڑی ، ہریانی یا میواتی . دوسری دقت یہ ہے کہ کھڑی کے قدیم نمونے نہ ہونے کے برابر ہیں. مسعود صاحب نے نواح دہلی کی بولیوں کی اہمیت پر بجا طور پر زور دیا ہے ، لیکن جس طرح شیرانی فتح دہلی کے بعد کے اثرات کے منکر ہیں ، مسعود صاحب فتح دہلی سے پہلے کے اثرات کو تسلیم نہیں کرتے . ان کے نظریہ کی کوتاہی یہی ہے کہ انہوں نے اس بات کو نظرانداز کردیا ہے کہ اردو کا آغاز کسی محدود وقت میں کسی محدود علاقے میں نہیں ہوا ، بلکہ اس کا سلسلہ ایک طرف پنجاب سے آگرہ تک اور دوسری طرف شمالی ہندستان سے دکن تک تقریباً چھ صدیوں کے زمانے تک پھیلا رہا ہے . اردو کی تشکیل میں کئی بولیوں نے حصہ لیا ہے ، نیز دکنی اور پنجابی کی واضح مشابہت پکارپکار کر کہتی ہے کہ اردو کی ابتدا دہلوی اثرات سے پہلے شروع ہوگئی تھی . یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر یہ ملواں زبان تغلقوں کے زمانے تک اس درجہ ارتقا پذیر ہو چکی تھی کہ دیوگیر دولت آباد کو آبادی کی ہجرت سے وہاں اردو کی داغ بیل پڑ گئی ، یا امیر خسرو کے زمانے (تیرھویں صدی) میں یہ نوزائیدہ زبان اس قابل ہوگئی تھی کہ اس میں داد سخن دی جاسکے ، تو ختم دہلی سے پہلے کے لسانی اثرات کو یکسر غیر اہم قرار دے کر رد کردینا کہاں تک قرین صحت ہے .

اردو کی ابتدا کے بارے میں ڈاکٹر شوکت سبزواری کی تحقیق کا ذکر بھی ضروری ہے . وہ دوکتابیں شائع کرچکے ہیں . وہ اردو کو قدیم الاصل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زبان مسلمانوں کے داخلۂ ہند سے پہلے موجود تھی . وہ دبی زبان میں اس کا سلسلہ پالی زبان سے بھی ملاتے ہیں ، اگرچہ اس کا اقرار نہیں کرتے . اردو لسانیات کی تاریخ میں اس سے زیادہ دور از کار اور ناقابل فہم بات اس سے پہلے نہیں کہی گئی . اپنے نظریہ کو پوری طرح ثابت کرنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی . ان کی کتابوں کا بڑا حصہ الفاظ کے مادوں اور ان کی تصریفی شکلوں کے ارتقا کی بحث سے متعلق ہے اور یہ مباحث بھی زیادہ تر پراکرتوں پر کام کرنے والے مستشرقین سے ماخوذ ہیں . ظاہر ہے کہ دوسروں کے کام کو اپنا کارنامہ بناکر پیش کرنے سے مسائل حل نہیں ہو جاتے . ادھر پاکستان

میں سرائیکی اور اردو کے رشتہ پر پھر سے توجہ کی گئی ہے ۔ سرائیکی یعنی ملتانی یا لہندا کا ذکر شیرانی نے بھی کیا ہے ، اور سرائیکی کے اثرات کو سامنے لانے کی کوششیں ایک لحاظ سے شیرانی ہی کے نظریہ کی توسیع ہیں ۔ ان سے اردو کے پنجابی اثرات کو سمجھنے میں مدد ملے گی ۔ بعض حضرات نے اردو کا رشتہ دراوڑی زبانوں سے جوڑنے کی طرف بھی اشارے کئے ہیں لیکن ان کی بحث صرف الفاظ تک محدود ہوتی ہے اور جدید لسانیات کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی ۔ ادھر دکنی کو اردو سے الگ ایک آزاد زبان کے طور پر پیش کرنے کی کوششیں بھی ہوئی ہیں جو نہ صرف صحیح نہیں بلکہ مضحکہ‌خیز بھی ہیں ۔ ایسی کوششیں دراصل علاقائیت کے جذبہ سے مغلوب ہوکر کی جاتی ہیں اور تحقیق کے منافی ہیں ۔ اردو کی ابتدا سے متعلق کام کا ذکر کرتے ہوئے سید احتشام حسین کے اس مقدمہ کا ذکر ضروری ہے جو انہوں نے جان بیمز کی کتاب « ہندوستانی لسانیات کا خاکہ » کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے ۔ اس میں انہوں نے تمام نظریوں سے بحث کی ہے اور نہایت واضح اور مدلل انداز میں ان پر محاکمہ بھی کیا ہے ۔ اردو کی ابتدا کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص احتشام صاحب کے اس مقدمہ سے صَرف نظر نہیں کرسکتا ۔

جدید اردو لسانیات میں کام کی ابتدا کا سہرا ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے سر ہے جن کی کتاب Hindustani Phonetics ١٩٣٠ میں پیرس میں شائع ہوئی ۔ اس سے تقریباً پندرہ سولہ برس بعد ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اپنا صوتیاتی کام A Phonological Study of the Word in Urdu بھی پیرس میں مکمل کیا ۔ ڈاکٹر زور کی کتاب اردو صوتیات کے مشینی تجزیہ پر مبنی ہے ، اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی کتاب تجزیاتی نوعیت کی ہے اور اردو صوتیات کی خصوصیات سے بحث کرتی ہے ۔ انہوں نے کئی ایسے پہلوؤں کو لیا ہے جنھیں زور صاحب نے نہیں چھوا تھا ۔ دونوں کے کئی مسائل اب تشنہ معلوم ہوتے ہیں ، اور ان سے اختلاف کی گنجایش ہے ، لیکن اردو صوتیات پر اولین کام ہونے کی وجہ سے یہ کتابیں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی ۔ عبد القادر سروری کی کتاب زبان اور علم زبان درسی نوعیت کی ہے اور طلبا کو لسانیات سے روشناس کرانے کے لئے اردو میں پہلی کوشش ہے ۔ اردو صوتیات کے کام کو آگے بڑھانے میں ڈاکٹر گیان چند جین اور راقم الحروف نے مدد دی ہے ۔ ان دونوں نے اردو فونیم پر کئی مقالے لکھے ہیں ۔ ڈاکٹر گیان

چند جین نے معکوسی آوازوں، غنائی آوازوں، جڑواں مصوتوں،* اردو میں بل اور لہجہ، اردو اور ہندی کا لسانی رشتہ اور اردو عروض کی صوتیاتی تقسیم پر قابل قدر کام کیا ہے۔ ان کی کتاب لسانیاتی مطالعے شائع ہونے والی ہے۔ راقم الحروف نے اردو آوازوں کا صوتیاتی تجزیہ اپنی کتاب اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو میں کیا ہے۔ Urdu Sounds & Script کے نام سے راقم الحروف نے ایک کتاب وسکانسن یونیورسٹی کے لیے مرتب کی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر خلیق انجم کے اشتراک سے کربل کتھا کا لسانیاتی مطالعہ بھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ صوتیاتی تجزیہ کا جدید ترین نظریہ Generative Phonology کا ہے، اس کی رو سے اردو آوازوں کی غنائیت اور ہکاریت کے* مسائل پر راقم الحروف نے وسکانسن یونیورسٹی کے ڈاکٹر ڈونیلڈ بیکر کے ساتھ مل کر کام کیا ہے جو اس سال Language میں منظر عام پر آیا ہے اور اردو اور ہندی سے متعلق اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔

اردو کی علاقائی زبانوں پر بھی تحقیق جاری ہے۔ جان رابرٹس نے شکاگو یونیورسٹی میں اپنا مقالہ دکنی زبان پر لکھا ہے۔ راقم الحروف کی Karkhandari Dialect of Delhi Urdu میں اردوے دہلی کی قدیم ترین بولی کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عبدالستار دلوی (بمبئی کی اردو) پر اپنا ڈاکٹریٹ کا کام کرچکے ہیں۔

اردو گرامر سے متعلق اسی سال کیلی فورنیا کے بروس پرے نے Topics in Hindi-Urdu Grammar کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جو ان کی برسوں کی تحقیق کا نچوڑ ہے۔ اردو افعال پر عبدالعظیم کولمبیا یونیورسٹی کے لئے کام کر رہے ہیں۔ جدید ترین لسانیاتی اصولوں کی روشنی میں جن لوگوں نے غیرملکی طلبہ کے لئے اردو کے ریڈر مرتب کئے ہیں، ان میں جان گمپرز، چودھری محمد نعیم، مسعود حسین خاں، محمد عبدالرحمان بارکر، ازنسٹ بنڈر، عبدالعظیم اور راقم الحروف کے نام قابل ذکر ہیں، یہ کتابیں بالترتیب کیلی فورنیا، شکاگو، وسکانسن، مانٹرئیل اور پن سل وینیا سے شائع ہوئی ہیں، اور ان میں اردو زبان اور گرامر کے لسانیاتی تجزیہ سے بطور خاص کام لیا گیا ہے۔

اردو میں اسلوبیات کی طرف بھی توجہ ہوئی ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خان اور ڈاکٹر مغنی تبسم نے غالب کی زبان کا اور راقم الحروف نے ڈاکٹر ذاکر حسین

کی زبان کا سائنسی تجزیہ کیا ہے۔ دہلی یونی ورسٹی میں ڈاکٹریٹ کا ایک مقالہ «اردو کے اسالیب بیان» پر لکھا گیا ہے۔ لسانیاتی مضامین کے دو مجموعے بھی زیر ترتیب ہیں۔ ایک پاکستان میں دوسرا ہندوستان میں۔ ایک کو ڈاکٹر عبادت بریلوی مرتب کر رہے ہیں، اور دوسرا مجموعہ «اردو زبان کے لسانیاتی پہلو» ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے مرتب کیا ہے۔ اس میں حرف و صوت، زبان اور بولی، لفظ و معنی، صوت و شعر اور رسم الخط کے عنوانوں کے تحت مختلف ماہرین لسانیات کے مضامین کو یکجا کردیا گیا ہے۔ لسانیات میں جدید ترین معلومات مضامین کے انتخاب کے ذریعے ہی پیش کی جاسکتی ہیں، اس لئے ایسے انتخابات جتنے وسیع پیمانے پر شائع ہوں، اچھا ہے۔ دہلی یونی ورسٹی کے رسالہ اردوے معلی کے بھی دو لسانیات نمبر اب تک شائع ہوچکے ہیں، جن میں علاوہ دوسرے ماہرین کے عتیق احمد صدیقی کے مضامین بھی لائق توجہ ہیں۔ ادھر اردو رسم الخط پر بھی پھر توجہ ہوئی ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مسعود حسن رضوی ادیب، ڈاکٹر گیان چند جین اور محمد حسن عسکری کا کام پہلے منظر عام پر آچکا تھا، حال ہی میں رشید احمد صدیقی، آل احمد سرور، سید احتشام حسین، حیات اللہ انصاری، رشید حسن خان، سردار جعفری اور راقم الحروف نے بھی چلن اور تہذیب، اور لسانیات اور املا کے نقطۂ نظر سے رسم الخط کے مسائل پر نظر ڈالی ہے، اور اسکی اصلاح کی تجویزیں پیش کی ہیں۔ یہ سب اردو میں لسانیات کے کام کی ابتدا ہے، لیکن جتنا کام ان چند برسوں میں ہوا ہے، اس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اردو کے اہل قلم اس بارے میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

اور

ادبی پبلشرز

کی مطبوعات

	قیمت
۱ ۔ ولی گجراتی از ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	۳ رُپے
۲ ۔ نور المعرفت از ولی گجراتی مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیرالدین عرفی	۲ «
۳ ۔ اردو مخطوطات مسجد جامع، بمبئی مرتبہ مولوی حامد اللہ ندوی	۴ «
۴ ۔ میرزا مظہر جان جاناں از عبدالرزاق قریشی	٦ «
۵ ۔ لغات گجری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی	۱۰ «
٦ ۔ دیوان عزلت « عبدالرزاق قریشی	۱۰ «
۷ ۔ مبادیات تحقیق از « «	۴ رپے، ۵۰ پیسے
۸ ۔ نوائے آزادی مرتبہ « «	۵ رپے
۹ ۔ مقالہ نما (نوائے ادب) مرتبہ مس رقیہ انعامدار	۲ «
۱۰ ۔ راگ مالا از سید عبد الولی عزلت مرتبہ عبد الرزاق قریشی	۴ «

ملنے کا پتا:

ادبی پبلشرز، شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

مقالات

مرتب :

عبدالحلیم ساحل

معاونین :

علاء الدین جینابڑے

خورشید مظہرالحق نعمانی

فہرست عنوانات

۱	مذہبیات	۱
۲	تذکرہ و سیرت نگاری	۵
۳	تنقید ، ادب ، لسانیات	۱۰
۴	تاریخ و سیاسیات	۲۱
۵	تعلیمات	۲۵
۶	آرٹ	۲۵
۷	متفرقات	۲۶

مــذهبــیات

۱ امینی محمد تقی مولانا

حضرت عمر رضؓ کی معاشرتی اصلاح

الفرقان ، جون ۷۰ ، ص ۳۵ تا ۴۱

حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانہ کے سماج میں جن عام کمزوریوں کو دیکھا ، اور ان پر صحابہ کو تنبیہ کی ان امور کا بیان .

۲ امینی محمد تقی مولانا

بیمہ کی حقیقت و شرعی حیثیت

برہان ، دہلی ، جلد ۶۴ ، جنوری ۷۰ ، ص ۲۵ تا ۳۶
فروری ۷۰ ، ص ۹۶ تا ۱۱۲
مارچ ۷۰ ، ص ۱۸۱ تا ۱۹۵
اپریل ۷۰ ، ص ۲۵۶ تا ۲۶۸
مئی ۷۰ ، ص ۳۳۸ تا ۳۵۴
جون ۷۰

مضمون نگار نے بہت تفصیل کے ساتھ بیمہ کی مختلف قسموں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کی شرعی حیثیت کے تعین کے لئے دنیا بھر کے علماء دین کی رائیں لکھدی ہیں . اس سلسلہ میں مجلس تحقیقات شرعیہ ، لکھنو کے فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ « انشورنس » انسانی زندگی میں اس طرح دخیل ہو گیا ہے کہ اس کے بغیر اجتماعی اور کاروباری زندگی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اور جان و مال کے تحفظ کے لئے بھی بعض حالات میں اس سے مفر ممکن نہیں ہوتا اس لئے ضرورت شدیدہ کے پیش نظر اگر کوئی شخص اپنا یا اپنے مال یا جائداد کا بیمہ کرائے تو مذکورہ بالا ائمہ کرام کے قول کی بناء پر شرعاً اس کی گنجائش ہے .

مضمون نگار نے اس سلسلے میں ملیشیا کانفرنس کی قرارداد کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے جس میں کوئی بات آخری طور پر طے نہیں ہوسکی .

۳ زین العابدین قاضی

رویت ہلال اور ریڈیو

برہان ، دہلی ، جلد ۶۴ ، ۷۰ ، ص ۵۷ تا ۶۵

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جب رویت ہلال کے ثبوت کا مدار «شہادت شرعی» پر نہیں بلکہ « علم شرعی» پر ہے تو علماے کرام کو رویت کے بارے میں شرائط قبول و رد کا فیصلہ فرمانا چاہئے .

۴ صباح الدین عبد الرحمن ، سید

ہندوستان میں وحدۃ الوجود کا مسئلہ

اس سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

معارف ، مارچ ۷۰ ، ص ۱۶۵ تا ۱۹۱

حضرت شیخ علی ہجویری رحؒ ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحؒ ، حضرت شرف الدین یحیی منیری رحؒ ، حضرت اشرف

جہانگیر سمنانیؒ ۔ حضرت مجدد الف ثانی و دیگر بزرگوں نے فلسفۂ وحدة الوجود کی جو مختلف تعبیریں اپنے ملفوظات میں کی ہیں ان کے خلاصے پیش کئے گئے ہیں ۔

۵ ضیاء الدین اصلاحی

معالم السنن از امام خطابی

معارف ، جنوری ، فروری ۷۰ ، ص ۵ تا ۲۵ و ص ۸۵ تا ۱۰۵

معالم السنن امام خطابی کی مشہور کتاب ہے جس میں شریعت کے احکام کی علتیں اور مصلحتیں بیان کی گئی ہیں مقالہ نگار نے اس کتاب کا بہ تفصیل تنقیدی جائزہ لیا ہے ۔ مقالہ کی دوسری اور آخری قسطیں ہیں ۔

۶ عبد الحمید صاحب دہلوی ، حکیم

خطبۂ صدارت

معارف ، فروری ۷۰ ، ص ۱۲۵ تا ۱۳۵

خطبۂ صدارت جو آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے اجلاس ششم منعقدہ دار المصنفین میں ۳۰ ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء کو پڑھا گیا ۔

۷ عنایت اللہ شیخ ، ڈاکٹر

تصوف اور اس کے مسائل

معارف ، ستمبر ۷۰ ، ص ۱۶۵ تا ۱۸۴

تصوف کی اصل ، ہندوستان میں تصوف کا رواج اور اس کے غیر اسلامی ماحول سے متأثر ہونے سے بحث کی ہے (باقی)

۸ فارق ، خورشید احمد ڈاکٹر

عہد عثمانی کا اقتصادی جائزہ

برہان دہلی ، ستمبر و اکتوبر ۷۰ء

یہ بتایا ہے کہ عثمان غنی کا عہد حکومت ساری خلافت راشدہ میں اقتصادی ترقی کا روشن ترین دور تھا ۔ اس میں اقتصادی ارتقا کے ثمرات پوری طرح ظاہر ہوئے جس کی ابتدا عہد نبوی میں ہوئی تھی اور نشو و نما کے مراحل صدیقی اور فاروقی دور میں طے ہوئے تھے زراعت اور باغبانی میں بھی ترقی ہوئی ۔

۹ فارق ، خورشید احمد ڈاکٹر

عہد صدیقی کا اقتصادی جائزہ

برہان دہلی ، مارچ ۷۰ ، ص ۱۶۷ تا ۱۸۱
اپریل ۷۰ ، ص ۲۴۱ تا ۲۵۵
مئی ۷۰ ، ص ۳۲۴ تا ۳۳۷

ابوبکر صدیق کے عہد خلافت کا جائزہ لیتے وقت یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت پہلے سے کچھ بہتر تھی آمدنی کے ذرائع میں مال غنیمت کا خمس ، جزیہ اور زکوۃ خاص تھے ۔

۱۰ محمد اجتباء حسینی

تصوف پر علامہ ابن خلدون کی ایک نادر کتاب

« شفاء السائل لتہذیب المسائل »

جامعہ ، دسمبر ۷۰ ، ص ۴۰۹ تا ۴۱۶

راہ طریقت طے کرنے کے لئے شیخ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ علامہ

ابن خلدون نے اس کا جواب ایک فتوے کی صورت میں دیا ہے جسے انقرہ کے ایک پروفیسر نے مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مقدمہ اور کتاب کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۱ محمد برہان الدین، مولانا

خبر رسانی کے موجودہ وسائل اور رویت ہلال کا مسئلہ

برہان دہلی، اکتوبر نومبر دسمبر ۷۰، ص ۲۲۵ تا ۲۴۰

خبر رسانی کے موجودہ وسائل یعنی ریڈیو، ٹیلیفون پر رویت ہلال کی اطلاع کا ذکر کرتے ہوئے مختلف احادیث اور مذہبی کتابوں کے حوالے درج کئے ہیں اور ان کا فیصلہ علمائے کرام پر چھوڑا ہے کہ وہ مسئلہ کا کوئی معقول حل نکالیں۔

۱۲ محمد شہاب الدین

سائنس اور اسلام

معارف، جولائی ۷۰، ص ۵۳ تا ۷۴

ایک مقالہ جو ۳۱ مئی ۱۹۷۰ع کو اسلامک سوسائٹی آف انڈیا، مدراس کی جانب سے منعقدہ سیمینار میں پڑھا گیا۔

۱۳ محمد شہاب الدین، مولوی

چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں

برہان، جنوری ۷۰، ص ۸ تا ۲۴
فروری " ، ص ۸۰ تا ۹۵
مارچ " ، ص ۱۵۳ تا ۱۶۶
اپریل " ، ص ۲۲۵ تا ۲۴۰
جون
جولائی " ، ص ۱۱ تا ۲۶

مضمون نگار نے انتہائی تفصیل کے ساتھ ۷ قسطوں میں چند آفاقی دلائل کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ چاند کی تسخیر قرآن کی رو سے کوئی مستحسن اقدام اور قابل تعریف کارنامہ نہیں ہے بلکہ خدا کی دوربین نظروں میں یہ سارا کھیل ایک فوجی ڈرامے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، یہ بتایا ہے کہ قرآن عظیم کا دوسرا سنسنی خیز انکشاف یہ ہے کہ نوع انسانی دوسرے آباد اور ترقی یافتہ مخلوق سے معمور سیاروں پر پہنچ کر شکست کھا جائے گا اور یہی موجودہ انسان کے ساتھ ہونے والا ہے۔

۱۴ محمد مجیب، پروفیسر

اسلام میں افراد کے ضمیر کا مقام

جامعہ، مئی و جون ۷۰، ص ۱۳۱ تا ۱۴۸ و ۲۸۹ تا ۳۰۲

سید احمد خان سید محمد جونپوری اور مرزا غلام احمد قادیانی و دیگر اجتہادی مفکرین کی تحریکوں کا جائزہ لیتے ہوئے قرآنی آیات و احادیث کی تاویلات کے بل پر اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ قرآن واردات قلبی کا محرک ہے اور ہر شخص کو انفرادی طور پر تقلیدی انداز فکر میں ضمیر کی دخل اندازی کو جائز قرار دے لینا چاہئے۔

۱۵ مشیر الحق، ڈاکٹر
ملایا میں قانون شریعت
جامعہ، جنوری ۷۰، ص ۱۱ تا ۲۸

ملایا کے دستور میں اس بات کی ضمانت موجود ہے کہ مسلمانوں سے متعلق شرعی قوانین ملک کے دستور میں ناقابل تبدیل حصہ ہیں اور ان میں کوئی بھی سکیولر عدالت یا حکومت کسی قسم کی بھی تبدیلی یا ترمیم و تنسیخ کرنے کی مجاز نہیں ہے. قانون شریعت کا اطلاق عبادات و معاملات دونوں پر منظم طرح سے ہوتا ہے.

۱۶ محمد طیب، مولانا
حج کا مقام
الفرقان، مارچ ۷۰، ص ۲۷ تا ۳۴
اپریل ۷۰، ص ۲۷ تا ۳۶

حج اور دیگر ارکان اسلام باہمی رشتہ، فضیلت و حکمت حج کا بیان

۱۷ ندوی تقی الدین
صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ
برہان دہلی، نومبر ۷۰، ص ۳۲۲ تا ۳۲۹

آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد صحابۂ کرام کی جماعت حفاظت کے ذرائع میں سب سے اول ہے اور قرآن و احادیث میں ان کے عادل ہونے کی شہادت ملی ہے، اس لئے ہمارے لئے ان کا مرتبہ و مقام بہت بلند ہے.

۱۸ ندوی تقی الدین
ہندوستان میں علم حدیث
الفرقان، ستمبر ۷۰، ص ۴۷ تا ۵۲

اس خیال کی تردید کی ہے کہ ہندوستان میں علم حدیث دسویں صدی ہجری سے پہلے بالکل معدوم تھا.

۱۹ ندوی تقی الدین
طلب حدیث کے لئے رحلت
الفرقان، اپریل ۷۰، ص ۳۷ تا ۴۳

احادیث کے حاصل کرنے لئے دور دراز مقامات کا سفر محدثین کی ایک سنت تھی، جسے انھوں نے پورے طور پر ہر زمانہ میں قائم رکھا.

۲۰ نعمانی محمد منظور
معارف الحدیث (مسلسل)

الفرقان، جنوری ۷۰، ص ۵ تا ۲۵
مارچ " ، ص ۵ تا ۱۲
اپریل " ، ص ۷ تا ۱۸
مئی " ، ص ۵ تا ۱۶
جون " ، ص ۱۶ تا ۲۳
جولائی " ، ص ۱۳ تا ۲۳
اگست " ، ص ۱۷ تا ۲۹
نومبر ۷۰، ص ۴ تا ۱۸

حقوق والدین، زن و شو اور ہمسایوں کے حقوق کا بیان احادیث کی روشنی میں، نیز کمزور و حاجت مندوں کے حقوق اور اسلامی برادری کے باہمی تعلقات کا بیان. اسلامی ملاقات کے آداب.

تذکرہ و سیرت نگاری

۲۱ آفتاب اختر ، ڈاکٹر

ڈاکٹر رغیب حسین

فروغ اردو ، اکتوبر ۷۰ ، ص ۵ تا ۱۶

شخصیت ، نظریات اور ان کی ادبی خدمات کا تذکرہ ۔

۲۲ ابو سلمان شاہجہاں پوری

مولانا آزاد اور فرجاد مرحوم (حالات و خطوط)

اردو ادب ، شمارہ ۱ ، سنہ ۷۰ ، ص ۱۷ تا ۷۷

قاضی زین العابدین فرجاد میرٹھ کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ مرحوم اردو کے بڑے ادیب اور اردو و فارسی زبان کے شاعر تھے ۔ مولانا آزاد سے ان کے تعلقات کا اظہار اس مضمون میں کیا گیا ہے اور حالات درج کئے گئے ہیں

۲۳ احمد خانصاحب ، ایم ۔ اے

ابن الهیثم کا جشن ہزار سالہ (یکم تا دس نومبر ۱۹۶۹ ع)

معارف ، جنوری ۷۰ ، ص ۶۶ تا ۷۲

ابن الہیثم بصرہ میں پیدا ہوئے ۔ پہلے مسلمان ماہر طبیعیات ، ہیئت داں ، ریاضی داں اور طبیب تھے ۔ ان کے علمی کارنامے بیان کئے ہیں اور مختلف ممالک میں ان کا جو جشن ہزار سالہ منایا گیا اس کی تفصیلات درج کی ہے ۔

۲۴ اختر انصاری

دلی کا روڑا ۔ سید یوسف بخاری

اردو ادب ، شمارہ ۱ ، سنہ ۷۰ ، ص ۲۳ تا ۴۳

گذشتہ سے پیوستہ

مضمون نگار نے اس مضمون میں یوسف بخاری کی خطوط نگاری ، تراجم و تصنیفات ، شاعری اور شخصیت کی رنگا رنگی کا ذکر کیا ہے ۔

۲۵ امینی محمد تقی

حضرت عمر رض کی شخصیت سازی

الفرقان ، جنوری و فروری ۷۰ ص ۱۴ تا ۵۷

حضرت عمر نے شخصیت سازی کے سلسلے میں جن اہم باتوں پر زور دیا ہے ، ان کا بیان

۲۶ انصار الحسن

پروفیسر ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی کی ادبی خدمات پر ایک نظر

فروغ اردو ، ستمبر ۷۰ ، ص ۴ تا ۶

پروفیسر موصوف کی قلمی کاوشوں کا تذکرہ

۲۷ انور صدیقی

علم و دانش کا چراغ ۔ برٹرنڈرسل

جامعہ ، دسمبر ۷۰ ، ص ۴۰۰ تا ۴۰۸

برٹرنڈرسل ایک عظیم فلسفی اور روایتوں سے انحراف کرنے والا مفکر تھا ۔ مضمون نگار نے اس کی زندگی اور کارناموں کا جائزہ لیا ہے ۔ (باقی)

۲۸ پھلواروی محمد حفیظ اللہ ، مولوی
ظہیر الدین محمد بابر کا علمی ذوق
برہان دہلی ، جنوری ۷۰، ص ۳۹ تا ۴۸
اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ بابر صاحب علم اور علم دوست تھا ، علم فقہ ، انشاء اور فارسی و ترکی شعر میں اسے بڑی مہارت تھی ۔ ترکی زبان میں اس کی سوانح عمری یادگار ہے ۔

۲۹ تسنیم عبد الوہاب
محمد حبیب اللہ ذکا کی شخصیت اور شاعری
فروغ اردو ، ستمبر ۷۰، ص ۱۶ تا ۲۳

۳۰ جمال الدین سید
لیوپولڈ رانکے (۱۸۸۵ — ۱۷۹۵)
جامعہ ، اگست ۷۰، ص ۸۰ تا ۸۹
رانکے برلن میں تاریخ کا پروفیسر تھا ۔ اس نے فن تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا ، جو دستاویزی تحقیق و تنقید ، باریک بینی و ژرف نگاہی پر مبنی ہے ۔ مضمون نگار نے رانکے کی شخصیت اور تصانیف کا جائزہ لیا ہے ۔

۳۱ حکیم محمد زمان صاحب حسینی
حکیم محمد شریف خاں کی بابرکت درویشی
برہان دہلی ، نومبر ۷۰، ص ۳۳۰ تا ۳۴۰
یہ بتایا ہے کہ فن طب میں مہارت کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا ۔ مرزا مظہر جان جاناں کے فیض صحبت نے باطنی طور پر بھی مجلی کر دیا تھا اس لئے وہ ایک با برکت درویش بھی تھے ۔

۳۲ رضوی ، وقار احمد
قدامہ بن جعفر کاتب بغدادی
برہان دہلی ، شمارہ ۲، جلد ۶۴ ، سنہ ۷۰، ص ۱۱۳ تا ۱۳۱
قدامہ کو ادب ، نقد ، فلسفہ اور منطق میں دستگاہ حاصل تھی ۔ قدامہ کو بجا طور پر عربی اصول نقد کا معلم اول کہا جاتا ہے ۔ ہر صنف میں قدامہ کی تقریباً ۱۵ کتابوں کا ذکر کیا ہے

۳۳ زیدی علی جواد
خلیفہ علی محمد سکندر
اردو ادب ، شمارہ ۳، ۷۰، ص ۵ تا ۲۸
یہ بتایا گیا ہے کہ خلیفہ علی محمد سکندر دہلی کے مرثیہ گویوں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ۔ یہ مرثیہ گو بھی تھے اور اچھے شاعر بھی ۔ ان کے مرثیے خواص و عوام اور طول و عرض ملک میں مشہور تھے ۔ ان کے مرثیوں کی خصوصیات یہ ہیں : سکندر مرثیے کے عرب کرداروں کو ہندوستانی ماحول میں دیکھنے کے عادی ہیں ، مرثیوں کی زبان بول چال کی زبان سے قریب ہے ۔ عرب و حجاز کی فضا کم ملتی ہے اور مربوط نگار ہیں ۔

۳۴ سجاد قاضی زین العابدین
حضرت مولانا عبدالمومن دیوبندی رح
الفرقان، جنوری و فروری ۷۰
مولانا عبدالمومن دیوبندی کے حالات اور ان کے کمالات علمیہ کا تذکرہ

۳۵ سحر ابومحمد، ڈاکٹر
غالب اور الکحلیات
اردو ادب، شمارہ ۳، ۷۰، ص ۶۹ تا ۹۲
غالب کی مے نوشی کے اسباب و علل ان کے اشعار کی روشنی میں بتائے ہیں۔

۳۶ سید احتشام حسین، پروفیسر
محسن کاکوروی
فروغ اردو، اپریل، مئی، جون ۷۰، ص ۹ تا ۱۲
چند تاثرات

۳۷ سید عابد حسین، ڈاکٹر
مرد مومن، مرد حق
جامعہ، جون ۷۰، ص ۳۰۳ تا ۳۱۴
ڈاکٹر ذاکر حسین ایک کامیاب معلم اور ایک شریف و باوضع انسان تھے۔ بہار کی گورنری، نائب صدر اور صدر کے عہدے انہوں نے اپنی چاہت سے نہیں بلکہ پنڈت جی کے اصرار پر قبول کئے تھے۔ ذاکر صاحب کی شخصیت اور کارناموں کا خاکہ کھینچا ہے۔

۳۸ سید محمد ثانی حسنی
ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی
الفرقان، جون ۷۰، ص ۲۴ تا ۳۴

۳۹ سید محمود الحسن، ڈاکٹر
سید شبیہ الحسن
فروغ اردو، نومبر ۷۰، ص ۴
سید شبیہ الحسن کی ادبی کاوشوں اور ان میں ان کی انفرادیت کا ذکر

۴۰ سید وحید الدین، ڈاکٹر
حضرت نظام الدین اولیاء
فروغ اردو، جولائی ۷۰، ص ۱۱ تا ۱۳
حضرت نظام الدین اولیاء کی، خلق خدا سے محبت اور عام انسانی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔

۴۱ شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر
محسن کاکوروی
فروغ اردو، اپریل، مئی و جون ۷۰، ص ۱۳ تا ۳۶
نعت گوئی میں محسن کی انفرادیت ثابت کی ہے

۴۲ شکیل احمد صدیقی
حسین بن منصور حلاج
فروغ اردو، جنوری ۷۰، ص ۴ تا ۱۵
منصور حلاج کے بارے میں بعض مختلف فیہ موضوعات پر بحث

۴۳ صباح الدین عبدالرحمن، سید
ڈاکٹر محمد اسحق مرحوم
معارف، مارچ ۷۰، ص ۲۲۸ تا ۲۳۸
ڈاکٹر اسحق مؤلف سخنوران ایران در عصر حاضر، ڈھاکہ اور بعد میں کلکتہ یونیورسٹی میں عربی و فارسی کے لکچرار تھے۔ ان کے حالات زندگی اور علمی مشاغل بیان کئے گئے ہیں۔

۴۴ قاضی زین العابدین سجاد
حضرت مولانا عبدالمومن دیوبندی
الفرقان، جنوری و فروری ۷۰، ص ۷۰ تا ۷۶
مولانا موصوف کے حالات اور ان کے کمالات علمی کا تذکرہ

۴۵ قصری ، ایم ، حسین
نقوش حیات اثر لکھنوی
فروغ اردو ، نومبر ۷۰، ص ۱۱ تا ۱۵
دسمبر ۷۰، ص ۲۸ تا ۳۰
بحیثیت شاعر و تنقید نگار، اثر کی ادبی کاوشوں اور علمی خدمات کا تذکرہ

۴۶ مجیب اللہ ندوی
مولانا کرامت علی جونپوری اور انکا ترجمہ شمائل ترمذی
الفرقان، مئی ۷۰، ص ۲۷ تا ۳۹
جون " ، ص ۴۳ تا ۵۵
اگست " ، ۳۶ تا ۴۹
مولانا کے سوانح حیات اور تبلیغی خدمات کا تذکرہ۔ نیز ان کے شمائل ترمذی کے ترجمہ اردو کی خصوصیات کا بیان

۴۷ محمد مجیب پروفیسر
گرو نانک
جامعہ ، فروری ۷۰، ص ۶۳ تا ۷۲
گرونانک کی تعلیمات میں انسان کی فطرت کو بھی اس کا حق دیا گیا ہے۔ زندگی کے بارے میں گرونانک کے تین اصول یا تین ہدایتیں ہیں:
(۱) کرت کرو (۲) نام جپو (۳) ونڈ چھکو ان پر عمل پیرا ہونا زندگی کی کامیابی کی دلیل ہے۔

۴۸ محمد مجیب پروفیسر
شیخ فرید گنج شکرؒ
جامعہ ، جنوری ۷۰، ص ۷ تا ۱۰
شیخ فریدؒ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید اور شیخ نظام الدین اولیاء کے پیر تھے۔ طبیعت سخت ریاضتیں کرنے کی طرف مائل تھی۔ مصیبت زدہ لوگوں کی دلجوئی کرتے اور ان کے لئے تعویذیں لکھتے تھے۔

۴۹ محمد رضا ، مفتی
بانی درس نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی
معارف ، جولائی ، اگست ، ستمبر ، اکتوبر ، نومبر ، دسمبر ۷۰، ص ۲۴ تا ۵۲ ، ۸۵ تا ۱۰۹ ، ۱۸۵ تا ۲۰۷ ، ۲۷۱ تا ۲۸۹ ، ۳۵۳ تا ۳۷۴ ، ۴۰۵ تا ۴۲۴
درس نظامی کے بانی ملا نظام الدین فرنگی محلی کے والد ملا قطب الدین شہید سہالوی کے تفصیلی حالات علمی مشاغل اور تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد ملا نظام الدین اور ان کے تلامذہ اور جانشینوں کے حالات اور علمی فضائل بیان کئے ہیں (باقی)

۵۰ محمد طیب
کیا شیخ حمید الدین ناگوری فیضی کے دادا تھے؟
معارف ، دسمبر ۷۰، ص ۴۷۱ تا ۴۷۴

مضمون نگار نے بتایا ہے کہ دراصل ایک ہی زمانے میں حمید الدین نام کے دو بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ایک ناگور کے قاضی تھے جو فیضی کے دادا تھے اور دوسرے حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔

۵۱ محمد نعیم صدیقی، حافظ
حافظ وکیع بن الجراح الرواسی
معارف، مارچ ۷۰، ص ۱۹۲ تا ۲۰۴

دوسری صدی ہجری کے ایک ممتاز بزرگ امام وکیع ابن الجراح کے نام، و نسب، تحصیل علم، درس حدیث، تلامذہ، ذہانت و قوت حافظہ، اخلاقی فضائل اور تصنیفات کا بیان ہے۔

۵۲ نسیم احمد فریدی
ارشادات حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی
الفرقان، جنوری وفروری ۷۰، ص ۲۷ تا ۴۱
مارچ ۷۰ ص ۱۲ تا ۲۶
اپریل ۷۰ ص ۱۹ تا ۲۵
مئی ۷۰ ص ۱۷ تا ۲۵
جولائی ۷۰ ص ۲۴ تا ۳۲
اگست ۷۰ ص ۳۰ تا ۳۵
ستمبر ۷۰ ص ۴۱ تا ۴۶
نومبر ۷۰ ص ۴۱ تا ۴۶

مولانا تھانویؒ کے علمی و اصلاحی ارشادات

۵۳ نصیر احمد صدیقی، ڈاکٹر
دربار اکبری کا ایک غیر معروف شاعر ثنائی
معارف، اگست ۷۰، ص ۱۱۰ تا ۱۲۰

خواجہ حسن ثنائی مشہد میں پیدا ہوا۔ قصیدہ گوئی میں خاقانی کی تقلید کرتا تھا۔ سوانح حیات بیان کئے ہیں اور کلام کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

۵۴ نعمانی محمد منظور
میری طالب علمی
الفرقان، اکتوبر ۷۰، ص ۴ تا ۵۱

طالب علمی کے زمانہ میں اپنے رجحانات کا ذکر، اس کے علاوہ اپنے بزرگوں کا تذکرہ۔ انگریزی تعلیم سے بچنے اور عربی علوم حاصل کرنے کی رغبت کے وجوہ

۵۵ مقتدیٰ حسن صاحب، مولانا
شوقی اور ان کی شاعری
معارف، مارچ ۷۰، ص ۲۰۵ تا ۲۱۹
اپریل ۷۰، ص ۲۶۷ تا ۲۸۴
مئی ۷۰، ص ۳۷۴ تا ۳۹۱
جون ۷۰، ص ۴۵۰ تا ۴۷۰

عربی ادب کے دو مختلف رجحانات عربی اور مغربی کے پس منظر میں جدید عربی امیرالشعراء شوق کی شاعری کا تعارف کرایا ہے اور اس کی فنی حیثیت اور موافق و مخالف آراء کے صحیح اجزاء کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

۵۶ زرالسعید اختر، ڈاکٹر
وجہی بحیثیت صوفی
سب رس، مارچ ۷۰، ص ۲۲ تا ۳۰

ملا وجہی ایک صوفی لیکن آزاد منش انسان تھے وہ ایک صوفی سرمست نہ سہی لیکن ایک باہوش صوفی ضرور تھے ان کے پیش نظر ایک نصب العین تھا جس کے تحت انھوں نے نظم و نثر میں رسالے لکھے۔

۵۷ نورانی سید امیر حسن
ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی
فروغ اردو، دسمبر ۷۰، ص ۴ تا ۱۲

ڈاکٹر صاحب کی علمی و قلمی خدمات کا تذکرہ

تنقید، ادب، لسانیات

۵۸ آصفہ زمانی
جواہر العجائب
فروغ اردو، اکتوبر ۷۰، ص ۱۹ تا ۱۳۰

فخری ہروی کی کتاب جواہر العجائب کے مختلف نسخوں کے بارے میں نشان دہی کی ہے اور چند شاعرہ خواتین جن کا ذکر اسی کتاب میں آیا ہے، ان کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔

۵۹ ابوعلی
غبار خاطر کی بعض غیر معروف شخصیتیں
سب رس، مئی ۷۰، ص ۱۸ تا ۲۷

کتاب مذکور کی بعض غیر معروف شخصیتوں مثلاً حافظ ولی اللہ، عبد اللہ، دھیرو، بی بی زلیخا، مسیتا خاں، غلام یسین آہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

۶۰ ابوسلمان شاہجہاں پوری
تذکرۂ آزاد اور مالک رام
پیش لفظ پر ایک نظر
سب رس، مارچ ۷۰، ص ۱۳ تا ۲۱

مضمون نگار نے تذکرہ مرتبۂ مالک رام کے پیش لفظ پر نظر ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے بعض بیانات حقیقت کے خلاف ہیں۔ بعض باتیں غلط قیاسات اور ناقص معلومات پر مبنی ہیں اور ان سب کی نشان دہی کی ہے۔

۶۱ ابو محمد سحر، ڈاکٹر
کچھ «نسخہ بھوپال بخط غالب» کے بارے میں
تحریک دہلی، جولائی ۷۰، ص ۹ تا ۱۱

مارچ ۱۹۶۹ میں نو دریافت دیوان بخط غالب جو بھوپال میں دریافت ہوا اور اپریل کے پہلے ہفتہ میں امروہہ پہنچ گیا اور توفیق احمد صاحب کی ملکیت قرار پا گیا اور بعد میں پاکستان پہنچ گیا اس کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔

٦٢ احتشام احمد ، ڈاکٹر
آداب الرسائل کا تنقیدی مطالعہ
معارف ، اگست ٧٠ ، ص ١٣٣ تا ١٣٨

عبد الرحمن بن عیسی ہمدانی الکاتب (متوفی ٣٢٧ ھ) کی تصنیف آداب الرسائل نثرنگاری کی تنقید پر ایک اہم کتاب ہے . مضمون نگار نے اس کے تنقیدی مطالعہ کا ماحصل پیش کیا ہے .

٦٣ احتشام ندوی سید ، ڈاکٹر
ادبی تخلیق کیا ہے ؟
جامعہ ، دسمبر ٧٠ . ص ١٧٣ تا ١٩٣

ادبی تخلیق کوئی عدم سے وجود میں آنے والی چیز نہیں ہے بلکہ ایک منفرد انداز نظر کا نام ہے . مضمون نگار نے انگریزی ، عربی اور اردو کے ادیبوں کے سرسری حوالوں سے اپنے اس خیال کی وضاحت کی ہے

٦٤ احمد خانصاحب ، ایم. اے ، مولوی
حضرت عمر بن احمر الباہلی کا دیوان
معارف ستمبر ٧٠ ، ص ٢٠٨ تا ٢٢١

حضرت عمر بن احمر الباہلی کی زندگی کا کچھ حصہ جاہلیت میں اور زیادہ حصہ اسلام میں گزرا ، ان کے دیوان کا تنقیدی جائزہ

٦٥ اختر انصاری دہلوی
اردو افسانے پر مغرب کا اثر
جامعہ ، جولائی ٧١ ، ص ٩٣ تا ٥٣

خود اردو افسانہ مغرب کی دین ہے قصہ نگاری کے پہلے دور میں سبرس اور طوطی‌نامہ اور دوسرے دور میں جو اٹھارویں صدی کے وسط سے انیسویں صدی کے وسط تک کا زمانہ تھا ، الف لیلہ اور داستان امیر حمزہ جیسے قصے لکھے گئے . تیسرا دور ناول نگاری کا تھا جس میں نذیراحمد ، سرشار ، شرر ، انجم کسمنڈوی اور رسوا جیسے مقصدی ناول نگار پیدا ہوئے . ماسٹر پیارے لال کی ابتدائی کوششوں کے بعد پریم چند سے افسانہ نگاری کا دور شروع ہوا جس پر مغربی اثرات کی واضح چھاپ ١٩٣٦ سے نظر آتی ہے .

٦٦ اصغر عباس
بعض مشاہیر کے غیرمطبوعہ خطوط (سرسید ، شبلی ، نذیراحمد ، حالی ، عبد الحلیم شرر اور شاد عظیم‌آبادی) .
اردو ادب ، شمارہ ١ ، سنہ ٧٠ ، ص ٩٢ تا ١١٩

سرسید کے بیشتر خطوط بابودرگا پرشاد کے نام ہیں اور باقی مشاہیر کے خطوط بیشتر سرسید کے نام ہیں .

٦٧ اصغر عباس
سرسید کے انسٹی‌ٹیوٹ گزٹ کی اہمیت
اردو ادب ، شمارہ ١ ، ٧٠ ، ص ٧٩ تا ٨٣

سرسید کے مشہور اخبار انسٹی‌ٹیوٹ

گزٹ کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اس اخبار نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں خاص طور سے شمالی ہند کے لوگوں نے جو ذہنی آزادی حاصل کی وہ گزٹ ہی کی رہین منت ہے ۔ سرسید نے اس میں زراعت ، تعلیم ، سائنس کے مبادیات، جمہوریت، آزادی رائے، حفظانِ صحت ، اجتماعی اور انفرادی اخلاق . ملکی قوانین ، بین الاقوامی حالات ، طرز لباس ، صنعت و حرفت، تعلیم نسواں، اردو ، غرض ہر موضوع پر لوگوں کو اس زمانے کے حالات کی روشنی میں متوجہ کیا اور زندگی کے تمام شعبوں میں حرکت و عمل کی لہر دوڑا دی ۔

۶۸　اقبال کرشن

دیوان غالب کا عروضی جائزہ

برہان دہلی ۔ شمارہ ۱ ، سنہ ۷ ، ص ۶۶ تا ۶۹

یہ بتایا ہے کہ غالب کے دیوان میں صرف ۸ بحریں ہیں ان ۸ بحروں کی متعدد مزاحف صورتیں ہیں اور پھر ہر ایک مزاحف صورت میں بیسیوں زمینیں ہیں ۔

۶۹　اکبر حیدری کاشمیری

حاتم اور ان کے دیوان کا قدیم ترین مخطوطہ بخط مصنف مکتوبہ ۱۱۶۹ ھ

اردو ادب ، شمارہ ۲ ، سنہ ۷ ، ص ۱ تا ۱۴

شیخ ظہور الدین حاتم کی شاعری حالات زندگی اور ان کے قدیم ترین مخطوطہ « دیوان زادہ » کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے ۔

۷۰　امیر حسن سید ، پروفیسر

غروری

معارف ، نومبر ۷۰ ، ص ۳۹۰ تا ۳۹۸

گیارھویں صدی ہجری کے ایرانی شعراء میں دو ہمعصر شاعر تھے جن کا تخلص غروری تھا . دونوں کا تعارف پیش کیا ہے ۔

۷۱　انور صدیقی

کچھ انگریزی ادب کے اثرات کے بارے میں

جامعہ ، مارچ ۷۰ ، ص ۱۲۶ تا ۱۳۰؛

فورٹ ولیم کالج ، دہلی کالج اور سر سید کی علی گڑھ تحریک ، انگریزی ادب کے زندہ اثرات کی تابندہ مثالیں ہیں انگریزی ادب کے اثرات کے تحت ہمارے ادب کو تنقید حیات کا شعور ملا . مشہور مترجمین اور ان کے تراجم کا جائزہ لیا ہے ۔

۷۲　انور صدیقی

کچھ نثر کے بارے میں

جامعہ ، مئی ۷۰ ، ص ۲۶۰ تا ۲۶۴

شاعری تمام عالمی تہذیبوں کی مادری زبان رہی ہے . صحیح نثر فکری ، غیر جذباتی اور لاشخصی انداز بیان کی متقاضی ہوتی ہے اور تہذیبی ارتقاء کے

ساتھ ہی نمودار ہوتی ہے۔ حالی اور سر سید جس زمانے میں نثر کو اس کا منصب دلانے کی جد و جہد کر رہے تھے محمد حسین آزاد نثر کے میدان میں رجعتی رول ادا کر رہے تھے۔ یونانی، انگریزی اور عربی ادب کے حوالوں سے نثر کے فنی پہلوؤں سے بحث کی ہے۔

۷۳ بشیر بدر
انشائیہ، نثری غزل
اردو ادب، شمارہ ۴، سنہ ۷۰، ص ۱۲۱ تا ۱۲۹

انشائیہ مغربی صنف ہے۔ اردو میں انشائیہ کی وہ تمام اقدار مشترک ہیں جو غزل میں پائی جاتی ہیں۔ اختصار، داخلیت، شخصیت کا پرخلوص اظہار، ظاہراً بے ربطی۔ اندرونی وحدت، آزادہ روی، نظریہ سے زیادہ واقعات، واقعات سے زیادہ تجربات اچھی غزل اور انشائیہ کے مشترکہ اقدار ہیں۔

۷۴ بھشم ساہنی
تلسی داس اور ہندوستانی ادب
فروغ اردو، جولائی ۷۰، ص ۲۱ تا ۲۲

تلسی داس کے پیام اور مقبولیت شاعری سے بحث۔

۷۵ جگن ناتھ آزاد
غالب اور اقبال
فروغ اردو، جنوری ۷۰، ص ۲۸ تا ۳۰

مماثلت کے چند پہلو پیش کئے ہیں۔

۷۶ جگن ناتھ آزاد
جگر کی شاعری میں سماجی عناصر
فروغ اردو، جولائی ۷۰، ص ۷ تا ۱۰

جگر اپنے گرد و پیش کے حالات سے بے خبر نہ رہے وہ جس سماج کے فرد تھے اس سماج میں انہوں نے کہیں آنکھیں بند نہیں رکھیں اس دعوے پر ان کے کلام سے چند سندیں پیش کی ہیں

۷۷ حبیب جے کرشن چودھری
بھرتری ہری اور ان کی شاعری
تحریک دہلی، ستمبر ۷۰ ص ۱۳ تا ۱۷

یہ بتایا ہے کہ بھرتری ہری اجین کے نواح کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور کچھ عرصہ حکومت بھی کی بعد میں کسی باعث راج پاٹ چھوڑ کر جنگلوں میں چلا گیا، کئی مؤرخ اسے مہاراجہ بکرماجیت کا جس نے بکرمی سمت جاری کیا بھائی بتاتے ہیں اس نے اپنی بیش بہا شاعری کے علاوہ کچھ نہ چھوڑا جس سے اس کی زندگی کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوسکے۔

۷۸ حافظ محمد جیلانی
غالب اور تصور غم
فروغ اردو۔ فروری ۷۰، ص ۱۰

غالب غم کو حیات انسانی کی آبرو سمجھتے تھے جبکہ عام اردو شعراء کے نزدیک وہ ایک کڑوے زہر کا جام سمجھا گیا ہے۔

۷۹ خلیل احمد مشیر ڈاکٹر

جاورہ میں غالب کی تین تحریریں

سب رس اگست ۷۰، ص ۸ تا ۱۱

جاورہ مدھیہ پردیش کی پرانی ریاستوں میں سے ایک ہے۔ مضمون نگار نے جناب ایس، ایم، اسلام عرف چنو میاں صاحب سے غالب کے تین خطوط کی نقل حاصل کی ہے جو غالب نے منشی نبی بخش حقیر کو لکھے تھے۔

۸۰ دسنوی عبدالقوی

محمد عبداللہ

کلام غالب کا ایک ہمعصر شارح

اردو ادب، شمارہ ۳ سنہ ۷۰، ص ۴۹ تا ۶۶

مضمون نگار نے یہ بتایا ہے کہ سید محمد عبداللہ بلگرامی نے غالب کے ۴۷ اشعار کی شرح اپنی تصنیف خزینۃ العلوم مطبوعہ ۱۸۷۹ء۔۱۲۹۶ھ میں لکھی مضمون پر غالب کے دو مشہور قصیدوں کی شرح بھی دی گئی ہے۔

۸۱ ذاکرہ غوث

کرناٹک میں ادب برائے خواتین

اردوادب، شمارہ ۴، سنہ ۷۰۔ ص ۱۳۰ تا ۱۴۱

مضمون نگار نے کرناٹک میں مولانا باقر آگاہ کی گوناگوں خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی ان دکھنی تصنیفات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے خواتین کی تعلیم کے لئے لکھیں۔

۸۲ رحم علی الہاشمی

طوفان

اردو ادب، شمارہ ۴، سنہ ۷۰، ص ۵ تا ۵۱

شیکسپئر کے مشہور ڈرامہ «ٹمپسٹ» کا سلیس، روان، عام فہم اور منظوم ترجمہ ہے۔

۸۳ ریاض الحسن، ڈاکٹر

دبستان لکھنو کی آبرو

فروغ اردو محسن نمبر، اپریل، مئی، جون ۷۰۔ ص ۱۴۳ تا ۱۴۶

ثابت کیا ہے کہ محسن نے فنی نقطۂ نظر سے اردو نعت گوئی کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔

۸۴ سحر ابومحمد، ڈاکٹر

دیوان غالب

اردو ادب، شمارہ ۴، سنہ ۷۰، ص ۸۷ تا ۱۰۶

بتایا ہے کہ اپریل ۶۹ع تک دیوان غالب قلمی نسخہ بھوپال ہی سب سے قدیم مخطوطہ سمجھا جاتا تھا، اس میں جابجا متن اور حاشیوں میں ترمیموں اور اضافوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۸۵ سخاوت مرزا

قدیم ریختہ مولانا بدرالدین جونپوری قدس سرہ

اردو ادب۔ شمارہ ۱، سنہ ۷۰۔ ص ۸۵ تا ۹۱

ریختہ کی مختصر تاریخ کے بعد مولانا بدرالدین جونپوری کی ایک غزل پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔

۸۶ سخاوت مرزا
کشن گیتا ، ارجن گیتا اور نرہا گیتا
کے قدیم دکنی ترجمے
مترجمہ سید شاہ امین دکنی
اردو ادب ، شمارہ ۳ ، سنہ ۷۰ ، ص ۲۹ تا ۳۴
یہ بتایا ہے کہ سیدمتین کو حضرت شاہ امین الدین اعلی بیجاپوری (۱۰۸۶) کے سلسلے کے ایک بزرگ خواجہ عارف گنج بخش سے نسبت ارادت تھی اور انھوں نے ان مقدس کتابوں کے ترجمے دکنی میں کئے۔

۸۷ سخاوت مرزا
مثنوی یوسف زلیخا ،
مصنفۂ معتبرخاں عمر تلمیذ ولی
اردو ادب ، شمارہ ٤ ، سنہ ۷۰ ، ص ۷۳ تا ۸۵
معتبرخاں عمر اورنگ آباد کے رہنے والے تھے ، ان کا اہم کارنامہ اردو زبان میں مثنوی یوسف زلیخا ہے جس کا قلمی نسخہ مضمون نگار کی نظر سے گذرا ہے۔ اس مثنوی کے مختصر اقتباسات بھی پیش کئے ہیں۔

۸۸ سفارش حسین رضوی ، سید
شاد عظیم آبادی کی مرثیہ گوئی
جامعہ ، مارچ ۷۰ ص ۱۳۱ تا ۱۴۷
شاد نے مرثیہ گوئی کی ابتدا کیوں اور کس طرح کی۔ ان کی مرثیہ گوئی میں نوحہ و زاری برخلاف استقلال و صبر نہیں ملتا۔ ایک تنقیدی جائزہ۔

۸۹ سلمان شمسی ندوی
مشہور مستشرقین اور ان کی تصنیفات
(جائزہ اور تعارف)
جامعہ ، دسمبر ۷۰ ، ص ۴۴۰ تا ۴۵۷
یوروپین اور امریکی مستشرقین کا تعارف اور ان کی تصانیف کا جائزہ ہے۔

۹۰ سلیمان اطہر جاوید ، ڈاکٹر
عبد اللہ قطب شاہ کی شاعری
سب رس ، مئی ۷۰ ، ص ۳۳ تا ۳۷
عبداللہ قطب شاہ ایک بلند پایہ شاعر تھا۔ اس کی شاعری محمد علی قطب شاہ کے بعد زبان کے ارتقا کی ایک کڑی ہے

۹۱ سلیمان اطہر جاوید ، ڈاکٹر
اردو شاعری میں رومانیت
سب رس ، اپریل ۷۰ ، ص ۱۲ تا ۲۰
انگریزی ادب کی رومانی تحریک سے متاثر ہوکر اردو میں بھی رومانی شاعری شروع ہوئی۔ اقبال سے لے کر جوش اور موجودہ ترقی پسند شاعروں کی رومانی شاعری پر نظر ڈالی ہے۔

۹۲ سلیمان اطہر جاوید ، ڈاکٹر
«افادات مہدی» کا تنقیدی مطالعہ
سب رس ، جنوری ۷۰ ، ص ۲۰ تا ۳۴
مہدی اپنی انشا پردازی سے ایک لے ، آہنگ اور ترنگ پیدا کرتے ہیں ، ایک جادو جاگ اٹھتا ہے اور قاری حسن و شوق کی ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ مہدی افادی اپنی انشا پردازی کے باعث اردو ادب میں زندہ رہیں گے۔

٩٣ سید محمد عقیل ، ڈاکٹر

محسن کاکوروی کی مثنویاں

فروغ اردو محسن نمبر ۔ اپریل ، مئی ، جون ٧٠ ، ص ٣٧ تا ٤٠

محسن کی مثنویوں کی تشبیہات و تلمیحات پر بحث

٩٤ سید محمود حسین

مفرح القلوب (قسط دوم)

برہان دہلی ۔ شمارہ ١ جلد ٦٤ ۔ سنہ ٧٠ ، ص ٤٩ تا ٥٦

بتایا گیا ہے کہ مفرح القلوب عہد سلطنت خداداد کی دکنی شاعری اور زبان کا ضخیم ترین اور نمائندہ مجموعہ ہے ۔ یہ وہ دکنی ہے جو ٹیپو سلطان کے دربار میں رائج تھی

٩٥ سیفی پریمی ، ڈاکٹر

محتسب — ایک شعری کردار

جامعہ ۔ ستمبر ٧٠ ۔ ص ١٥١ تا ١٥٨

اردو غزل کا محتسب اقتدار کا نمائندہ ہے جس کے کردار کے سہارے ہمیں اپنے سماج اور انتظامی کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے ۔ مشاہیر کے اشعار کی سند کے ساتھ مضمون نگار نے اپنے اس خیال کی وضاحت کی ہے

٩٦ شاکرہ بیگم

اردو میں فہرست اور اشاریہ سازی کے کچھ مسائل

نوائے ادب ۔ اپریل ٧٠ ، ص ٩ تا ١٢

فہرست سازی کے سلسلہ میں یکسانیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے ۔ اس سلسلہ میں چند اہم نکات کی نشان دہی کی ہے ۔

٩٧ شایاں ، ذکاء الدین

اردو شاعری اور رومانیت

اردو ادب ۔ شمارہ ٤ سنہ ٧٠ ، ص ١٠٧ تا ١١٩

اردو شاعری میں رومانی تحریک کا جائزہ لیتے ہوئے مشہور انگریزی شعراء کی رومانیت کا ذکر کیا ہے ۔

٩٨ شہاب ، مہر محمد خاں

شاد عظیم آبادی کی مرثیہ گوئی

جامعہ ۔ مئی ٧٠ ، ص ٢٦٥ تا ٢٧٠

شاد یا ان کے مداحوں کو جن باکمالوں سے برابری یا برتری کا دعوٰی تھا ، وہ محض خوش خیالی اور خود ستائی ہے ۔ مارچ کے اس پرچہ میں شائع شدہ سید سفارش حسین رضوی کے مضمون کا تنقیدی جائزہ لیا ہے ۔

٩٩ صباح الدین ، سید

ادبی سرقات

(کلام غالب کی روشنی میں)

معارف ۔ اکتوبر ٧٠ ص ٢٤٥ تا ٢٧٠

نومبر ٧٠ ، ص ٣٢٥ تا ٣٥٢

یگانہ ، یاس چنگیزی نے غالب کے ٥٨ اشعار کو ہدف تنقید بلکہ ہدف تنقیص بنایا ہے ۔ مضمون نگار نے یگانہ کے اعتراضات کا جائزہ لے کر بتایا ہے کہ وہ بودے اور بے بنیاد ہیں ۔

۱۰۰ ظل حسنین ۔ ڈاکٹر
مخدوم اور اس کی شاعری
ماہنامہ سب رس ۔ جنوری ۔ ۷۰ ص ٦ تا ۱۱
مخدوم ایک بڑا انسان ، بڑا انقلابی اور بڑا شاعر تھا۔ اس نے اپنی شاعری سے وقت ، تاریخ اور سماج کے صحیح تقاضوں گرفت میں لا کر ایک تحریک پیدا کی ، اس طرح جام شریعت اور سندان عشق دونوں کا حق بخوبی ادا کیا

۱۰۱ عبد السلام قدوائی
صاحب قاموس مجد الدین فیروزآبادی
جامعہ ۔ مئی ۔ ۷۰ ص ۲۴۹ تا ۲۵۹
صاحب قاموس اپنے علم و فضل کی بدولت اُس بلند مقام پر پہنچے تھے کہ ہم عصر حکام ان سے شرف ملاقات کو باعث سعادت سمجھتے تھے ۔ آپ نے ۱۸۵۰ تولے سونے کی قیمت کی کتابیں اپنے مطالعـــہ کے لئے خریدی تھیں ۔ سوانح حیات اور علمی کارناموں پر ایک تحقیقی مضمون

۱۰۲ عبد الودود ، ڈاکٹر
اردو اور دیوناگری رسم الخط
ایک جائزہ (عہد بھارتیندو سے قبل)
اردو ادب ۔ شمارہ ۳ سنہ ۷۰ ۔ ص ۳۵ تا ۴۸
بتایا ہے کہ بھارتیندو ہریش چندر کے عہد سے کھڑی بولی (ہندی) کی تحریک شروع ہوئی ، تحریک کے فروغ کے ساتھ ساتھ اردو کی مخالفت کی تحریک بھی شروع ہوئی ۔ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اردو کی مخالفت کھڑی بولی (ہندی) کی تحریک کا اہم جزو رہی ہے اور یہی اردو و دیوناگری رسم الخط کے تنازعہ کی شکل میں اب بھی موجود ہے

۱۰۳ عرشی زادہ اکبرعلی خاں
نو دریافت دیوان غالب کے سنۂ
کتابت کا مسئلہ
تحریک دہلی ۔ مارچ ۷۰ ۔ ص ۲۱ تا ۲۷
۵ اپریل ٦۹ ع کو نو دریافت دیوان غالب بھوپال سے ملا جس پر سنہ کتابت درج نہیں ہے ۔ مضمون نگار کے نزدیک اعداد سنہ عمداً لکھے نہیں گئے ۔ چنانچہ اس مخطوطے کے ص ۸۱ پر ۱۲۳۵ ھ کی یادداشت میں بھی سنہ کے نون کا نقطہ موجود نہیں ہے اس کے برخلاف ترقیمے میں نون کا نقطہ واضح ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ یہاں غالب کو اعداد سنہ لکھنا مقصود ہی نہ تھا ۔

۱۰۴ عنایت اللہ ، شیخ ڈاکٹر
اردو زبان کا ترکی عنصر
معارف ۔ اپریل ۷۰ ، ص ۲۴۵ تا ۲٦٦
ہندوستان میں ترکوں کی اور اردو زبان میں ترکی الفاظ کی تاریخ بہ تفصیل بیان کی ہے اور اردو میں رائج تقریباً تمام ترکی الفاظ کے معنی بھی بیان کئے ہیں

۱۰۵ فائق کلب علی خان
نواب یوسف علی خاں ناظم اور شاگردیء مومن
تحریک دہلی، مئی ۷۰، ص ۱۹ تا ۲۳
یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نواب موصوف پہلے مومن سے بعدہ غالب و اسیر سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔

۱۰۶ فریدہ بیگم
اردو زبان کی تمدنی اہمیت
جامعہ، جنوری ۷۰، ص ۲۹ تا ۴۲
ہندوستانی تاریخ کے دھارے جیسے جیسے بدلتے گئے اس ملک کی تہذیب و تمدن پر نیا رنگ و روغن چڑھتا گیا جس کی عکاسی اردو زبان و ادب بحسن و خوبی کرتے رہے ہیں۔ اردو کے مزاج اور اس کی خدمات کا دلچسپ جائزہ۔

۱۰۷ فرینک کرموڈ
فن کار کی کنارہ کشی
اردو ادب، شمارہ ۲، سنہ ۷۰، ص ۷۳ تا ۱۰۱
اس مضمون میں مثالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ فن کار کی زندگی کا آغاز پُرمسرت ہوتا ہے لیکن آخرکار مایوسیوں اور ناکامیوں سے سابقہ پڑتا ہے اور جنون پر خاتمہ ہوتا ہے۔

۱۰۸ فہمیدہ بیگم خلیل
برٹش میوزیم، لندن میں حضرت میرانجی شمس العشاق کا کلام
سب رس، مارچ ۷۰، ص ۳ تا ۸
برٹش میوزیم میں میرانجی شمس العشاق کے تین منظوم رسالے موجود ہیں لیکن ان کے سنین کتابت و کاتب کا نام نہیں ملتا، مضمون میں مثنوی شہادت المحبت کا ایک منظوم اقتباس بھی دیا ہے۔

۱۰۹ قیصر جہاں، ڈاکٹر
اردو گیت
اردو ادب، شمارہ ۳، سنہ ۷۰، ص ۱۰۷ تا ۱۱۴
بتایا گیا ہے کہ اردو میں گیت کی ابتدا خسرو کے زمانہ سے ہوتی ہے۔ اردو کی اولین شکل ریختہ ہے اور اس کی اولین صنف گیت ہے۔

۱۱۰ کبیر احمد
جہانگیر اور شاہ عباس کے غیر مطبوعہ خطوط
معارف، دسمبر ۷۰، ص ۴۵۸ تا ۴۷۰
ایران کا شاہ عباس قندھار کو جو قلمرو ہند میں شامل تھا، واپس لینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے جہانگیر کو جو خطوط لکھے ان کا پس منظر اور متن پیش کیا گیا ہے۔

۱۱۱ کرشن چندر
اردو کا مقدمہ
جامعہ، مارچ ۷۰، ص ۱۲۲ تا ۱۲۵
اردو کو اُن تمام صوبوں میں علاقائی زبان کا سرکاری درجہ دیا جائے جہاں کی اکثریت اردو بولتی اور سمجھتی ہے۔

یہ وہ صدارتی خطبہ ہے جو ۱۹۶۹ع کے اردو کنونشن میں اندرا گاندھی کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔

۱۱۲ گیان چند جین، ڈاکٹر

نسخہ عرشی زادہ — ایک جائزہ

اردو ادب، شمارہ ۴، سنہ ۷۰، ص ۵۳ تا ۷۱

«دیوان غالب بخط غالب» کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ مقدمہ و حواشی میں مرتب نے بڑی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔

۱۱۳ محمد اقبال

شاہ حسین لاہوری کا ایک غیر معروف رسالہ «تہنیہ»

معارف، اگست ۷۰، ص ۱۳۶ تا ۱۴۳

شاہ حسین لاہوری دسویں صدی ہجری کے ایک ممتاز صوفی تھے۔ تعارفی تمہید کے بعد ان کے رسالۂ تہنیہ کا متن پیش کیا ہے۔

۱۱۴ محمد انصار اللہ نظر

قصۂ مہر افروز و دلبر

اردو ادب، شمارہ ۲، سنہ ۷۰، ص ۴۳ تا ۷۲

یہ ایک ایسی داستان ہے جس کا ذکر تذکروں یا تاریخوں میں نہیں ملتا۔ مضمون نگار نے ڈاکٹر مسعود حسین خان کی مرتبہ کتاب اور فاضلانہ مقدمہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کتاب شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں لکھی گئی۔

۱۱۵ محمد بدیع الزماں

اقبال اور تصوف

سب رس، اگست ۷۰، ص ۱۷ تا ۲۲

اردو شاعری میں تصوف کی اہمیت پر لکھتے ہوئے مضمون نگار نے اقبال کی شاعری میں تصوف کے عصر کی نشاندہی کی ہے۔ اقبال تصوف کو انسانی زندگی میں تزکیۂ نفس کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔

۱۱۶ محمد بدیع الزماں

غزل کی غرض و غایت

سب رس، مارچ ۷۰، ص ۳۱ تا ۴۱

غزل اختصار کے ساتھ علم و حکمت کے سارے نظریئے اور گہرے نفسیاتی حقائق کو صداقت کے ساتھ نظم کردینے کا نام ہے کہ سنتے ہی دل میں اتر جائیں۔

۱۱۷ م۔ ن۔ سعید

بندہ نواز کا ایک نثری رسالہ

سب رس، مئی ۷۰، ص ۱۰ تا ۱۵

چار صفحوں کا یہ دستیاب شدہ رسالہ جس مجموعہ میں شامل ہے اس میں دوسرے رسالوں پر ۱۲۳۱ھ کی مہر ہے اس رسالہ میں تخلیق کائنات پر بحث کی گئی ہے، مطالب معراج العاشقین سے بالکل الگ ہیں گو اصطلاحات یکساں ہیں۔ اس رسالہ کو بھی مقالہ کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

۱۱۸ محمد نعیم ندوی، حافظ
جدید عربی زبان پر ترکی کے اثرات
معارف، اگست ۷۰، ص ۱۲۱ تا ۱۳۵
اُن ترکی الفاظ کی فہرست اور ان کے معنی دئے ہیں جو جدید عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔

۱۱۹ محمد ہاشم علی
نصرتی کی چار غیرمطبوعہ غزلیں
نوائے ادب، اپریل ۷۰، ص ۱ تا ۸
نصرتی کی چار غزلوں کو جن کا پتہ حال ہی میں چلا ہے، نقل کیا ہے۔ فرہنگ الفاظ بھی دی گئی ہے۔

۱۲۰ مہر، غلام رسول مولانا
اشاریۂ غالب
اردو ادب، شمارہ ۲، سنہ ۷۰ ص ۹۳ تا ۱۰۶
اشاریۂ غالب مرتبۂ سید معین الرحمان مطبوعہ لاہور کا تعارف کراتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کتاب کا اصل مقصود ترتیب یہی بتانا ہے کہ میرزا کی فکر و نظر کی ندرت کاریوں نے الفاظ و عبارت کا لباس پہن کر جن تصانیف کی شکل اختیار کی ان کی پوری سرگذشت از ابتدا تا انتہا اس کتاب کے احاطہ میں آگئی ہے۔

۱۲۱ نارنگ گوپی چند، ڈاکٹر
ذاکر صاحب کی نثر
اردو کے بنیادی اسلوب کی ایک مثال
اردو ادب، شمارہ ۱، سنہ ۷۰، ص ۵ تا ۲۱
مضمون نگار نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ذاکر صاحب کی تخلیقی صلاحیت اور شائستہ متانت نے ان کی ہر بات میں ادبیت کی شان پیدا کردی تھی۔ ان کی مشہور تصنیف «تعلیمی خطبات» سے اقتسابات پیش کرکے یہ بات ثابت کی ہے کہ وہ مخاطب سے براہ راست باتیں کرتے ہیں۔ گفتگو کا یہی انداز ان کے اسلوب کی جان ہے۔

۱۲۲ ناظر انصاری جلگانوی
اردو غزل میں زلف و گیسو کا تصور
سب رس، جون ۷۰، ص ۱۹ تا ۳۰
اردو غزل میں زلف و گیسو کی روایات غزل کی روایات اور قدامت میں کسی طرح کم نہیں۔ مضمون میں شعراء کے کلام کا نمونہ دے کر نادر و نایاب خیالات کو یکجا کردیا ہے۔

۱۲۳ نثار احمد فاروقی
نو دریافت دیوان غالب کے سنۂ کتابت کا مسئلہ
تحریک، مئی ۷۰، ص ۳۰ تا ۳۲
مارچ سنہ ۷۰ع کے تحریک میں اکبرعلی خان کے اس موضوع پر مضمون سے بحث کرتے ہوئے مضمون نگار نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب «تلاش غالب» میں اس دیوان کے سنہ کا تعین ۱۲۳۱ سے ۱۲۳۵ھ کے درمیان کیا ہے اور ۱۲۳۱ھ کو ترجیح دی ہے۔

۱۲۴ ندوی ، احتشام احمد ڈاکٹر
شہر آشوب کے آئینہ میں سماجی
زندگی کے مرقعے
سب رس ، جون ۷۰ ، ص ۱۲ تا ۱۸
شہر آشوب کے آئینہ میں ہندوستان کی معاشی ابتری ، امراء و سلاطین کے معاشی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیا ہے

۱۲۵ نورالسعید اختر ، ڈاکٹر
تاج الحقائق محققین کی نظر میں
سب رس ، فروری ۷۰ ، ص ۹ تا ۱۵
یہ ثابت کیا ہے کہ تاج الحقائق میراں جی شمس العشاق کی تصنیف نہیں بلکہ ملا وجہی کی ہے ۔ مضمون نگار کو اس کا سال تصنیف نہ مل سکا لیکن یہ سب رس کے بعد کی تصنیف خیال کی جاتی ہے جس کا سنہ تصنیف ۱۰۴۵ھ ہے ۔

۱۲۶ نورالسعید اختر ، ڈاکٹر
ملا وجہی کی دکنی شاعری
سب رس ، مئی ۷۰ ، ص ۵ تا ۹
وجہی نے مثنوی ، غزل ، رباعی ، قصیدہ اور مرثیہ جیسے اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے ۔ وجہی کی غزلیں صاف ستھری اور عام فہم ہوتی ہیں اور اور ان کی شاعری میں ایرانیت کی جگہ ہندوستانیت نظر آتی ہے ۔

۱۲۷ واقف محمد ایوب
مقالات نجیب اشرف ندوی
سب رس ، ستمبر ۷۰ ، ص ۳۷ تا ۴۶
سید نجیب اشرف ندوی کے ۸ مقالات جو معارف میں شائع ہوئے اور بقیہ جو نوائے ادب ، بمبئی میں شائع ہوئے ان کا ذکر کرتے ہوئے تحقیق میں تلاش و تجسس کی اہمیت پر زور دیا ہے ۔

۱۲۸ واقف محمد ایوب
سید قادر میاں خوشتر احمدآبادی
اور ان کا نایاب مرثیہ
معارف ، ستمبر ۷۰ ، ص ۲۲۲ تا ۲۳۱
سید نجیب اشرف ندوی مرحوم کے ذاتی کتب خانہ سے اس نایاب مرثیہ کی دستیابی کا ذکر کرتے ہوئے شاعر کا تعارف اور مرثیہ کا متن پیش کیا ہے ۔

۱۲۹ وصی احمد سندیلوی
زبان پر سماج کا اثر
فروغ اردو ، جنوری ۷۰ ، ص ۱۶ تا ۲۱
زبان اپنے سماج سے متاثر ہوا کرتی ہے ، اس سلسلہ کے شواہد پیش کئے ہیں ۔

۱۳۰ ہاشمی عبیدالرحمان ، قاضی
نظم جدید — ایک جائزہ
اردو ادب ، شمارہ ۴ سنہ ۷۰ ، ص ۱۴۶ تا ۱۴۸
جدید اردو نظم کا اجمالی جائزہ لیا ہے

تاریخ و سیاسیات

۱۳۱ آفتاب اختر ، ڈاکٹر
ایران کی ناقابل فراموش تحریک
برہان دہلی ، اکتوبر ۷۰ ، شمارہ ۱۰ ، ص ۲۴۱ تا ۲۶۰

ایران کی تحریک مشروطیت کے دو محرکات تھے : ایک داخلی محرک قاچاری استبدادیت، دوسرا خارجی، جس میں انقلاب فرانس و روس کو اہمیت حاصل ہے . اس تحریک کے نتیجہ میں آج ایران کو تعلیم و صحت اور صنعت و حرفت کی ترقی، اصول مساوات کا فروغ اور ملکی دفاع کی برکتیں حاصل ہیں .

۱۲۲ ابوعلی

تاریخ ہند کے عربی مآخذ

سب رس، فروری ۷۰، ص ۱٦ تا ۲۰

سید صاحب کی تالیف عرب و ہند کے تعلقات، شاہ معین الدین احمد ندوی کی تالیف ہندوستان عربوں کی نظر میں اور قاضی اطہر مبارکپوری کی عربی تالیف رجال السند والھند کے حوالے دئے ہیں .

۱۲۳ اجیت بھٹا چاریہ جی

ترجمہ : سید جعفر رضا بلگرامی ڈاکٹر

عرب و اسرائیل جنگ کا پس منظر : ایک نفسیاتی جائزہ

جامعہ، جولائی ۷۰، ص ۱۷ تا ۳٦

سنہ ٦۷ میں عربوں پر اسرائیل کی کامیابی کے نتیجے میں آزادیٔ فلسطین کی تحریک اور گوریلا حملوں کی شدت اور وسعت بڑھ گئی . مغربی ایشیا میں پی۔ ایل۔ او اب فلسطین میں سیکیولر نظام حکومت کی تجویز پیش کر رہی ہے . عرب اور اسرائیل کی عسکری طاقتوں اور سیاسی مقاصد کا تعین کیا ہے اور دونوں کی نفسیاتی کیفیتوں کا جائزہ لیا ہے .

۱۲۴ انور احمد سوپاروی

عروس البلاد بمبئی کی تاریخی سرگذشت

معارف، جنوری و فروری ۷۰، ص ۲٦ تا ۴۳ و ۱۰۸ تا ۱۲۴

احمد شاہ والیٔ گجرات کے عہد سے ۱۸۵۰ع میں ریل گاڑی کے آغاز تک کی سرگذشت بنظر تحقیق تاریخی حوالوں سے بیان کی ہے . تین قسطوں میں مضمون ختم کیا ہے .

۱۲۵ صباح الدین عبد الرحمن سید

دار المصنفین میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کا چھٹا اجلاس

معارف، فروری ۷۰، ص ۱۳٦ تا ۱۵۷

اجلاس کا تاریخی پس منظر، تقاریر کے خلاصے اور روداد پیش کی گئی ہے .

۱۳٦ صباح الدین عبد الرحمن سید

پاکستان میں دو مہینے

معارف، اپریل ۷۰، ص ۲۸۵ تا ۳۰٦
مئی ۷۰، ص ۲۸۳ تا ۳۷۲
جون ۷۰، ص ۴۲۳ تا ۴۴۹

تین قسطوں میں پاکستان کی علمی ادبی، سیاسی ومعاشرتی فضا کا تفصیلی جائزہ لیا ہے .

۱۳۷ عصمت گرتلی ، پروفیسر
تلخیص : عبد اللطیف اعظمی
ترکی اور روس کے تعلقات
جامعہ ، ستمبر ۷۰ ، ص ۱۱۹ تا ۱۳۲

سنہ ۱۹۲۱ ع سے زمانۂ حال تک ترکی اور روس کے سیاسی تعلقات ، فوجی معاہدات اور اقتصادی تعاون کے مد و جزر کا جائزہ تاریخی واقعات کی روشنی میں لیا گیا ہے ۔

۱۳۸ عنایت اللہ ، ڈاکٹر شیخ
اسلامک اسٹڈیز کا مقصد اور اس کی تاریخ
معارف ، جون ، جولائی ۷۰ ، ص ۴۰۵ تا ۴۲۲ و ۵ تا ۲۳

بلاد مغرب میں اسلامی اسٹڈیز نے ایک مستقل شعبۂ علم کی حیثیت کیسے حاصل کی ؟ اسلامیات کے مغربی ماہرین کے کارنامے بیان کئے ہیں ۔

۱۳۹ عنایت اللہ ، ڈاکٹر شیخ
قرطاس اور کاغذ تاریخ کی روشنی میں
معارف ، اکتوبر ۷۰ ، ص ۲۹۰ تا ۳۱۱
نومبر ۷۰ ، ص ۳۷۵ تا ۳۸۵

دوسری صدی میں کاغذ کی صنعت اسلامی ممالک میں عام ہونے سے پیشتر قرطاس کا استعمال ہوتا تھا جو مصر کی پیداوار ہے ۔ قرطاس اور کاغذ کا فرق بہ تفصیل بیان کیا ہے ۔

۱۴۰ غلام ربانی ، سید
فیروزشاہ تغلق کی یادگاریں
جامعہ ، اپریل ۷۰ ، ص ۱۸۹ تا ۱۹۶

فیروز شاہ تغلق نے محمد شاہ تغلق کے مظالم کا ازالہ کیا ۔ آثار قدیمہ کی مرمت کرائی اور کئی یادگار عمارتیں بند اور پُل وغیرہ بطرز « تغلق اسٹائل » بنوائے ۔

۱۴۱ غوری ، شبیر احمد
عہد بابری کی علمی سرگرمیاں
برہان دہلی ، مارچ ۷۰ ، ص ۱۹۹ تا ۲۱۱
اپریل » ، ص ۲۶۹ تا ۲۸۴

بابر اہل‌سیف ہونے کے ساتھ اہل قلم بھی تھا ۔ اس مضمون میں اس کی علم دوستی اور علم نوازی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تزک کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ہرات کی اعلی علمی و ادبی سرگرمیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس شہر کے چند ممتاز ادباء و علماء کے نام بھی دئے گئے ہیں ۔

۱۴۲ فارق ، خورشید احمد ڈاکٹر
عہد فاروقی کا اقتصادی جائزہ
برہان دہلی ، جون ، جولائی ، اگست ۷۰ ، شمارہ ۶ تا ۸

عمرفاروق کے عہد خلافت کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت ابوبکر کے زمانے سے بہتر ہوگئی تھی عمرفاروق کے زمانے میں فوجی کارروائیاں زیادہ ہوئیں اور مسلمانوں نے بڑے معرکے سر کئے اس لئے ان کو مال غنیمت کا خمس بھی زیادہ ملا ،

جزیہ و زکاۃ کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا لیکن ان سب آمدنیوں کے اخراجات بھی زیادہ تر فوج ہی پر کئے جانے لگے۔

۱۴۳ محمد بدیع الزمان

اقبال اور وطنیت

جامعہ ، فروری ۷۰ ، ص ۹۰ تا ۹۷

اقبال کے کلام کا تنقیدی جائزہ لےکر بتایا ہے کہ اقبال کے کلام میں نہ صرف وطن سے محبت ملتی ہے بلکہ ملک کے پہاڑ ، پتھر ، ندی ، دیوی اور دیوتا سے بھی عقیدت مندی ملتی ہے اور اپنے وطن کی عظمت رفتہ کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ نیز وطن کی آزادی کی خاطر جد و جہد کا عزم بھی ملتا ہے ۔

۱۴۴ محمد حفیظ اللہ پھلواری ، مولوی

ظہیر الدین محمد بابر کا علمی ذوق

معارف ، جنوری ۷۰ ، ص ۴۴ تا ۵۶

بابر گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اس عرصہ میں اس کی ابتدائی تعلیم مکمل و پختہ ہوچکی تھی۔ جنگی مصروفیتوں کے باوجود اس کا علمی و ادبی ذوق ، مستند شاعر ، ادیب ، خطاط اور مصور ہونا حیرت انگیز ہے ۔ بابر کے علمی مشاغل کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۴۵ محمد عبد المنان ، ڈاکٹر

شاہان بہمنیہ کی رعایا پروری

سب رس ، جنوری ۷۰ ، ص ۱۲ تا ۱۹

شاہان بہمنیہ کی بےتعصبی ، وسیع القلبی ، فیاضی اور رواداری کی مثالیں دیتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کا سلوک رعایا کے مختلف طبقات کے ساتھ یکساں تھا ۔

۱۴۶ محمد عمر ، ڈاکٹر

ہندو تہذیب اور مسلمان

برہان دہلی ، فروری ، جولائی ، نومبر ۷۰

گذشتہ سے پیوستہ

۱۴۷ معین الدین حارث

جامعہ سے متعلق ایک قدیم طالب علم کے افکار و تاثرات

جامعہ ، فروری ۷۰ ، ص ۴۳ تا ۸۴

جامعہ ملیہ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی بنیاد کمزور نہ پڑنے پائے ۔ قرب و جوار کے علاقوں میں اچھے مثالی ابتدائی اور ثانوی مدارس قائم کرنے اور چلانے کی کوشش کرنی چاہئے ۔ مضمون نگار نے اسلم جےراجپوری اور ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمات کو سراہا ہے ۔

۱۴۸ میر نجم الدین علی خان

کیا چارمینار مدرسہ تھا ؟

سب رس ، جون ۷۰ ، ص ۳۱ تا ۳۶

تاریخ کے تذکروں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ چارمینار کبھی مدرسہ نہیں تھا البتہ جامع مسجد کے مدرسہ کی شہرت لفظ جامعہ لےکر اس عمارت کے نام سے ہوئی ۔

۱۴۹ نذیر احمد ، ڈاکٹر

ہندوستان میں مغلیہ عہد کے مصور اورتاریخی اہمیت کے حامل مخطوطات

اردو ادب ، شمارہ ۱، سنہ ۷۰، ص ۴۵ تا ۷۰
اردو ادب ، شمارہ ۲ ، سنہ ۷۰ ، ص ۱۰۳ تا ۱۲۴

ہندوستان کے ان فارسی مخطوطات کا محدود اور مختصر جائزہ ہے جو عہد تیموریہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مصور یا تاریخی اہمیت کے حامل ہیں ۔ مصنف نے ان مخطوطات کی درجہ بندی چار عنوانات کے تحت کی ہے :
(ا) مصور مخطوطات (ب) آٹوگراف مخطوطات (ج) خوش نویسی کے اعلی نمونوں پر مشتمل مخطوطات (د) تاریخی اہمیت کے حامل مخطوطات ۔

تعلیمات

۱۵۰ محمد راشد

ہندوستان میں عربی کا نظام تعلیم اور جدید عربی

برہان دہلی، شمارہ ۷، جولائی ۷۰ ، ص ۳۸ تا ۴۸

ہندوستان میں عربی کا نظام تعلیم ابھی تک قدامت لئے ہوئے ہے ، جدید عربی کو ہندوستان کے موجودہ پڑھے لکھے عربی عالم پست معیاری کی علامت سمجھتے ہیں ۔ مضمون نگار نے اس جانب توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس سلسلہ میں اگر ہم ہندوستانیوں نے قدم آگے نہ بڑھایا تو جدید عربی سے بالکل نابلد ہو جائیں گے ۔ اور اس سے مستفید بھی نہ ہو سکیں گے ۔

۱۵۱ میر نجم الدین علی خاں

قطب‌شاہی دور میں دکن کا نظام تعلیم

سب رس ، اگست ۷۰، ص ۲۰ تا ۲۸

قطب شاہی دور میں دکن کا نظام تعلیم بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ زمانۂ قدیم کے جو مضامین مدارس میں رائج تھے ان میں علم منقول ، ادب اور علم معقولات اہم تھے ۔

آرٹ

۱۵۲ غلام ربانی ، سید

فن اور زندگی

جامعہ ، فروری ۷۰ ، ص ۸۵ تا ۸۹

فن ایک طرز زندگی ہے ۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی عام مثالوں سے مضمون نگار نے اپنے اس نظریہ کی وضاحت کی ہے ۔

۱۵۳ غلام ربانی ، سید

دلی کی قدیم مسجدیں

جامعہ ، جولائی ۷۰ ، ص ۳۷ تا ۴۸

دلی کی پندرہ مشہور مسجدوں کی تعمیری و فنی خصوصیات اور تاریخی معلومات بیان کی گئی ہیں ۔

۱۵۴ محمد عبدالمنان ،ڈاکٹر

عہد بہمنیہ کا فن تعمیر

سب رس ، اپریل ۷۰ ، ص ۳ تا ۱۱
مئی ۷۰ ، ص ۳ تا ۴
جون ۷۰ ، ص ۳ تا ۱۱
ستمبر ۷۰ ، ص ۱۵ تا ۱۹

گلبرگہ و بیدر کے فن تعمیر پر بحث کرتے ہوئے اس دور کی مختلف مساجد ، گنبد اور محلات شاہی کی تعمیر پر روشنی ڈالی ہے ۔

متفرقات

۱۵۵ پن چکی

جامعہ ، اگست ۷۰ ، ص ۹۰ تا ۹۵

اورنگ آباد کی پن چکی اور نہروں کی تعمیری و فنی خصوصیات بیان کی ہیں ۔

ایڈیٹر : عبدالرزاق قریشی

پرنٹر پبلشر سید شہاب الدین دسنوی نے ادبی پرنٹنگ پریس ، ۸ ، شیفرڈ روڈ ، بمبئی ۸ ، میں چھپواکر ، مالکان انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ، ۹۲ ، دادا بھائی نوروجی روڈ ، بمبئی ۱ ، کے لئے شائع کیا ۔

Publications of the Islamic Research Association, Bombay

1. **Diwan of Khaki Khorasani.** Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 6-00

2. **Two Early Ismaili Treatises (Haft Babi Baba Sayyidna and Matlubu'l-Mu'minin)** by Nasiru'd-din Tusi. Persian text, edited by W. Ivanow. Rs. 4-00

3. **True Meaning of Religion (Risala Dar Haqiqati Din)** by Shihabu'd-din Shah. Persian text, with English translation by W. Ivanow. Rs. 4-00

4. **Kalami Pir,** or **Haft Babi Sayyid Nasir.** Persian text, edited and translated into English by W. Ivanow. Rs. 7-50

5. **Arabon-ki Jahaz-Rani (Arab Navigation)** by Syed Sulaiman Nadwi. In Urdu (Revised Edition). Rs. 6-00

6. **The Book of Truthfulness (Kitab al-Sidq)** by Abu Sa'id al-Kharraz. Arabic text, edited and translated by A. J. Arberry. Rs. 4-00

7. **Al-Hidayatu'l-Amiriya.** Arabic text, edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs. 5-00

8. **Islamic Research Association, Miscellany, Volume I,** edited by Asaf A. A. Fyzee. Rs.12-50

9. **The Nuh Sipihr of Amir Khusraw.** Persian text, edited by Mohammad Wahid Mirza. Rs.15-00

10. **Kitabu'l Kashf of Ja'far B. Mansuri'l Yaman.** Arabic text, edited by R. Strothmann. Rs.25-00

ملنے کا پتہ:

ادبی پبلشرس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

Adabi Publishers, 8, Shepherd Road

BOMBAY-8

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription:

Inland & Pakistan : Rs. 6 Foreign: Shillings 12
(inclusive of postage)

Price per copy: Rupee one & Paise fifty

[Vol. 21 1970 OCTOBER - DECEMBER No. 4]

All remittances to be made to

THE ADABI PUBLISHERS

8 Shepherd Road, Bombay 8 (India)